

اُردو

دیوان غالب

مشرح نظامی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

محمد اسد اللہ خان غالب

پوچھتے ہیں: کون غالب کون ہے؟ + کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلا دیں کیا؟



نجم الدولہ وزیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی

خط مرزا غالب

جناب صاحب کو میری زندگی بہتر کر دے گا مگر وہ غلام غوث کا بہادر مرشد
 کا قول ہے اب میں تندرست نہیں ہو جاؤں اچھی زخم جڑا
 کہیں نہیں مگر صنف کے وہ رشتہ ہیں ؟ خدا کے پناہ صنف کو تو
 نہو برس دن صاحب فراسی راہوں شتر بر کے عمر جتنا خون نہیں
 تھا بے مبالغہ آدھا اوسیلی سے پیپ ہو کر نکل گیا سن تو
 کہتا جواب پہر تولید دم صالح ہو پیر حاکم زندہ ہوں
 اور نا تو ان اور آپ کے ہر شہارہ ستانہ کا ممنون جان
 و السلام مع الکرام نجات کا طالع غالب
 ہر شنبہ ۱۵ جولائی ۱۲۸۶ء مطابق ۱۵ نومبر ۱۸۶۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثالث

نظامی پریس دہلیوں نے سید اس محمود صاحب بی۔ اے پشیم کی تحریک سے ۱۹۱۸ء میں اردو دیوان غالب کو سب سے پہلی مرتبہ تعلیم یافتہ طبقہ کی تفاسیر طبع کیں اور ساتھ ہی ان کے طالعہ مذاق کو ملحوظ رکھ کر شائع کیا تا خدا کا شکر ہو کہ اسی طبع سے وہ دیوان تیسری دفعہ مجموعی طبع پر فرید اہتمام سے اور اس قدر سستہ شدت سے کام کی خوشنا جلد سے فریق طالعہ سبب الجبر خطا جو پہلا نسخہ تو معرا تھا لیکن طبع سوم اپنے پیش رو کی طرح حامل شمع ہو۔ اس مرتبہ شرح پر نظر ثانی کی گئی جو اور مرزا کے خطوط سے مدد لیکر بعض حرکتہ الفاظ اشار کی شرح خود مرزا زبان سے لکھی گئی جو جس کی وجہ سے اس شرح کی ایک خاص امتیازی صورت پیدا

۱۔ مرزا کے خطوط کے ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کتابوں کی اشاعت میں شہنائی اور دلربائی کا خیال موجود نہ مانے کے نفاسات پسند اگر نہ فیہم یافتہ نوجوانوں سے کم نہ تھا۔ ایک خط میں اسے لکھا کہ صاحب طبع غشی مشیر زراں کو ایک مطبوعہ کتاب کی درسیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔
”بھائی صاحب! یہ کتابیں بھی چھپتی رہنور وارش مشیر زراں کی کل جسک ۱۲، تو میری کہیں کمانہ اور کیا ہی اور خدا کا شکر وہ کہ میں نے انہیں یقین جانا کہ طبعی کام پر یہ کتابیں طالعہ سبب جلد طبع کی جو میری ان کو دیکھ کر شرمناک ہوگی“ (اردو نسخہ صفحہ ۲)

ہو گئی ہو۔ اس جد پہ نسخے کو ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانہ کے
 قلمی دیوان سے چھٹا عدد (سطح ۱۲) کا کھنسا ہوا ہو مقابلے کی حوث مل
 ہوئی ہو۔ آخری صفحات میں مرزا کے وہ قطعات اور اشعار جو اہل دیوان کے
 علاوہ ہیں اور جو اس سے پہلے کسی نسخے میں نہیں چھپے ہیں شامل کر دیے گئے
 ہیں جن کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس جد پہ الطبع نسخہ میں ایک قابل قدر
 اضافہ ڈاکٹر سید محمود صاحب فازی پوری پی ایچ ڈی ہیرٹھراٹھ لاکھ و عاٹھ
 مقدمہ جو جس کو انھوں نے اس خاکسار کی درخواست پر لکھنے کی تحفیت گوارا فرمائی
 یہ مقدمہ اسی سرزمین پر پیش کر لیا گیا ہے جہاں مرزا نے اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا تھا۔
 جس خاک پاک میں آج بھی وہ آسودہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقدمہ کے
 مرتب کرنے کے دوران میں مرزا غالب کی زبانت کی غرض سے سلطان جی میں
 جا کر عالم غوث شاہ کی بھی سیر کی اور کیا جواب ہو کر وہاں مرزا غالب کے روحانی فیض سے

لے۔ یہ وہی قلمی دیوان ہے جس کو مرزا نے قبل ہنگامہ شمسۃ نواب محمد رفعت علی خاں بہادر
 خاں رام پور کے نذر کرنا تھا۔ اس کے آخر میں نواب ضیاء اللہ بن خاں میر کی ایک دلچسپ تقریر
 بھی شامل ہے جس میں غلام کر لیا گیا ہے کہ اس دیوان میں کل ۱۶۱۰ اشعار ہیں۔ مرزا کے ایک خط
 مورخہ ۱۲ مئی ۱۲۸۵ء سے جو منشی شبیر نازین صاحب کے نام لکھا گیا اور جو اردو سے سنے میں
 موجود ہے غلام پر لکھا ہے کہ غلام سے قبل جو نسخہ مرزا کے دیوان کا طبع ہوا تھا وہ ۱۰۰۰
 جہاں کے دوستوں نے اس دیوان کو شائع کرنا چاہا تو اس پر خود موجودہ کتب خانہ رام پور کی نقل حاصل
 کر کے اس کو طبع میں بھیجا گیا تھا۔ گویا آج تک مرزا کے کلام کو زندہ رکھنے کا سبب یہی قلمی دیوان
 ہے۔ (قلمی)

۱۰۔ دلی میں اس مقام کہ جہاں سلطان المانشی حضرت نظام الدین اولیا کا مزار ہے سلطان جی
 کہتے ہیں۔

۲۵ بار لائے میری بالیں پائے کھرت

۲۶ آؤ خط سے ہوا جو بانا بدوست

۲۷ عشق میں پیداؤں خشک غیرتے مانگے

کشتہ دشمن ہوا اگر گرم تھا بیا بدوست

(رولیف ج)

۲۸ گلشن میں بندوبست - رنگنگ ہو جائے

۲۹ موسم مرہیں عشق کے بیا روار ہیں

ہچا اگر نہ ہو تو سبھا کا کیا علاج

(رولیف بچ)

۳۰ نفس انجمنی آرزو سے باہر کھینچ

(رولیف د)

۳۱ محسن غزے کی شاکش - چھتا شیر ہوا

(رولیف ر)

۳۲ بلا سے میں جھٹیش نظر و رو و یوار

۳۳ گھر چب باریا تے - ہر چکے بغیر

۵۳ رز تا ہو میرا دل زحمت میری خوشیاں

۵۴ ہو بس کہ ہر گاہ ان کے اشارے نشان

۵۵ مختلف حیرت آئینہ ہو سا ان گنگا آخر

۵۶ بنوں کی ہمت گیری کی جس ہو گدہ بنو

۵۷ گریباں پاک کا حق ہو گیا ہو چھٹی

۵۸ شمع کس صحت سے ہلے خواباں چھٹیں ہیں

تخلف رولف ل جائے گاتھو سا ریا خیر

۵۹ لازم تھا کہ دیکھو میرا تھا کافی ان دیر

رولیف ز

۶۰ غنچ بکھ نہ جان کہ ماند مسیح دھیر

۶۱ ہو داغ عشق زینت جیہ کفن ہو

۶۲ مرہیں مطلب شکل نہیں فسون نیاز

۶۳ ہمت سہی کرم دیکھ کہ سزا سزا

۶۴ گھر سے ہیں بلڈا ابرو گہرا رہ ہو

۶۵ کیونکہ اس بات سے لکھو ان عزیز

۶۶ رنگ تھہ ہوں نہ پردہ ساز

(رولیف س)

(رویف گ)

۶۸ گرگھ کو پو تھیں اجاہت دھانہ مانگ

(رویف ل)

۶۹ ہو کس قدر ہلک فریٹ نالے گل

(رویف م)

۷۰ غم نہیں ہوتا ہوا سادوں کو پیش انھیں

برق سے کرتے ہیں روشن شمع تہ خانہ ہم

۷۱ بنانا حاصل لبستگی خدا ہم کر

مناغ خانہ تجسید مجز سدا مستم

۷۲ کچھ کو دیا بغیر میں مارا دلن سے دور

رکھ لی میرے خاندن میری کیسی کی شرم

(رویف ن)

۷۳ لون ام بخت بخت سے یہاں خاں خیر دے

خاکاب یہ خوت ہو کہ کہاں عدا و اکوہ

۷۴ وہ فراق اور وہ دھاک کہاں

۷۵ کی دھام سے تو غیر میں کو ہوا کت میں

۶۳ خروا خروا ہیری کہ زلزل آتا ہو

دام خالی قفس میرے گرفتار کے پاس

(رویف ش)

۶۴ نہ ایسے گرنس جو ہر طرأت بنیڑا خلاء

لگا دے خاندان کیسے میں دے لگا لکڑ

(رویف ع)

۶۵ جادوہ وہ غور کو وقت شام ہی ناخوش

۶۶ کھنگھڑا سے ہو سوز جادو دانی مشع

(رویف ف)

۶۷ بہیم قیاس سے نہیں کہ تے دواع ہوش

مجموعہ میں تلک دوسرا اختیار حیف

(رویف ک)

۶۸ زخم پچھو گھر میں ہاں غلامی بے پروا نہ

۶۹ آہ کو چاہتے تھے عمر اثر ہونے تک

۷۰ کون جینا ہو ترے زلف سے سر ہونے تک

۷۳	ہر دیکھنا کس گل کی خوشبو نہیں	۸۸	نارہر جسٹن طلبا کو ستم پہنچا نہیں
۷۵	عصے سے حد نانکے باہر نہ اسکا	۸۹	دونوں جہان سے کسے جگہ بخوش ہا
۷۶	گلراک ادا ہو تو کسے اپنی فضا کہوں	۹۰	ایک ٹپری یہ شرم کہ نکواریاں
۷۷	سہریں ہو گئے بنا لوجھ چاہوں وقت	۹۱	بہگئی ہونے کی شہریں بیانی کارگر
۷۸	میں گیا وقت نہیں ہو کہ پھر کبھی	۹۲	عشق کا اُس کو گراں پہنچے بالکل نہیں
۷۹	ہم کسے کھل جاؤ وقت کی پرستی لکھیں	۹۳	قیامت ہو کہ میں پہلی کا دشت قیس میں
۸۰	ہم چھٹا سے ترک و ناکا گان نہیں	۹۴	تجربہ وہ بولا یوں بھی ہوتا کچھ
۸۱	مانع دشت نور کی کوئی تدبیر نہیں	۹۵	دل لگا لگا گیا ان کو بھی تنہا بیٹھا
۸۲	ست سوکھت یہ میں سمجھوں گھاس	۹۶	باسے اپنی بکسی کی ہم نے پانی لگایا
۸۳	چھٹاں یہ عاشق ہو دیکھا جا ہے	۹۷	یہ ہم چھوڑیں دیوار دور کو دیکھتے ہیں
۸۴	کھل گئی مانند گل سبھا سے دیوار میں	۹۸	ہمیں کچھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
۸۵	حشت تاثیر سے نوید نہیں	۹۹	تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں
۸۶	جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۱۰۰	نہا نہ سخت کم آتا ہر جہان اس
۸۷	ملتی ہونے سے نارالہا نہیں	۱۰۱	دیکھ رہا ہوں تو زیادہ توقع رکھتے ہیں
۸۸	کل کے لیے کہ آج نہ وقت شرب میں	۱۰۲	ہو کہ ٹپرا ہوا تیرے دور پر نہیں ہوں
۸۹	جیراں ہوں لکھو وہ کچھ نہیں	۱۰۳	سب کہاں کچھ لکھ لکھ میں اپنی
۹۰	دکھ سیرا دی بھی ا سے غلط نہیں	۱۰۴	دیوانگی سے دوش پہ نہ بھی نہیں
۹۱	غظ و اپنا بھی حقیقت میں ہو دیا لیکن	۱۰۵	نہیں جو ختم کوئی جیسے دھڑکن میں
۹۲	ہم کو تعذیب تنگ ظرفی منظور نہیں	۱۰۶	ہوا ہو تارا شک یا رخ چشم نہیں

- ۹۹ ہوئے جس کے جلوہ مثال کے آگے ۱۱۰ گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کموں کر ہو
- ۱۰۰ کہا نشانج ہونہ میں خلی تہ روزوں میں ۱۱۱ کسی کو دے کھل کی ناسخ خاک میں
- ۱۰۱ مرنے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں ۱۱۲ نتیجہ اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
- ۱۰۲ دل ہی تو ہر رنگ نشیبت سے بھرنا آگیا ۱۱۳ از مہر تارہ زہ دل و دل ہو آئندہ
- ۱۰۳ خیر! گفتگو دور رحمت دکھا کر یوں

رولیف ہ

- ۱۰۴ صد سے دل اگر افسوس ہو گوشتا شاہو ۱۱۴ ہر سہرہ نادر ہر روز دلیار غم گدہ
- ۱۰۵ کبھی میں جا رہا تو نہ وطنہ کیا کہیں ۱۱۵ جس کی بہار ہے ہر سوس خلی ان چہرے

رولیف ی

- ۱۰۶ داغ اس سے میں کہ محبت ہی کہیں ہو ۱۱۶ صد جلوہ رویہ رویہ ہر چیز گل شایہ
- ۱۰۷ غصہ میں ہوں اگر چہاں بن بن بن بن ۱۱۷ سجد کے زیر سایہ خرابات چلے پیے
- ۱۰۸ دھوا ہوں جب میں پیے کو اس تم کچا تو ۱۱۸ سر لے خم چاہیے ہنگام بخودی
- ۱۰۹ مل اس کو چوں دل چوں دلیں مچ گئی ۱۱۹ روستے قبلہ وقت مناجات چاہیے
- ۱۱۰ یستی میری آہ کی تاخیر سے نہ ہو ۱۱۵ بساؤ ہر چیز میں ایک ل یکہ طرغی بھی
- ۱۱۱ وہاں پہنچ کر چرخ آتائی ہم ہو ہم کو ۱۱۶ ہونیم جہاں میں سخن آئندہ ہوں سے
- ۱۱۲ گفتگو کرنے کا باعث نہیں گھلتا عین ۱۱۷ تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
- ۱۱۳ ہوں میرا شاہ سو وہ کم ہر ہم کو ۱۱۸ سخن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
- ۱۱۴ تم جاؤ تم کو غیر سے جو رسم دراہ ہو ۱۱۹ گھر میں بھاکیا کہ تراغم آتے غارت کرتا

۱۶۶	نہ پہنچے فخر و سرم جرات دل کا	خیشہ کی سر و ہنر جو ہے باز نہ ہو
۱۶۷	کہ اس میں نیک الناس خبر غلام ہو	۱۸۲ موضع از شہر نواں بلے غنہ ہو
۱۶۸	ہم شک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	۱۸۳ جب تک کہ ان رخم نہ پید کرے کوئی
۱۶۹	کروے جو بارہ تہے بے کسب باغ و مرغ	۱۸۴ ابن مریم ہوا کہے کوئی
۱۷۰	خط پیاں سلسلہ نگار و گلچین ہو	۱۸۵ بہت ہی علم گیتی شارب کم کیا ہو
۱۷۱	کیوں نہ خوشیم بتاں تو تفاعل کوئی ہو	۱۸۶ باغ پاکر خفائی - یہ ڈرا تا ہو گئے
۱۷۲	یعنی اُس جہاں کو نقصا سے پرہیز ہو	۱۸۷ رندی ہوئی ہو کو کہہ شہر پار کی
۱۷۳	دیا ہو دل اگر اس کو بشر ہو کیا کیجے	۱۸۸ تہوں نے خاشاک میں کمر خراش ہو گئے
۱۷۴	دیکھ کر پردہ گرم دامن فغانی مجھے	۱۸۹ کہہ کے ہل بار غلط گرما ہو جائے
۱۷۵	یاہو خادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے	۱۹۰ مستی بزدلی غفلت ساقی لاک ہو
۱۷۶	خضر شاہ میں اہل سخن کی آتش ہو	۱۹۱ اب مٹی کی جنبش کہتی ہو گلوں جہان
۱۷۷	کبھی نہ کہی بھی اس کبھی نہیں آجائے ہونہر سے	۱۹۲ قیامت کہتے لعل بتلاک خواب گیس ہو
۱۷۸	زیر کوشش تماشا جوں طاقت ہو	۱۹۳ آہو سیلاب طوفان صدمے آب ہو
۱۷۹	لاغر و تباہی کے گروہ ہم میں جلدے مجھے	۱۹۴ خورش پاجو کلاں میں کھتا ہو لگی جاوے
۱۸۰	کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کیسے	۱۹۵ ہند میں بھی تاشانی نیز گ تاشا
۱۸۱	رہے نہ جان تو تال کو خوں بہا دیجے	۱۹۶ مطلب نہیں کچھ اس سے بول غلب ہو گا
۱۸۲	کے زبان تو خنجر کو مر جا کیسے	۱۹۷ سیاہی جیسے گریبے دم خور کاغذ ہو
۱۸۳	روئے سے اور دشمن میں بے باک لگے	۱۹۸ رنجی سمت میں ہوں تصویر پر قلم ہو گا
۱۸۴	نشہ با شاداب لگ ساڑا ہست طلب	۱۹۹ ہجوم بالہ صحت عاجز و مض کیناں ہو

تھان سے وہ غیرت مصر کھلا

۲۱۹ کنج میں بیٹھا رہوں یوں پرکھلا

۲۲۱ ہاں دل دروند زمرہ ساز

قطعات

۲۲۳ شوہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر

۲۲۵ او جان ابرو کم شیوہ شہر و دیار

۲۲۷ گئے وہ دن کتا دانت غیروں کی ظاہر

۲۲۹ کیا کرتے تھے تم نذر ہم غاثر جتھ

۲۳۱ نکلے مہاجر ذکر کیا۔ تو نے ہم نشیں

۲۳۳ گل تیرے سینے میں مارا کہ آئے

۲۳۵ ہر دم سامب کے کف دے چکے غنئی

۲۳۷ نریب دیتا جو اسے جس قدر اچھا کیے

۲۳۹ نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور واکانے

۲۴۱ سمجھے جو کبھی ہر حسین کی غنی روٹی

سرا

۲۴۳ خوش ہوا ہی منت اگر ہم کج ترے سحر

۲۴۵ باندہ شہزادے جوں بخت کے سر پر ہر

۱۹۱ خوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہو

۱۹۳ بس جا سیم شائے کش زلف یار ہو

۱۹۵ آئینہ کیوں ترونی کہ تماشا کہیں ہے

۱۹۷ شبنم بگل لالہ۔ نہ خالی زراوا ہو

۱۹۹ منظر حق پیکل۔ تجلی کو نور کی

۲۰۱ غم کھاتے میں بودا دل ناکام بہت کم

۲۰۳ مدت ہوئی ہو یار کو سماں کیے ہرے

۲۰۵ نوید امن ہو۔ بے دوا دوست جاگ لے

قصائد

۲۰۷ سازیک ذوق نہیں فیض میں سے بیکار

۲۰۹ فیض سے تیرے ہر خوشی شہستان بہار

۲۱۱ دہر جزوہ کینا ئی مشوق نہیں

۲۱۳ ہاں نہ تو نہیں ہم اُس کا نام

۲۱۵ آجہ کو کیا باپ پر دوشناسی کا

۲۱۷ جزوہ تیرے عید ماہ میام

۲۱۹ ترہم کرچہ کا تھامیرا کام

۲۲۱ صبح دم دروازہ کا خاور کھلا

۲۲۳ تو سب نہیں ہو وہ خوبی کہ جب

۲۳۰	متکو رہو گوارش احوال ماضی	۲۳۸	ہستی بپ سبز جعفر کی شادی
۲۳۱	اچا بایان حسن طبیعت نہیں مجھے	۲۳۹	ہوا بزم طرب میں زخمی ناہید
۲۳۲	نصرت الملک بہادر! مجھے بتا کر مجھے	۲۴۰	گر ایک بادشاہ کے سب نکلے ناہید
۲۳۳	تجھے جہان تنی اداوت ہو تو کس بات سے ہو	۲۴۱	دربار وار لوگ بہیم آشنا نہیں
۲۳۴	ہر چہار جنبہ آفریاد و صفر حلو	۲۴۲	رابعیات
۲۳۵	لکھ میں عین عین کے مشک ہو کی تار	۲۴۳	ابدا نہ تمام بزم عیب باطل
۲۳۶	ہو شاہ جہانگیر جہان بخش جانا دار!	۲۴۴	شب زلف و رخ عرق نشان کا خم تھا
۲۳۷	ہر غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بتا	۲۴۵	آتش بازی ہو جیسے شعلہ لعل
۲۳۸	نظارہ صوم کی کچھ گردست کاہ ہو	۲۴۶	دل تھا کہ جو جان در تہید سہی
۲۳۹	اٹھ شخص کو نروہ ہو روزہ مکھا کت	۲۴۷	ہو سخن حسد قاش۔ رٹنے کے لیے
۲۴۰	اٹھ شہنشاہ آسمان اور رنگ	۲۴۸	دل سخت نشہ ہو گیا ہو گویا
۲۴۱	اٹھ جہاں دار و آفتاب آتار	۲۴۹	گو کہ جی کے پسند ہو گیا ہو ناک
۲۴۲	سیکھیں ہوں لازم ہو میرا نام نہ لے	۲۵۰	شکل ہو رہی کلام میرا سی ول!
۲۴۳	جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہو	۲۵۱	بھینسی ہو جو کچھ کو شاہ مجاہد نے ڈال
۲۴۴	سہل تھا سہل بے نیحت شکل آپری	۲۵۲	ہیں خد میں صفات ذوالجلالی باہم
۲۴۵	مجھ پر کیا لڑے گی اتحاد و حاضرین ہو	۲۵۳	حق شکی بقتلے خلق کو شاد کیے
۲۴۶	خجستہ سخن طوے میرزا جعفر	۲۵۴	ہیں رشتے میں لاکھ تار ہوں۔ بلکہ سوا
۲۴۷	کرمس کے دیکھے سے بکا پلو جی جملو	۲۵۵	کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزاد نہیں

۲۴۳	ہم کچھ جنہ سلام کرنے والے	۲۴۹	پھوڑے سوئے عین آنا ہر خدا خیر کرے
"	سامان خور و خواب کہاں سے لائے	"	لنگ لٹرتا ہو گلستاں کے ہوا دھول کا
"	ان خیم کے بچوں کو کوئی کیا جانے	"	معزنی تیش ہوئی افراط اشعار
"	بقدر کلبواب کیوں نہ بھیجا تم نے	"	چشم کشودہ حلقہ بیچنے دہر کج
۲۴۴	ایک روشنی دیدہ شباب الیقین خاں	"	سیر کے شر کا احوال ہوں کیا غائب
"	ایک اہل درویش سنان جو کچھ خاش	"	مکشی کو نہ سمجھ بے حاصل
"	یوں کہا آتی نہیں پا کیوں صدمے عذاب	"	ہو تو اک بس کہ فصل گل میں مہرین
"	کھٹاک دل بگولہ سا کچھ چرخِ شخت میں	"	غلام ہیں میری شکل سے انسو کی نشان
"	چھوڑے سر گر گیا تھا جی بیاہاں سے	"	ابر روتا ہو کہ نرم طرب آنا دہر
۲۴۵	شب سال میں مونس گیا ہر بن کبیر	"	ہندوستان سائے گل پخت تھا
۲۴۶	جس دن سے کہ ہم خبیر گرفتار ہلا ہیں	"	جاہ و جلال عبد وصال بتاں پوچھ
"	ہیں ہوں شہنشاہِ جہانم چھا اور سی	"	اجوہم زمرہ خوں کے سبب لگ نہ نہیں گستا
۲۴۷	بہت چھپے غم گیتی مشرب کم کیا ہو	۲۵۰	عائزے بس کہ سوکھ گئے چشم میں سرخاک
"	بس کہ فعال مایہ یہ ہو آج	"	بہا ہوا بیاں نگہوں غمِ ابلتِ خاطر
"	پرستو را گلستاں کا	"	کمال شمس گرد و توف افکارِ تغافل ہو
۲۴۸	ہر بن خرم ہر باد صف غمِ اہتمام ہکا	"	حیراں ہوں خوشی رنگِ یاقوت دیکھ کر
"	شب کہ ذوقِ انگلو سے تیرے دل بیا تھا	"	چند تصویر بیتاں چند عین کی خطوط
"	دود کو آج اس کے ماتم میں یہ پوشی ہوئی	۲۵۱	ایک ان پیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
"	وہ دلِ مہزاں کو کل کنگھن امتیاز تھا		

مستفید ہونے ہوں۔ جیسا کہ اس مقصد کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی اس پر
 انہوں نے وہ وہ نکات پیدا کیے ہیں جو اب تک مرزا غالب کے سوانح نگاروں! ان کے
 کلام پر تنقید کرنے والوں کو نہ سوجھے تھے۔ اس طبع میں مرزا کی تصویر کے علاوہ ان کے
 ایک غیر مطبوعہ خط کا نوٹ بھی دیا گیا ہے جس سے مصنف کی شانِ خط کی زیارت ہو جاتی
 ہے۔ یہ خط قاضی عبدالغیل صاحب بریلوی کے ذخیرہ سے نکال کر ان کے خلف الصفا
 قاضی محمد غلیل صاحب بریلوی نے ہمیں عنایت کیا جو جن کے لیے ہم ان کے
 شکر گزار ہیں یہ خط پہلی مرتبہ شائع ہوتا ہے اس سے قبل اردو سے مطبوعہ وغیرہ کے بغیر
 کی اس خط تک دسترس نہیں ہوتی تھی۔ شروع میں ناظرین کی آسانی کے لیے غزلیں
 کی ایک نمبرست بقیہ صفحہ بلور شدہ لکھیں، ہی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس جمہوری تقطیع کے جدید
 نسخے کو دل آویزاور نظر فریب بنانے میں حتی المقدور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں لکھا گیا ہے۔
 خدا کو کہ وہ موجودہ زمانہ کی نفاست پسند جدید تعلیم یافتہ جماعت میں مقبول ہواور
 اس کی اشاعت سے مصنف کی روح بھگوان ہو۔

نکسار نظامی دہلوی

۱۹۱۱ء

مقدمہ

راۓ جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب بی ایچ ڈی بیرسٹریٹ لا پٹنہ

تہذیب

دیوان غالب کو آب و تاب کے ساتھ شائع کرنے کا خیال میرے
پہلے میرے معزز دوست سید اہل محمود صاحب بی۔ اے

(اکس) کو ہوا۔ اور بات سے جو شوق ان کو ہو غالباً وہی اس بات کا محرک ہو گا کہ
اگر وہ علم ادب کے خدائے سخن کو ایسی کس میرسی کی حالت میں نذر ہونا چاہتے ہیں
کہ وہ انکے ہمارے غفلتوں اور لاپرواہیوں سے بچا ہوا ہو۔ غیر لکھوں کے درجہ کے
مطالبہ ان پر ثابت کیا ہو گا کہ قومی یا ملکی ترقی کے لیے اعلیٰ علم ادب کس درجہ
ضروری اور فوری ہو اور غیروں کے کوئی قوم مارے ترقی کے پہلے زمین پر کبھی قدم
رکھنے کا دھوئے نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ان کی تحریک پر مولانا نظامی بدایونی نے دیوان
کا پہلا اڈیشن غنیمت کا غنہ اور صاف ستھری چھاپی کے ساتھ ملک میں پہلی مرتبہ شائع کیا
دوسرا اڈیشن اور زیادہ عمدگی اور فصاحت کے ساتھ خط تعلیم یافتہ گروہ نے اس کی قدر
کی جس سے پتا چلا کہ اہل ملک غالب کی عظمت کو پہچاننے اور اس ترجمان حقیقت
کے فلسفیانہ خیالات کو سمجھنے لگے ہیں۔ ان دونوں اشاعتوں کے بعد اس پچھمیز
نے نظامی صاحب کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے تحریک کی کہ اب فیصلہ اڈیشن
پاکٹ اڈیشن کی صورت میں شائع ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی چند اور
تجاویز بھی پیش کیں۔ مولانا نظامی نے میری تجاویز کو تو منظور کر لیا لیکن اس

قصہ کے بدلے ساتھ ہی میری سزا بھی تجویز کر دی اور مجھ سے پینریشن کی کمی سے
 اڈیشن کے بدلے مقدمہ لکھ دو اور اس پر اصرار اور سخت اصرار ہوا میں نے اپنی
 ضمانت سے کچھ تو انصاف و انصاف کے ادب کا لحاظ کر کے اور کچھ سزا کی اہمیت کو نہ سمجھ کر
 وعدہ کر لیا۔ آج چھ ماہ کے بعد تقاضوں سے تنگ آکر ایثار وعدہ کی کوشش
 کر رہا ہوں اور اب مجھے پتا چل رہا ہے کہ جس چیز کا میں نے بلا سمجھے وعدہ کر لیا
 تھا وہ میرے بس کا کام نہیں تھا۔ اس اتفاق سے آج کل دلی آیا ہوا ہوں اور
 یہ چند اوراق پریشان اسی پاک سرزمین پر رکھے گئے ہیں جہاں وہ کثافت راز
 فطرت مرزا اسد اللہ خاں غالب بقائے دوام کا جام نوش کر کے ٹپا سو رہا ہے۔

”میری تصانیف میں لوگوں کو تیری ہی تصویر میں نظر آتی ہیں۔ وہ آتی ہیں
 اور مجھ سے پچھتی ہیں ”وہ کون ہے“ مجھے نہیں معلوم انہیں کیا جواب دے
 میں تیرے فلسفے اپنی غیر فانی فنون میں سننا آکر رہا ہوں۔ راز دل (میں)
 عیاں ہو جاتا ہے۔ وہ آتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں بتا ان سے تیرا
 کیا مطلب ہے“ میں نہیں جانتا انہیں کیا جواب دوں۔

میں کہتا ہوں آہ! کون جانتا ہے ان کا کیا مطلب ہے کہ فرنگی
 شاعر ہی کیا ہے؟ اس کا جواب کچھ آسان نہیں سینٹ اگسٹن نے اس کا جواب
 ایک دل فریب پیرا میں دیا ہے وہ کہتا ہے کہ ”اگر مجھ سے نہ پوچھو تو مجھے معلوم ہے
 اور نہ پوچھو تو میں جانتا نہیں“ گوہر میں سے ہر ایک شخص کو اس امر کا حلیٰ جسامت

لے مستادی مولوی رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر مدرسہ العلوم علی گڑھ سے چند مفید خیالات

کہ شاعری کسے کہتے لیکن اس احساس کا صحیح الفاظ میں اظہار اگر غیر ممکن نہیں تو وقت طلب ضرور ہو جائے۔ انسان کی دلکے میں شاعری اُس فن کا نام ہے جو قوت تخیل کے توسل سے انبساط اور حقیقت کو ملا دیتا ہے اور اُس کا نتیجہ ایجاد ہوتا ہے۔ کارلائل کہتا ہے کہ شاعری ایک سوستادہ خیال ہے۔ شکیلے اس کی تعریف یوں کرتا ہے کہ شاعری قوت تخیل کا انکشاف ہے۔

در اصل یہ وہ فن ہے جس کے ذریعہ سے لفظوں کا استعمال کر کے پردہ تصور پر نمایاں نقش و نگار ثبت کیے جاتے ہیں۔ جو کام بصورتِ رنگوں کے استعمال سے لیتا ہے وہی کام شاعرِ الفاظ کے ذریعہ سے نکالتا ہے۔ شاعری جذبات اور خیالات کی بولتی ہوئی تصویر ہے اور حسن و حقیقت کی تشریح ہے۔ یہ انسانی قلب کے کیفیات کو سرملی زبان کے ذریعہ سے مرض بیان میں لاتی ہے۔ دیکھو انسانی زندگی کی ایک تفسیر ہے اور قبولِ سکین شاعری انسانی قلب کے لیے اُن امور میں تسکین دہنا بہت ہوتی ہے جن کا فطرت نے کوئی انسداد نہیں کیا۔ شاعری کے اعلیٰ مفہوم کے لیے ضروری ہے کہ خواہ شاخِ فلسفی ہو یا نہ ہو لیکن اس کی صناعت کی عمارت کی بنیاد قائم ہو جس میں تزلزل نہ سکے۔

ہر ایک شاعر کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ جب تک اُس کی غرض عالمِ اُمس سے محض ذوق و سرور حاصل کرنا ہو اُس کی قوت تخیل کے پروانے کے لیے کافی وسعت ملنی چاہیے لیکن جب وہ مصلح بنتا ہے تو ہم اہلِ مکہ طہار ہوتے ہیں

اَللّٰہ کا ہول سے منزع ہوں۔ مہرِ متا جیبیں و مہرِ رؤف علی کا بھی مشکر ہوا کرتا ہوں۔ ۱۰

اُس کی تعلیم تین دہم وادراک کے واسطے طبعان بخش ثابت ہوا و نیز تخیل کے لیے دلکش اور قلب کے لیے موثر ہو حقیقی شاعری ہماری نگاہوں میں نہ تھلی پیدا کرتی ہے جس سے ہمُ من کی بلوہ افریدیوں سے لذت اندوز ہوتے ہیں نیز روحانی معنی کے دروازے ہماری آنکھوں کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ غالباً ہم میں ایسے شخص کم ہوں گے جو شاعرانہ بصیرت اور ادراک سے محروم ہوں اور جن کے حصد میں یہ لطیف تخیل اور خدا واد جو ہر نہ آیا ہو لیکن اکثر سبب ہوتا ہے کہ وہ تھوڑی بہت شاعرانہ استعداد جو خداوند عالم نے ہم میں ودیعت کی ہو ادبی تاثرات کے عمل سے ایک عرصہ کے بعد بالکل مفقود اور کالعدم ہو جاتی ہے۔

فطری شاعرانہ ہو میں میں مجازی حسن کے مشاہدے اور فنی معنی کے ادراک کی قوت ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُس میں فطرت کی طرف سے ایسی قوت و اجبت کی گئی ہو جس سے وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کو ایسے رنگ میں بیان کرے کہ ہماری آنکھوں میں اُس کا سماں بندھ جائے اور ہمارے جذبات مشتعل ہو جائیں۔ وہ ہمارے عقوب کو اپنی طرف کھینچ لے اور اپنے الفاظ کی بندش اور بیان کی رنگینی سے ہمارے سامنے وہی تصویر کھینچ دے جس کو وہ خود کہتا اور خود محسوس کرتا ہو۔

شاعری ہمارے تخیل کو استوار اور ہماری محدودی کو شکستہ کرتی اور ہماری شاعرانہ ترجمانی کی قوت کو رفتہ رفتہ بڑھاتی ہے۔ لیکن اگر تخیل اور احساسات کے ذریعہ سے اسرار حیات کی ترجمانی کا نام شاعری ہو تو اُس کو سب سے

بڑی اہمیت اُس قوت سے حاصل ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ زندگی کے اہم ترین معاملات ہمارے نظر کے سامنے پیش کرتی ہے دنیا کے بڑے اوزامور شاعر ہمیشہ مانتے آئے ہیں کہ زندگی ہی شاعری کی بنیاد ہے زندگی ہی سے اس کا تعلق ہے اور زندگی ہی سے اس کا وجود ہے۔

اس بنیادی اصول کو مدنظر رکھ کر شعرا نے کار نمایاں کیے ہیں اور زندگی کو بڑی بکھنے اور اس کی صحیح ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے اور دراصل یہی اُن کی عظمت کا ثبوت ہے۔ کلام میں خاص خاص خیالات کی محض موجودگی یا غیر موجودگی سے کچھ زیادہ فرق نہیں پیدا ہوتا بلکہ جو چیز کسی شاعر کے کلام کو زیادہ موثر بناتی ہے وہ دراصل اُس کا وہ پہلو ہے بیان ہے جس میں خیالات کا اظہار کیا گیا ہو کسی نظم کے مطالعہ کے وقت شاعر کی محنت نظر اور اُس کی شخصیت کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے اور پھر اس پہلو پر بھی غور کرنی چاہیے جو شاعر کو انفرادی حیثیت سے تمیز کرتا ہے۔

غالب کی شاعری پر تنقیدی نظر والنا حقیقتاً کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اس کی بلند پروازی اور شوکت خیالات، اُس کا تعقید، اس کی فہم رسا اور عظمت تخیل، اُس کا عجیب اور الوکھا طریقہ بیان اور اُس کی سناعی وہ چیزیں ہیں جن کو بخوبی سمجھنا اور الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا میری استعداد سے بالا ہے۔

مولانا حالی جیسا کہ مراد صاحب ذوق سلیم ہی اس کام کو سر انجام دینے کی اہمیت رکھتا تھا مولانا حالی کی کتاب یاوہگار غالب بشک ایک قابلانہ تصنیف ہے لیکن یہ محققانہ عالمانہ تصنیف بھی مشیایان غالب کی پیاس

نہیں مجھاتی۔ وہ غالب کی حقیقی عظمت کا بہت تصور حاصل نہ کرتی ہو ممکن ہے کہ مولانا ممدوح نے زمانہ کی قدر و ثناء سمجھی اور اپنے زمانہ کی ثناء نہ مستند و قابلیت کا خیال کر کے **كَلَمُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ كُفُوِّ لِهَيْجَةِ** کے دشمنانہ مقولہ پر عمل فرمایا ہو اور ان تقاضا کا اظہار مناسب نہ سمجھا ہو جن کو صرف انھیں کی چشم بصیرت کلام غالب میں دیکھ سکتی تھی لیکن اس لئے، دور میں مغربی تعلیم نے ہندوستان میں ایک ایسا نوجوان پیدا کیا تھا جس نے مرزا غالب کی عظمت حقیقی معنوں میں پہچان لی تھی اور جو غالب کے کلام کو ایسے مہمانے کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کرنے والا تھا جس فلسفی اور مدنی، شاعر اور ماسخ و اس سب ہی متحیر و حیرتے۔ آء! عبدالرحمن! عمر نے تیرے ساتھ وفاداری اور تو ملک اور قوم کی عظیم الشان خدمت انجام نہ دے سکا۔ غالب نے ایسے ہی موقع کے لیے اور شاید تیرے ہی واسطے یہ کہا ہو۔

ہاں اے فلک! پرچوں تھا ابھی روشن

کیا تیرا گھڑا جو نہ مرنا کوئی دن اور

یہ نوجوان فلسفی جو شاعر و خیال سے بھی بہرہ ور تھا ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ہندوستان

کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب

کون شخص ہی جو دیوان غالب کے مطالعہ کے وقت یہ نہیں محسوس کرتا کہ

اس کا کھنڈا لائق مہر فن ہے اور شاعری خدا کی طرف سے اس کو ودیعت

کی گئی ہے۔ اور اس کی شاعری کسی نہیں ہے۔

لےنا کفر عبدالرحمن بخوری بی۔ لے۔ ایل۔ بی۔ بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اصل تحریر علی

اس کی شیریں بیانی اور ذوقِ سلیم اس کی بلاغت و فصاحت۔ اس کی عظمت اور بلند خیالی۔ اس کی رنج و خوشی اس قدر دقیق۔ اس قدر لطیف اور مستور نازک ہیں کہ ضبطِ تحریر میں نہیں لائی جاسکتیں۔

غالب کی بستی ان چہرہ اور بزرگ تر خاصانِ خدا کے گروہ سے ہر حجبِ وجود ابدی ہے۔

غالب کی دکاوت و بزرگی اس کی مستحقِ تھی کہ اس کی شہرت چاروں عالم میں ہوتی۔ وہ ایک خیر معمولی طور پر فکری پیشین گوئی اور ایک بلند پایہ شاعر ہو جس کے قصائد انوری و خاقانی کے قصائد سے مرتبہ میں کم نہیں ہیں کی غزلیات عرفی و طالب کی غزلیات پر فوقیت رکھتی ہیں جس کی رباعیات فارسی عمر خیام کی رباعیات سے کم و قبیح نہیں اور جس کی شراذفِ افضل اور نظوری کی شریک ہیں زیادہ مشاعرہ ہے۔

وہ حسن و حقیقت کا پرستار ہے اور زندگی کے مختلف توازن کا مشق۔ اگر وہ ایک طرف آتشِ سیال اور شریلے گلاب کی تعریف میں نمبر بٹا ہوتا ہو تو دوسری طرف فلسفہ کے دقیق اور اہم ترین مسائل کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کی غامبی و اُردو دونوں دیوانِ علم و ادب کے بیش بہا جواہر ہیں۔ ان میں لعل و یاقوت گوہر و مروہب ایکسا جامع ہیں۔

غالب ایسے وقت بزمِ شعرا میں رونق افروز ہوا جبکہ اسلامی عروج کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ ملک میں ہر طرف ایک عالم پریشانی طاری تھا اور مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم جو رہا تھا۔ پرانی وضع و پُرانا تمدن رفتہ رفتہ

فیسٹ ونا بود ہوتا جانا تھا۔ اس وقت ہر صاحبِ نظر سانِ انصاف حضرت اکبر
الاکاوی کی زبان سے یہ ضرور کہہ سکتا ہو گا۔ مصراع
”تجئے انداز کی خوشیاں نئے حسابِ غم ہو گئیں“

اور شاید یہی وجہ ہو کہ ہم غالب کے کلام میں افسرگی اور تسلیم و رضامند
کی نمایاں علامات پاتے ہیں۔ انسانی رنج و خوشی کا احساس اور اس
سے ہمدردی اور اس احساس و ہمدردی کا عجیب پر معنی پیرایہ اور
دلکش الفاظ میں اظہار کچھ غالب ہی کا حصہ تھا۔ وہ دوسرے شعرا کی
طرح انسانی کمزوریوں پر قہقہہ نہیں لگاتا بلکہ وہ خود ان کمزوریوں
سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ روتا ہو۔ گناہ گار کا وہ سچا ہمدر و ہواد
اس ناچیز کی رائے میں سچے مصوٰفط کا یہ فرض اولین ہو۔

حضرت غالب کی دقیقہ بینی ان کے ہر شعر و شخص کی سمجھ سے بالاتر تھی۔
اس لیے غالب کے کلام کی قدر و قیمت ان کے زمانہ میں نہیں کی گئی لیکن
ہر ملک میں تقریباً تمام صاحبانِ فن و کمال کے ساتھ ایسا ہی ہونا آیا
ہو۔ غالب کی ذات اس سے کیونکر مشتے ہو سکتی تھی۔ یہ بالذات امین و غوثانِ
ہقی بلکہ اپنی خداداد عبادت اور بے نظیر کمال کا پورا یقین تھا جس نے اس
خدا کے سخن سے ہر اشتہار کو ہلوا دیا۔

نازدیوانم کہ سرستِ سخنِ ابدشن + ایں کو از قبولِ خریدارے کہنِ ابدشن
کہ کچھ دردم اوچ قبولِ بدوہ است + شہرتِ شعرم گیتی بعدِ سخنِ ابدشن
ابھی پورے پچاس برس نہیں ہوئے کہ وہ کثافتِ حقیقت اپنے کلام جاودانی

کی نغمہ سرائی چھوڑ کر عالم بقا کو سدھارا اور عاشق صادق اپنے معشوق حق تعالیٰ سے جا کر مل گیا اور اُس کے لیے پتھر من، او تو لگا امتیاز باقی نہ رہا جیسا کہ اُس نے خود کہا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دیا ہو جائے

کام اچھا ہی وہی جس کا آل اچھا ہی

اتنے ہی تھوڑے عرصہ میں اُس کی ہر دماغی زیری کا یہ عالم ہو کہ اس کے دیوان کے متعدد ادلشیں متواتر نخل چکے ہیں اور پھر ہر طرف سے مانگ ہو۔ بہت سے نئی تہذیب کے دلدادہ جو مغربی مادیت سے جنگ اگر حقیقی خوشی کی تلاش میں سرگردان ہیں اُن کو غالب کے کلام میں اُس کیفیت و جدائی و سرور روحانی کا حط ملتا ہی جس سے اُن کی طبع طول کو یک گوشہ تشنگی و تسکین ہوتی ہو۔ شعر اکا کا نام نغمہ سرائی کر کے صرف بچپن دلوں کو سرت بخشنا ہی نہیں ہے بلکہ ملکی و قومی ترقی میں نمایاں حصہ لینا بھی اُن کا فرض ہے۔ شیکسپیر کا کلام انگلستان میں اور گوٹے کا کلام جرمنی میں بہت کچھ ملکی و قومی ترقی کا باعث ہوا۔ اب آئندہ غالب کا کلام کہانیاں اور کس حد تک اس پر نصیب ملک ہندوستان کی ترقی میں مدد و معاون ہو گا اس کا جواب صرف آنے والی سلسلیں دے سکتی ہیں۔

تعمق خیال، خوب صورت اور قریباً بے عیب طرزِ ادا و صفت نظر، عالمگیر ہمدردی و ہمنواری۔ انسان اور اس کے مسائل سے گہری تہمت اور چہرہ تاثر

یہ تمام خرابیاں غالب کی نظم و شعر و نثر میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی
 ہیں۔ غالب کے کلام میں مشاعرہ و تخیل کی عظیم الشان بلندیاں سکون
 فلسفہ زندگی، انسانی ہستی کی رنج اور خوشیاں، زندگی کے کمزوریاں
 سے صاحبانِ دل کی کشمکش اور بچیدہ دلوں کو تسکین و راحت دینے کی
 قوت سب کچھ موجود ہے۔ صرف مٹا لے کرنے والے کو اہلِ دل و صاحبِ فہم
 ہونا چاہیے وہ ہم کو زندگی کی حقیقت اس کی اہمیت اور اس کا راز بتاتا
 ہو اور ہم کو خودی کے تاریک غار سے نکال کر ایک غیر فنا ہی بلندی پر
 لیٹاتا ہے جہاں سے ہم وہ چیزیں دیکھنے لگتے ہیں جن کے بیان سے ہماری
 زبان قاصر ہے۔

غالب کا مطالعہ کرتے وقت ہر ایک کو یہ احساس ہوتا ہے کہ گو یا شاعر اسی کے
 جذباتِ دلی کی ترجمانی کر رہا ہے اور یہی کمالِ شاعری ہے۔

مشہر کا قول ہے کہ "تمام مشنوں کا مقصد انسان کے لیے خوشی بہم پہنچانا

ہے۔ انسان کو کس طریقہ سے خوش کیا جائے اس سے زیادہ اہم سوال نیا

میں نہیں ہے۔ سچی صنعت صرف وہی ہو سکتی ہے جو امتدادِ ہج کی خوشی و

لذت بخشنے، نظم و جاسے کتنی ہی دور و آگیزہ کیوں نہ ہو پڑھنے والے کو اس سے

بھی لطف و خوشی حاصل ہو سکتی ہے غالب کی شاعری میں یہ خاص

بات ہے کہ جتنا زیادہ دلسوز مضمون ہوگا اتنا ہی زیادہ پڑھنے والے کو

لطف حاصل ہوگا۔ بہر حال اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مرزا غالب کا

کلام توحید، تصوف، حکمت، فلسفہ، عبرت، بے ثباتی و دنیا، خوداری

جذبات حب الوطنی، ارتقاء، تناسخ، وحدت الوجود وغیرہ وغیرہ مبالغہ
اور دوسرے راز فطرت کے بہت سے انکشافات سے بڑھ کر تقریباً
تمام اردو شعرا کی غزل گوئی یہ ہو کہ پرانے پامال مضامین جو مدت العمر سے
اول عربی پھر فارسی اور اس کے بعد اردو غزلوں میں بندھتے چلے آتے
ہیں وہی مضامین تبدیل الفاظ معمولی بول چال اور روزمرہ میں ادا کیے
جائیں قبول مولانا حالی میر سے ذوق تک جتنے مشہور غزل گو اہل زبان
میں گزرے ہیں ان کی غزلوں میں ایسے مضامین بہت کم نکلتے ہیں
محدود دائرے سے خارج ہوں۔

ان کے فن کا کمال یہ ہی سمجھا جاتا تھا کہ جو مضامین پہلے بندہ چکے ہیں انہیں
بلج اسلوب میں اس طرح ادا کیا جائے کہ نئی بندش پہلی بندشوں سے
بڑھ جائے برخلاف اس کے مرزا کی غزل میں ایسی نازک خیالی اور ایسے
اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن کو اکثر شعرا کی فکر نے بالکل چھوڑ
دیا تھا۔

مرزا غالب شاعر عام پر چلنا نہیں چاہتے تھے اور عامیانہ خیالات اور
محاورات سے حتی المقدور اجتناب کیا کرتے تھے بلکہ عام محاورات کا
استعمال وہ اپنے لیے مایوس جانے لگے تھے عام فہم اشعار کہنے سے اسے
کہیں زیادہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے کہ ان کے طرز خیال اور طرز بیان
میں ایسا جوت اور خیال اپن پایا جائے اور یہ کہنا کسی طرح غلط نہیں ہو
کہ مرزا اردو شاعر ہی میں اپنے طرز کے موجد تھے۔ احوال میں وہ تبدیل کے

کلام سے بہت کچھ متاثر ہوئے تھے۔ مروجہ دیوان کی اکثر غزلوں میں بھی
جا بجا اس کی شہادت ملتی ہے۔ اس دیوان میں اول سے آخر تک بے شمار
ترکیبیں ایسی ملتی ہیں جو اردو شعر کی عام شاہراہ سے بالکل الگ ہیں اور
جن میں بیدل کا رنگ صاف طور پر نمایاں ہو مثلاً: دامِ شبنین ،
کیک بیا بان ماندگی ، ماتم یک شہرِ کھنڈ ، رستخیزِ اعجاز ، بخونِ غلیظہ
صد رنگ ، انشدِ شادابِ رنگ ، طریضِ ناز ، شوخیِ وندل ، یک جہاں
ناروتال ، رنگ تماشا با ختن ۔ اس قسم کی خبریوں کے علاوہ جو کثرت
سے ملتی ہیں بعض پوری غزلیں ایسی ہیں جن کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے
کہ وہ قصداً بیدل کے رنگ میں لکھی گئی ہیں مثلاً :

پھر ہوا وقت کہ ہر مال کشا مری شراب + دے بیکار کو دلِ کتبِ شمسِ شراب
پوچھ مت ۔ وجہِ سیستی دیا بے یں + سایہ ناک میں جوتی ہے جو اس مری شراب
جس قصوے بجاتی ہے بگوشہ ناز + دے جو سبکین دم آید بقا مری شراب
یا مثلاً یہ غزل

عرضِ نازِ شریخی دندان ۔ برائے خندہ ہے + دھوی جمیتِ احباب جائے خندہ ہے
ہر دم میں غنچہ بچھرتِ انجام گل + یک سماں زاروتال ۔ نغائے خندہ ہے
قصا میں بھی تقریباً یہی حال ہے چنانچہ قصبہ اول و دوم اور خاصکر
ان کی تشبیہ پر ایک سرسوی نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
وہ بیدل کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مگر وہ نقصانِ طبیعت کے
خلاف کچھ تو اس راہ کی دشوار گزار ہونے کی وجہ سے اور کچھ معتدلوں کی

کلمتہ چینیوں سے تنگ آکر رفتہ رفتہ اس روش کو چھوڑتے گئے اور اس کشش میں ایک ایسی معتدل روش کی بنیاد ڈیگئی جس کو خاص مرزا کی روش کہنا چاہیے۔

ان کے زمانہ میں ایک بڑا گزہ ان کی شکل پسندی کے باعث ان کی شاعری کا قائل نہ تھا چنانچہ لوگوں کی مخالفت اور قد نہشتاسی سے تنگ آکر مرزا نے بار بار مختلف پیرایوں میں اس کا اظہار کیا ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ۵

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں مری بات

وے اور دل ان کو جو نہ سمجھیں نہ کیاں اور

ان میں اپنے مخالفین کی طرف بھی اشارہ ہوا اور ایک نہایت عمدہ پیرایہ میں ان کی ناہمی پر چوٹ کی جو منہ پر ذیل راہی سے بھی اتنی قسم کا مضمون مفہوم ہوا ہے۔

سرباخی

مشکل چیز بس کلام میرا دل + شش شش کے اسکے خنجر کا دل
آساں کہنے کی کہتے ہیں فہمکش + گویش مشکل و گرنہ گویم مشکل
اب ملک میں زبان فارسی کا رواج اس قدر کم ہوتا جاتا ہے کہ باوجود
درجہ مقبولیت کے بھی غالب کے فارسی کلام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔
ان کی فارسی دیوان میں بھی وہ نمایاں جاہر پوشیدہ ہیں جن کو بازا عالم
میں لایا جائے تو انمول ثابت ہوں گے۔ مرزا کو اپنے فارسی کلام پر فخر تھا
اور اس کا ذکر انہوں نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں

شہزادہ کے ہنگامے نے دلی کے سرمایہ نازکار ناسے اور اس کے رچے
سے فن و کمال یہاں تک اُڑا اس کی تہذیب کو مٹانے اور برباد کرنے میں
کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ مرزا جیسے باکمال شاعر و مہر و مہر
پر اس کا اثر نہ ہوتا۔ چنانچہ جس پوشیدہ مگر دھونک پیرا چٹخوں نے
اس کا مشرب لکھا وہ حقیقتاً دل ہلا دینے والا ہے اور ہندوستان کی ٹہنی
ہوئی عظمت کو یاد دلا کر خون کے آفسور لوٹاتا ہے۔ اس کے چند اشعار نقل
کیے بغیر دل نہیں مانتا۔

ظلمت کہ ہے میں میرے شب غم کا خوش ہو پاک شمع ہو دلیل سحر و جوش ہو
ایک ناز و ارمان بساط ہو اے دل بے ہزار اگر تھیں ہوس نائے نوش ہو
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو + میری سنو جو گوش نصیحت خوش ہو
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط + دامان باغمان و کتب گل نروش ہو
یا صبح دم جو دیکھو اگر تو بزم میں + تو وہ سرور و شور و جوش و غلش ہو
دلغ فراں صحبت شب کی جلی ہوئی + ایک شمع ہو گئی ہو سو و بجی غلش ہو

گلشن میں بندوبست بہ رنگ و گر جو کج قمری کا طوق حلقہ ہیر و لہو و ہونہ
آتا ہو ایک پارہ دل۔ ہنر خاں کے ساتھ تار نقش کندہ شکار اثر۔ ہو آج
ای عاقبت کنارہ کہ ادوا تعظم حل سیلاب گریہ۔ در پود ہیر و جہانج
غالب کے دیوان میں جگہ جگہ ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ان کی شبلیں
کا اظہار ہوتا ہے اور وہ بار بار اپنے ملک کی بدحالی پر روتے ہیں۔ لکھا
اور جگہ فراتے ہیں۔

ہندوستان سائیکل پائے تخت تھا جاہ و جلال حمد وصال بتاں نہ پوچھ
ہرواخ تانہ یک دل اغ اختیار ہو عرضِ فضاے سینہ دروختاں پوچھ
ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۵

یوں ہی گروتارِ انخاب تو ای اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ دیراں گچیں
کس قدر معنی پیرِ سحر و ناک شمر ہو اگر مرزا انخاب کے دیوان کو
بنورِ پڑھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کو اپنے ملک سے کس درجہ محبت ہو
اپنے صنائع شدہ قومی وقار کا کس درجہ رنج ہو اور اپنی کھوئی ہوئی ملی
آزادی پر ان کے آنسو کبھی نہیں تھمتے فرماتے ہیں ۵
یا تمہیں ہم کو بھی رنگِ بزمِ آریا لیکن انقباض و انقباضِ نساں گئیں
جوئے غمخیزانِ کموں سے جنے دو کو کچھ نہ ہو میں سمجھ نکاحِ حسن ہو فروزاں گئیں
اُس وقت ملک کی جو حالت تھی اسے یاد کر کے کہتے ہیں ۵

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہاں ہو
جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہو
اور پھر اپنی نا چاری و مجبوری دیکھ کر صبر و شکر کی ہدایت کرتے ہیں ۵
تاب لاتے ہی بنے گی غائب واقعہ سخت ہو اور جان عزیز
اپنی ملی آزادی کے جانے پر ہر چند صبر کرنا چاہتے ہیں لیکن ضبط نہیں ہوتا
اور بے اختیار چیخ اٹھتے ہیں ۵

بلکہ روک لیں تم اور سینہ میں بھریں پوچھ میری آہیں بخیل پاک گریباں ہو گئیں

اسی غزل میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ حکومت ہی اہل میں تو مول کی
زندگی کا باعث ہوتی ہو۔ اور جب کسی قوم کو حکومت حاصل ہوگی تو
گو اسب کچھ ل گیا اور اس قوم میں زندگی آگئی ہے
جاں فزا ہو باد جس کے ہاتھ میں جام ل گیا
سب کیریں ہاتھ کی گویا رنگ جاں ہو گئیں

جام کا اشارہ صاف سلطنت کی طرف ہے۔ ایک موقع پر اپنے آبائے ملک
کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم میں حب وطن کا سچا جوش ہو
اور نادہ کی خواہش حقیقی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنا اثر نہ کرے حکومت
و سلطنت کسی خاص شخص یا قوم کی ملکیت نہیں ہو کر تہی جیسا کہ ہمیشہ کی
خاتم اس کی خاص ملکیت تھی ہے

عشق تاثیر ہے نومید نہیں جاں سپاری شجر سید نہیں
سلطنت دست پست آئی ہے جام موم خاتم ہمیشہ نہیں
خوار حب الوطنی آسانی سے نہیں اترتا اور جب کسی قوم میں اس کا جوش
ہو گیا تو اس جنون کو دور کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اس مضمون کو مزید غالب
نے کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

مگر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا لیا ہے یہ جنون عشق کے امداد مچھٹ جائے گیا
خاندان زلف میں پیچھے بھاگیں گے ہیں گرفتار و فاد زندان گھبراہٹ کے گیا
ہنگامے کے بعد جو اعلان ہوا اُس میں کہا گیا کہ ہندوستان کی حکومت
ہندوستان میں کو رفتہ رفتہ دی جائے گی یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آجیگا

جب حکومت کی ساری ذمہ داری اہل ہند کے سپرد کر دی جائے گی۔ مرزا غالب کہتے ہیں اور حضرت واپوسی کے ساتھ کہتے ہیں ۛ

اے کو چاہیے اک عمر آخر ہونے تک کون جیتا ہو تری زلف کے سر پہ تک
دام ہر مرج میں ہو حلقہ صد کا خم نگ دیکھیں کیا گزرتے ہو قطرے پہ گہ ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب دل کا کیا رنگ کروں خون جگر چھٹک

اپنے دودل کا اظہار نہ کرتا اور اپنے مصائب پر خاموش رہتا اس بات کی دلیل ہے کہ قوم میں زندگی باقی نہیں ہے اور قوم مودہ ہو چکی ہو بلکہ ایسی خاموشی قوم کے مرگ کا باعث ہوتی ہے۔ اس خیال کو کس عملی سے اور کتنی اچھی اور خوبصورت تشبیہ کے ساتھ مرزا نے ادا کیا ہے ۛ

زبانِ اہلِ زباں میں ہو مرگ خاموشی

ۛ باتِ بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

اس زمانہ میں جو حالات تھے اس کے اعتبار سے صاف صاف الفاظ میں ان خیالات کا اظہار کرنے سے وہ معذور تھے اور مجبوراً ایسے خیالات کا اظہار نہایت گہرے اور پوشیدہ معنوں ہی میں کر سکتے تھے ۛ

ہلنگدہ ہو سینہ مرا رازِ نہاں سے احوالے اگر معرضِ اظہار میں آئے
ایک اور جگہ بتایا ہے ۛ

مرزا خاموشی میں فائدہ اٹھاتے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
مرزا غالب کے اشار میں غم ناگہانی گئی سنی نہالے جا سکتے ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں ۛ

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھے جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں ہے
علاوہ محسوس ہی کے اُن کے اشعار ایک وجدانی کیفیت پیدا کرتے ہیں جس کا لطف کچھ
وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اہل دل اور صاحب ذوق ہیں۔

شاعر کے لیے کچھ یہ ضروری نہیں ہو کہ شعر کہنے وقت اُس کے ذہن میں وہ نام معنی مضامین
موجود ہوں جو اس کے خیال کی پرواز الفاظ کی بندش وغیرہ کے باعث تاخیر ہو سکتی ہیں
غالب دیوان کو اٹھا لو اور دیکھو کہ اس اشعار ہر زمانہ ہر اُردو اور ہر طبیعت کی مطابقت کرتے
ہیں یا نہیں۔

شاعر کے ہنگامہ کے ختم ہونے پر جب عام معانی کا اعلان ہو گیا تو ہر غالب ایک
زبردست فاری تھیبہ کی تلافی فرما لے اور تلواریں نکال کر لڑاں بٹاؤں اور وجود
نمودہ ہو جس کے بعض حصے مرنے والی حالت میں بھی ہنگامہ غالب میں نقل کیے ہیں۔ اس قصیدہ
کو اگر کسی نظر سے دیکھا جائے تو اُس سے ہماری گزشتہ بیان کی پوری طبع بتا بہ ہوتی ہے
ناظرین کی صرف ادبی دلچسپی کی غرض سے چند شعر اس عجیب غریب قصیدہ کے نقل
کرتا ہوں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریباً ہر شعر میں سیاسی پہلو نمایاں ہے۔

خود وزیر گارنچہ درین ذکر گاریافت	در روزگار ہا تو اند شمار یافت
حق داد و ادھن کہ بیکر قریافت	پر کار تیر گرو فلک در میان میں
پر رو سے خاک پیچ و خم زلف یافت	آمد اگر بفرض ز بالا بلا فرو و
ایں پرورش کہ خلق ز پرور گاریافت	در خاک داد و دانش آب ہستی فرو و
در و ہر دم صورت ازین چہ یافت	تا چار جز بداد گرایش نہی کند
ہم بر سر لے خود شہدہ یافت	گر خواہ بندہ را خط آرد اولیٰ نشست
تو کلمے خوشدلی نداد و نہ گاریافت	در بندہ خود ز غشم خط بندگی درید

رہن متاع خویش برالہ سبیلِ نیت کو دکھ رضاے لہوز آموزگار یافت
ہندو مسلمانوں کے اتفاق کا جو غلط فہمی کل مچا ہوا ہوا اور ایک دوسرے کو پناہ نہ
بھائی بلکہ پرتلا ہوا اور سارے اختلافات مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں
ہیانتک مسلمانوں کے خاص مذہبی معاملات میں بھی ہندوؤں نے عملی
ہمدردی کا اظہار شروع کر دیا جو مرزا غالب نے اس ضرورت کو بہت پہلے محسوس
کیا تھا اور مسلمانوں سے گویا وہ یہ کہتے ہیں ۵
غالب بیٹیک انسانیت ہستی کا اعلیٰ مفسر ہو اور اس کا کلام ہر زمانہ انسان
کے دلی جذبات و خیالات کی تفسیر کر کے لوگوں کو خوش کرتا رہے گا۔ اس
یا چھبیر نرکی رائے میں غالب شیلی کی پرہیزگاری کی نصاحت گوشتے کی
عین النظری شکل کی بند خیالی۔ فرانس ٹامسن کے تخیل۔ مونس کے درد
سودا کی غرافت اور میر کی سادگی کا مجموعہ ہو۔

میرا قلب آرزو مند ہو کہ تیرے نغموں کا ہم نوا ہو جائے لیکن ایک آواز کے
لیے بیکار شرب رہا ہو۔ میں بولتا ہوں لیکن ہلکی نغمہ نہیں بنتے۔ لاچار عاجز ہو
جیج اٹھتا ہوں ٹیٹیکور

خلاصہ یہ کہ مرزا کی شاعری میں ہزار بات کہتے ایسے پائے جاتے ہیں جو قابلِ بیان
ہیں ان کے اشعار کو پڑھ کر جو حالتیں یا کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں ان کو الفاظ کے
ذریعہ سے ظاہر کرنا ناممکن ہے قبولِ خاتمہ حافظ شیرازی ۵

لطیف بہت نہانی کہ عشق زودخیز کو نام آں ذب لعلِ خطا نہ خالیست
خاکسارِ محمود آرزو ملی۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء

ہو المستعان

دیباچہ طبع ثانی

سید راس مسعود صاحب کی تحریک پر دیوان غالب کا خاص ایڈیشن قلمی پریس سے ۱۹۱۵ء میں نکلا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سوہ اتفاق سے یہہ خاکسار کوئی ماہ تک بستر عیالت پر پڑا رہا اور اس وجہ سے اس کی کاپیوں کی صحت کا کچھ دوسروں کے ہاتھ میں رہا اور یہ ادعا کہ وہ غلطیوں سے پاک ہو غلط ہو گیا جیسا کہ اس معذرت نامے سے جو اس ایڈیشن کے آخر میں لکھنا پڑا تھا ہر جہاں لیکن پھر بھی وہ ایڈیشن بازار میں دستیاب ہونے والے نسخوں سے کہیں زیادہ بہتر و لغز جمیوں اور کیا بہ لحاظ صحت مبالغہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ شایعین کا نام غالب نے میری توقع سے زیادہ اس کی قدر فرمائی۔ اس ایڈیشن کے خریداروں میں فی صدی ۹۰۔ انگریزی والے اصحاب شامل ہیں جن میں زیادہ تعداد امریکہ و کولمبیا اور میرٹھ صاحبان کی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نئے تعلیم یافتہ اصحاب کے حلقے میں دیوان غالب کے پہلے ایڈیشن کو ہر لغز پر بندے میں محض اس کی خاموشی خوش خدائی ہی محرک نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صرف غالب کا کلام ہی وہ کلام ہے جو متصفیانہ مذاق کے ساتھ فلسفی مسائل سے بھی بالا مال ہے۔ غالب کا تخیل وہ چیز ہے جو کہیں پُرانا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ اشخاص کی طبیعتوں کا رجحان غالب کی طرف بڑھا ہوا ہے۔ غالب کو اپنی زندگی میں جب

کہ اس کے سامنے اس کے طرزِ کلام پر صرف اس وجہ سے مضحکہ اڑاتے
تھے کہ اُس نے شاعری کی ایک جدید شاہ راہ قائم کی تھی، اور عشق و عاشقی
اور گل و بلبل کے پارینہ مضامین سے اس کا مطلع نظر کہیں بلند تھا، کیا خبر تھی
کہ اس کے مرنے سے تقریباً نصف صدی بعد وہ خوبیاں جو اس نے اپنی
شاعری میں سب سے عمدہ ہو کر پیدا کی تھیں عام طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھی
جائیں گی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سب سے پہلے غالب نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو
نظم میں ہر طرح کی فصاحت و بلاغت فلسفہ و حکمت اور نچرل جذبات کے ادا
کرنے کی قابلیت موجود ہے۔ غالب نے شاعری کے مقصد کو خوب پہچانا، جو وہ
صرف غزل سرائی سے غیر مہذب جذبات کو اُسجا زنا پسند نہیں کرنا
تھا بلکہ اُس نے وہ روش اور اسلوب بیان اختیار کیا تھا جس سے وہ
ایسے حکیمانہ خیالات و نیا کے سامنے پیش کر سکے جو دوسروں کی اصلاح کا
باعث ہوں اور انسانی اخلاق کا پایا بلند ہو یہی وجہ ہے کہ بعض انگریزی تذکرہ
نویس اُس کو پرمیٹنٹین کا پیدہ سمجھتے ہیں۔ غالباً یہاں پر یہ اعتراض کیسا بایں گا
کہ ایک شخص جو زندہ مشرب ہو وہ دوسروں کی اصلاح کیا کر سکتا ہے۔

بیشک غالب ایک قابلِ ترکِ عادت میں جنکا ہو گیا تھا لیکن وہ نہایت
صداقت شہدار اور راست گو تھا اُس نے اپنے کلام میں اپنی اس مذہم عادت
پر جان بوجہ کلامت کی ہے اور اس لیے اُس کا کیرکٹر یا کارنامہ بدول اور غنائشی
پر ہرگز کاروں سے بدرجہا قابلِ تعریف تھا۔ بہر حال اس سے انکار نہیں ہو سکتا
کہ اس کے کلام میں توحید، تصوف، حکمت، فلسفہ، عبرت بے ثباتی و دنیا

میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر بھکوناز ہو کوئی اُن کا لطف نہیں اُٹھاتا۔
 اُس زمانے کے خیال کے مطابق مرزا غالب اُردو شاعری کو داخل کمال نہیں
 سمجھتے تھے۔ لہٰذا اُس میں اپنی کسر شان جانتے تھے چنانچہ ایک فارسی قطعہ میں
 جس کی نسبت مشہور ہو کہ اس میں ذوق کی طرف خطاب ہو کہتے ہیں ۵
 فارسی میں تا پنی نقشاے رنگِ ننگ ۶ بگناز محبوبِ عار و کدے ننگِ من بہت
 رست میگویم مژ از دستِ نخواستِ کشید ۷ ہرچہ در گفتارِ فخرست اُن ننگِ من بہت
 ان اشعار میں اپنے فارسی گوئی کے جوش کمال میں محبوبِ عار و کدے کو اپنے لیے
 موجبِ ننگ بتایا ہو اور حقیقت میں اُن کا دلوانِ ریختہ کم از گلشنِ شیریں
 کی نفیس اور پاکیزہ تشبیہ کے کہیں بڑھا ہوا ہو۔

مرزا کے اچھے خیال۔ ان کی بلند پروازی اور متنوع معنایں کی مثال میں
 یہاں ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں ۵

ہوس کو ہوشِ نسا کا رکیا کی

نہ ہو مرنا تو جینے کا نہ اکیا

کیا نفیس اور نرالا خیال ہو۔ زندگی کا لطف اسی لیے ہو کہ لوگوں کو مرنے کا
 یقین ہو ورنہ دنیا کا کوئی کام بھی انسان کی مستی اور کمالی کے باعث نہ ہوتا
 نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۵

ڈوبو یا بھگو ہوئے نے نہ ہوتا میں ڈوبیا ہوتا

اگر انسان کا وجود نہ ہوتا تو وہ خدا ہوتا پہلے صریح میں کہہ چکے ہیں کچھ نہ ہوتا تو
 خدا ہوتا ۵

آتا ہو داغ حسرت دل کا شمار یاد
 مجھ سے مرے گنہ کا حساب ہو خدا کا گناہ
 کیا شوخی ہو۔ درپردہ خدا سے شکایت کرتا ہو گونہگار اور خواست ہو کہ
 میرے لئے شمار گناہوں کا حساب مجھ سے نہ طلب کرے
 طاعت میں تا رہے نہ عیفاً گنہگار کی لگ
 دوزخ میں ڈال دو کوئی کیس کی پست کو
 علو خیال قابل ملاحظہ ہو۔ دوزخ و بہشت کا خیال عشق حقیقی میں خارج ہوتا
 ہو اور ایسی طاعت اور ایسا سجدہ نیاز لا حاصل ہو جس میں دوزخ کا
 خوف اور بہشت کی حرص نہ ہو۔

۷
 ہو غیب غیب میں کو سمجھتے ہیں ہم شہود
 ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
 اسل شہود شاہد و مشہود ایک ہو
 حیراں ہوں پھر مشاہد ہو کہ حساب میں
 جو لوگ تصوف کا مذاق رکھتے ہیں اور مصطلحات تصوف سے بھی واقف
 ہیں کچھ وہی لوگ اس شعر کا لطف اٹھا سکتے ہیں ۷
 ہو پرے سرحد اور اک سے اپنا ہو قیل کو اہل نظر قیل نہا کہتے ہیں

۸
 حضرت اسی نے توحید تبارک و تعالیٰ کو ہم سمجھ دیا ہے اور ہم اس سے دہرا لیا
 حضرت اسی نے توحید تبارک و تعالیٰ کو ہم سمجھ دیا ہے اور ہم اس سے دہرا لیا
 حضرت اسی نے توحید تبارک و تعالیٰ کو ہم سمجھ دیا ہے اور ہم اس سے دہرا لیا

کیا بلند مرتبہ ہوا اور کتنی منزلیں طو کر چکے ہیں جس جگہ اوس کا نہ ہب آتا کہ پہنچتا

ہو وہ اس سے حضرت غالب کا نہ ہب شروع ہوتا ہو ۵

ہیں زوالِ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام

مہر گردوں ہو چرخِ رگزارِ بادیاں

نئی نئی اور عجیب و غریب شبیہیں اختراع کرنا کچھ انہیں کا کام تھا

دامِ ہر موج میں ہو قطعہ صد کا منہنگ

دیکھیں کیا گزرتے ہو قطرے پگھر چوئے نگ

استعارات و کنایات میں بھی جو شاعری کے لطف کو دوبا لاکر دیتے ہیں

حضرت کو یہ بلوئی حاصل تھا قطرہ اپنی اصل یعنی بھر سے جدا ہوا ہو اور قبل

اس کے کہ وہ پھر پھر میں لہلہے سلوم نہیں کیا کیا منازل اس کو طو کرنے ہیں

اسے سدا تاسخ سمجھو یا مشربِ حنفیہ

۵ رازِ معشوق نہ رسوا ہو جاے

ور نہ مرجانے میں کچھ عجیب نہیں

کیا سادگی ہو اور رازِ حقیقت کا کیا ہی انوکھا انکشاف ہو ۵

رونی بستی ہو عشقِ خانہ دیراں ساز سے

انجن بے شمع ہو گر برقِ خرمن میں نہیں

انسانی بستی کا جزوِ عظمِ محبت و عشق ہو اور انسان کے لیے محبت کا ہونا

لازمی بتاتے ہیں خواہ وہ محبت مکی ہو یا قومی حقیقی ہو یا مجازی اس مطلب کو

کس خوبی سے ادا کیا گیا ہو۔

۵ دریا سے مٹا ہی تنگ آبی سے ہوا تنگ

میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
ذوق کو یہ شعر نہایت پسند تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ مرزا کو اپنے اچھے افسار
کی خود خبر نہیں ہوتی۔

بڑے بڑے فلسفی اپنے وقین مسائل کا جواب اس الہامی کتاب
دیوان غالب سے تلاش کر سکتے ہیں۔ فلسفہ کا غالباً سب سے اہم ترین مسئلہ
یہ ہے کہ وجہ آفرینش دنیا کیا ہے۔ فلسفی نے اس کا جواب اپنی بساط کے
موافق دیا ہے مرزا غالب اس کا جواب یوں دیتے ہیں ۵

وہ ہر جز جلد کینا فی معشوق نہیں

ہم کہا ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود ہیں

کس خوبی کے ساتھ ان دو مصرعوں میں مرزا نے اس مسئلہ کا حل کیا ہے
مبدأ عالم حسن ہے اور حسن اظہار کا متقاضی ہے اس لیے دنیا عدم سے وجود
میں آئی۔

خرد خراب خواری میں حضرت کا ایک شرحِ حقیقت میں ایک فقرہ معنی ہے اور
جتنا اسے پڑھیے لطف آتا ہے دو بالا ہوتا ہے پورپ کے نامور شعرا کے کام

۵ اے ہی مضمون کو حضرت آسن غازی پوری نے بھی نہایت خوبی سے لکھا ہے۔
حسن یہ کہ کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو کچھ ہو کچھ ہے دراکر لطف تنائی نہ تھا
۵ غالب کے کچھ میں کچھ جو مدایک حور ہے اچھو نرودست مشرب الہیہ نما جا میر لے
(مکتب) بریڈرٹ ۵ سے وجود بھی شاعر میں اتنی رہی ہے اس کا اظہار اس جگہ شاید

رازم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں لیکن اس موضوع پر اس پایہ کا ایک شرعی
 نہیں ملا۔ اسے صوفیائے کرام کے مسلک کی تشریح کیجئے یا جو چاہئے سمجھ لیجئے
 کیونکہ اس کی کیفیت الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتی ہے

موسے عرض نشاط ہو کس روسیاء کو

ایک گونہ مے خودی مجھے دن رات چاہیے

اہل تصوف اگر اس جام جہاں نہایتی دیران غالب میں اپنا عکس دیکھنا
 چاہیں تو ان کو مظلوم ہوگا کہ ان کے تمام دقیق مسائل کا کس خوبی کے ساتھ
 اس شیخ نے حل کیا ہو کیا شعر میں اور کن رموزِ فطرت کا اظہار ہو ہے

اک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا یاں جاوہ بھی قتیلہ ہر لالہ کے داغ کا
 آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر ہو آئندہ ایم نقاب میں
 غالب کا مذہب قبول ہوا پاسبانوں سے پاک ہو وہ اس مثل پر ہیں کہ جہاں
 ہندو مسلمان کی تمیز باقی نہیں رہتی ہے

وفا دارمی بشرط استواری اہل اہل ہیں

مرے جھانسنے میں تو کہہ ہیں گاڑ و پرچم کو

مغربی تہذیب کے والد و شہید اکثر فرماتے ہیں کہ غالب میں سوار گل و بلبل
 کے افسانوں کے اور کیا رکھا ہو۔

بے رتق نہ ہو اگر غالب کی سلطنت کو ایک ذرہ برابر بھی صحیح طور پر اس حقیر نے سمجھا ہو تو یہ نہیں ہے
 فیضِ محبت کا اثر ہو۔ میں اپنے دوست کا تامل سے سنوں ہوں کہ ان کی بدولت میں جینے
 کی چشم کھلنے رو شنی کی شاہیں دیکھیں " محمد

ان کے دل حسن و حقیقت سے نا آشنا۔ ان کے دماغ جذباتی کیفیات سے
نئے ہوں۔ بھلا وہ ان رموز کو کیا سمجھیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے مرزا غالب
نے لکھا ہے۔

س مطلب ہو ناز و غمزہ و گنگو میں کام

چلتا نہیں ہو دشت و خنجر کہے بغیر

س ہر جہ ہو مشا و ہ حق کی گفتگو

بستی نہیں ہو با وہ و ساغر کہے بغیر

کاش غالب کو بھی کوئی قطرِ حیرت لہجہ لہجہ اُس کے کلام کے رموز و نکات کو
کسی مغربی زبان میں اہل مغرب کے سامنے پیش کرتا۔

اس بزرگوار کا شیراز اگر سرسبز و چمنی تائید و جو خود بھی معرفت الہی کی مطلوب نعمت
ہو اُٹھائے تو کیا عجب کڑا سے کچھ کامیابی ہو جائے۔

غالب کے کلام کی عظمت اُس کے تخیل و ادراک کا وہ عالم۔ غم و افسوس

غالب کا مزار دلی میں جس حالت میں پڑا ہوا ہے اُسے دیکھ کر ایک فلسفی کا

قول یاد آتا ہے میں نے کہا تھا کہ اگر تم کو کسی قوم کی حالت کا اندازہ کرنا ہو

تو تم اُس کے مزارات پر چلے جاؤ۔ غالب کے مزار پر جا کر کیفیت سمجھ پر

ظاہری ہوتی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مجھے دیکھنے میں آئے کے مزار کے

لے یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے عرفیہ کا ترچہ انگریزی میں کیا اور خوبی ترجمہ کے باعث عرفیہ
کا نام آج عرب میں روشن ہو گیا ہے۔ برصغیر کا سب سے زیادہ مشہور شاعر اور مرزا کا نام
موجود ہے۔ وہ مرزا کا مزار دلی میں ہے۔ یہاں تک کہ مرزا کا مزار دلی میں ہے۔

دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا ہی ایک وہاں کی قدروانی ہوا ایک یہاں کی منجھی
دونوں کا فرق دیکھ کر آقبال کا مشہور شعر جو اُس نے غالباً ایسی ہی کیفیت
سے متاثر ہو کر لکھا ہوگا بے اختیار میری زبان پر جاری ہو گیا ہے

آہ تو آخری ہوتی دلی میں آرمیدہ ہو

گلشنِ دیر میں تیرا ہم تو انا ہمیدہ ہو

ہندوستانیوں کی زندگی ناقہ چشیت ایک قوم کے تحت ایک مشہور ہنگامے
سے چلے ہو چکا تھا۔ اور اس وقت کے شعرا اور صاحبانِ سیاست
دونوں نے اسے محسوس کیا۔ اہل سیاست کے احساس کا نتیجہ ہنگامہ
ہوا اور شعرا نے مختلف طریقوں سے اس پر نوہ کیا۔ مرزا غالب کا احساس
مگر اتنا اُنہوں نے نہایت پروردِ پیراہ میں اس کا اظہار کیا ہے کہ
کیوں گردشِ دام سے گھبرانے جاؤں انسان ہوں پیالہ و ساغور میں
یارب زانہ بھگو مٹاتا ہو کس لیے لوحِ جہاں پر حرفِ مکہ نہیں ہیں
پھر کہتے ہیں یہ

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہو

یاں تک نہ مٹے کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے

ہنگامہ مشاعرہ کے بعد دلی اور نواحِ دلی پر جو آفتیں ٹوٹیں انہوں نے
ہزار ہا ہنگامانِ خدا کو بے خانماں کر دیا۔ شہزادے اور شہزادیاں جنگلوں میں
مارے پھرتے تھے۔ دلی آج گئی اور شرفا کے مکان و دیان و برباد کر دئے
گئے۔ ان واقعات کو مرزا نے مجسمِ خود دیکھا تھا۔ غالباً اسی کے متعلق فرماتے

ہیں ۵ کم نہیں وہ بھیابی ہیں پہرہت معلوم
 دشت میں ہر گھجے وہ عیش کہ گھراؤ نہیں
 جو مصائب اہل ہند پر مشاعرہ کے کچھ پہلے اور پھر اس کے بعد نازل ہوئے
 وہ بجائے عداوت کے لیے ایک سبق تھے جس کو مرزا نے کس خوبی سے
 ادا کیا ہو اور ان کی خواہش ہو کہ ان کے ہم وطن اس سے سبق حاصل
 کریں اور آئندہ کے لیے متنبہ ہوں ۵

اہل عیش کو ہو طوفانِ حوادث کتب
 لطمہٴ مرج۔ کم از سیلی استاد نہیں
 دہلی فتح ہونے کے بعد نہ صرف اہل دہلی نے بلکہ تقریباً تمام ملک انگریزی
 سرکار کی اطاعت قبول کر لی اور طرح طرح سے اپنی وفاداری کا اظہار
 کرنے لگے۔ لیکن حکام انگریزی کا جوش انتقام کم نہ ہوا ہنگامے کے حالات
 ان کو فراموش نہ ہوئے۔ لوگوں کو سزائیں دی گئیں۔ امر کی جاگیریں ضبط
 ہوئیں۔ غریب کے مکانات مسمار کر دیے گئے۔ مرزا اس کا ذکر شکایت کے
 بیڑیہ میں یوں کرتے ہیں ۵

ہائے محرومی تسلیم و بدا حال و قاف
 جانتا ہو کہ ہمیں طاقت نہ رہی نہیں
 اور سزا کی سختی کی یوں شکایت کرتے ہیں ۵
 حد چاہیے سزا میں عفویت کے واسطے
 آخر گناہگار ہوں۔ کافر نہیں ہیں میں

خود دہری۔ استغناء۔ اور اس قسم کے اخلاقی مضامین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ غالب نے ان مضامین پر کبھی غصہ نہیں کیا بلکہ اپنے زمانہ مشرب کی وجہ سے جہاں کہیں اس قسم کے مضامین پر قلم اٹھانے کا ذکر کیا ہے وہ ان کے ساتھ کہتا ہے۔

پہاں تصوف یہ ترا بیان غالب + تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
 اُردو شاعری میں تو غالب کا خاص مرتبہ تھا ہی، فارسی میں بھی اس کا پاسی اُن بلان
 شاعر کے کم نہیں ہو۔ اس اُردو دیوان کے دیباچہ میں اُس کی فارسی شاعری سے
 بحث کرنا ہمارے منصب سے باہر ہو۔ اس موقع پر ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اپنے
 اُردو کلام میں جو مضامین غالب نے لوائے ہیں وہ معنی خیزی کے لحاظ سے
 فارسی اشعار سے کسی طور پر کم نہیں ہیں بلکہ بعض حالتوں میں وہ فارسی سے بھی
 زیادہ ممتاز ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ غالب کے اُردو کلام میں جا بجا فارسی کے
 پیوند لگائے گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ مشکل اور دقیق سمجھا جاتا ہے لیکن
 جب وہ اس روش کو چھوڑ کر صاف اور سادگی کی طرف جاتا ہے تو پھر غماز جیسا ہو
 کہ وہ سادگی بیان پر جو قدرت رکھتا ہے وہ دوسرے شاعر کو بہت کم حاصل ہے
 اُس کے دقیق اشعار اور فارسیت کے رنگ نے یہ ضرورت پیدا کر دی ہے کہ
 کے مطالب کو عام فہم اور آسان بنانے کے لیے دیوان کی شرح لکھی جائے۔ چنانچہ
 اس وقت تک کسی شرح میں شائع ہو چکی ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ موجودہ شرح میں
 دلدار و گلان کلام غالب کی ضرورت کو پورا کرتی ہیں اور اس وجہ سے ہم نے اپنے
 پہلے ایڈیشن کو مبرا خالی کرنا کافی سمجھا تھا۔ اس ایڈیشن میں صرف اشارات

الفاظی کے استعمال سے مشکل اشار کو اس قابل بنا دیا گیا کہ وہ پڑھنے کے
ساتھ ہی ناظرین کے ذہن میں اتر جائیں۔ لیکن اکثر احباب نے میں مجبور کیا اور
یہ مشورہ دیا کہ دوسرے ایڈیشن میں شکل الفاظ کے معنی عام فہم اور وہیں اور
ذہن مضامین کی شرح مختصر طریقے سے بطور حاشیہ ہر صفحہ پر متن کے تحت میں
لکھ دی جائے تاکہ ناظرین کو کسی دوسری شرح کے سامنے رکھنے کی ضرورت
باقی نہ رہے حاشیہ کے لکھنے میں ہم نے شرح لطبا لطبائی، شرح مرقا مسرت
اور دیگر مقامات غالب کو جو دھندلی ہیں سرجد میں پیش نظر رکھا ہے۔ حضرت شوکت
میرٹھی کی شرح دیکھنے کا بھی اس اثنا میں موقع ملا۔ اس شرح میں اگر کچھ جمل پوران نقل
نہیں کیا گیا ہے لیکن جن اشار کی شرح دی گئی ہو ان میں سے اکثر بیسٹام دیوانوں
کے خلاف تعریف کر کے کلام غالب کی وہ گت بنائی ہے کہ جس سے گوشہ قبر میں
غالب کی روح کو حضور کو منت ہوئی ہوگی مثلاً تمام غزلوں میں یہ لکھا ہے کہ
نہ دے نامے کو اتنا طول غالب نے لکھا کہ کہ مرگے پنج دیوں عرض تم ہائے بھائی کا
شوکت صاحب اصلاح فرماتے ہیں ۔

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب نے لکھا کہ کہ حیرت سبج ہوں عرض تم ہائے بھائی کا
اس طرح کے تحریف اشار شوکت صاحب کی شرح میں اکثر ملتے ہیں، اگر حضرت
شوکت کسی قدیم نسخہ دیوان کا حوالہ دیتے اور اس کی بنا پر اشعار کی تصحیح کرتے تو حق بجانب
تھا۔ عام طبوعہ دیوانوں میں بھی بعض اشعار میں اختلاف پایا جاتا ہے اور دوسری
وجہ سے یہیں چند ایڈیشن مختلف مطالع کے چھپے ہوئے تصحیح کی غرض سے
جمع کرنا پڑے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت سب سے زیادہ قدیم چھاپا ہوا

وہ نسخہ دستیاب ہوا تھا جو مطبع احمدی دہلی سے مشتملہ میں شائع ہوا تھا
 اور جس کی کاپیوں کی صحت خود مرزا نے کی تھی۔ اس مرتبہ اس سے زیادہ
 پرانا ایک قلمی نسخہ ہاتھ آیا جو اس اہل دیوان سے نقل کیا گیا ہے جس کو پہلی
 مرتبہ غالب نے مشتملہ میں مرتب کیا تھا یہ نقل بھی جو ہمیں دستیاب ہوئی
 ہو اسی زمانہ کی لکھی ہوئی ہو۔ اس کے ساتھ ایک دیباچہ بزبان فارسی مصنف
 نے لکھا ہے جس کو ناظرین کے مطالعہ کے لیے اس دیوان کے شروع میں مختصہ ورج
 کیا گیا ہے اس دیباچہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان ارد و دہلی رسی
 دیوان سے پہلے مصنف نے مشتملہ میں ترتیب دیا لیکن اس میں مصنف
 کی بعض مشہور غزلیں نہیں ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشتملہ کے بعد وہ دہلی
 نسخہ مرزا نے ان غزلیات کو شامل کر کے جو سال مذکور کے بعد تصنیف
 ہوئیں ترتیب دیا ہے اور وہی اب تک رائج ہے اگر اس قلمی نسخے کی جو
 مشتملہ کا لکھا ہوا ہے اس میں ملا ہے متابعت کی جائے تو بعض مشہور غزلیں
 نکال دینا پڑے گی۔ مثلاً یہ عنوان لازم تھا کہ بکھو مرا رستہ کوئی دن اور یہ جس مضمون
 نامہ کی واقعہ پر مشتمل ہے اور جو قیثا غالب کی مصنفہ ہے، اس لیے اس قلمی دیوان سے
 صرف یہ مدد لی گئی ہے کہ بعض خفیف غلطیاں جو مطبوعہ دیوانوں میں پائی
 گئیں درست کر لی گئی ہیں، موجودہ ایڈیشن میں حتی الامکان کتابت کی غلطیوں
 کی صحت کی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ بعض تہس اور نکتہ چیں ہنگام ہیں
 کتاب کے کسی نہ کسی سو کو ڈھونڈنا تھا۔ نہایت سختی کے ساتھ کتابت
 میں اُلا کا خیال رکھا گیا ہے جو زمانہ حال میں سر مشتملہ تسلیم کی

کتابوں میں مروج ہوا جس سے اردو کتابت کا نقص دور ہو جاتا ہو کہ اس میں مختلف آوازوں کو ایک ہی صورت میں لکھا جاتا ہو مثلاً گھر گھرنے . فی . اور نو وغیرہ جہاں تک معنی نے اجازت دی ہو مرکب لفظوں کو علیحدہ کر کے لکھا گیا ہو۔ کسی ایسے لفظ کو جو دو لفظوں سے مل کر بنا ہو مگر لکھنے سے احتراز کیا گیا ہو اور دو لفظوں کو جو جدا جدا حیثیت رکھتے ہیں قطعی طور پر ملانا جائز نہیں رکھا ہو مثلاً کش کش کو بصورت کشکش نہیں لکھا ہو۔

اس طرز تحریر کے اختیار کرنے سے صرف یہ مقصد ہو کہ اردو رسم الخط سریح انعم صورت اختیار کرنے اور بھی خیال رکھا ہو کہ لفظ کی صورت آواز سے مطابقت کرے مثلاً دے نامے کو اتنا طویل نہ اس طریقے سے نہیں لکھا نہ دے نامہ کو اتنا طویل نہ۔ اشارات الہامی میں بھی اس مرتبہ زیادہ صحت کا خیال رکھا گیا ہو چونکہ اردو میں اس وقت تک اشارات الہامی کی صورتیں مخصوص تھیں اس لیے ہم نے انگریزی اشارات کا اتباع کیا ہو۔ البتہ اس قدر صرف کیا ہو کہ کاسے کی جگہ خفیف پیش سے کام لیا ہو پہلے ایڈیشن میں مرزا کا صرف نوٹو دیا گیا تھا اس مرتبہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط حاصل کر کے اس کا طس بھی چھاپا گیا چونکہ بے ہم قاضی شکیل صاحب رئیس بریلی کے شکر گزار ہیں۔ یہ خط قاضی صاحب موصوف کے پاس محفوظ تھا۔ مولوی و ہاب الدین صاحب طالب زشتوری

شیخ قاضی صاحب نامی محمد رحیل صاحب جیل بریلی کے جو مرزا صاحب کے رشید کا مذہب میں تھے جن کے نام غالب کے مطبوعہ خطوط و ہندی میں موجود ہیں غلط تصدیق ہیں۔
محمد مولوی صاحب مولوی عزیز ظہیر صاحب بدایونی کے جو غالب کے رشید تھے غلط تصدیق ہیں۔

بدایونی کے ذریعہ ہم تک پہنچا جس کے لیے مولوی صاحب موصوف بھی مستحق شکر

ہیں۔
 امید ہے کہ اردو ادب کی یہ خدمت پسندی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی
 اردو دیوان غالب کا یہ دوسرا ایڈیشن فی الواقع ترقی ادب اردو کی اس اسکیم
 کی جو مالی جناب سید اس سعید صاحب بی اے آکسن ناظم تعلیمات سرکار
 نظام خلد اللہ ملکہ کے عرصے تک زیر غور رہی ہے پہلی قسط ہر خدا سے دعا ہے
 کہ ہماری یہ کوشش مقبول نام ہو تاکہ آئندہ ہمیں جہت ہو کہ اس سلسلے میں اردو
 کے دوسرے قدیم اساتذہ کا کام اسی طریقے سے خالص کر سکیں۔ اور ہمارے
 یطوبہ مات نفاست پسند علم و دست تعلیم یافتہ اصحاب کے کتب خانوں کی پشت
 ہو کہ صنفین کے نام کو جنھوں نے اردو کی خدمت میں اپنی عمر صرف کیا
 زندہ اور قائم رکھ سکیں

خاکسار

نظامی عفی عنہ

بدایوں - ۲۴ ارجن سنہ ۱۳۹۱ھ

(اس دیوان کے جملہ حقوق محفوظ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ طبع اول

زمانہ دگر گو نہ آئیں نہ باد
شدائے مُرغ، کو بیخیزِ نثار

یادش بخیر! وہ زمانہ بھی کیا زمانہ ہو گا جب کہ ایشیائی علوم و فنون کے چشمے جزیرہ نما سے ہند کے گھر گھر میں ابل رہے ہوں گے۔ "تیور سے پہلے اور اُس کے بعد جب مسلمان فاتحین نے ہندوستان پر فتاحانہ حملے کیے ہیں۔ اُس وقت کس کو یقین ہو گا، کہ یہ آریہ ورت کا دیس ان بدسیوں کی بدولت اپنی عالی شان و شوکت اپنی کامل عظمت و جلالت، اپنی اتم لیاقت و عظمت کے لحاظ سے مسد خلفائے عباسیہ کا ہم ہند ہو گا۔ یہی وہ مبارک زمانہ تھا جب کہ فاتح قوم کے ساتھ تمام مفتوح اقوام بھی قدم بہ قدم ترقی کے میدانوں کو طوق کرتی

نظر آتی تھیں جس حکمران کو جن علوم و فنون کے کسلا و ماہرین کی تلاش ہوتی تھی نگاہ التفات کے ایک معمولی سے اشخاص پر ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں و ردولت پر حاضر ہو جاتے تھے۔ قطب الدین ایبک مرحوم بہادر شاہ ظفر تک کے درباروں پر نظر ڈالی جائے، کوئی دربار ایسا نظر آئے گا جس کے میز فروشوں میں منتخبین روزگار کے محبتے لازمہ زینت و زیبائش نہ ہوں۔

جس زمانہ کی یہ حالت ہو اُس زمانے کی لمپھپیوں اور مشاغل کا کیا پوچھنا۔ بس تاسماں اُسے فکری کا زمانہ، سلطنت و درواں، خود قابل، ان صورتوں میں مٹھنے ہوں گے غالباً مفید اور علمی ہی ہوں گے یہ مسلم ہو کہ کوئی مشغلہ بغیر تحریر و تقابل ترقی پذیر نہیں ہوتا۔ اور تحریر و تقابل کے لیے سوسائٹی کا ہم خیال و ہم لیاقت ہونا لازمی ہو۔ چنانچہ اُس زمانے میں ہم لیاقتی و ہم خیالی کی کمی تھی۔ جہاں کسی نے ایک خیال کو عملی جامہ پہنا یا چراغ سے چراغ جلنے لگا۔

دیگر علوم و فنون کی طرح شاعری کا ستارہ بھی کچھ کم عروج پر نہ تھا شاعروں کے منہ موتیوں سے بھرے جاتے تھے سخن سنجوں کا کلام نہ دنیا میں تو لا جاتا تھا۔ فرد و پادشاهی میں ملتی تھی۔ اور پھر جاگیر و مناصب معز و ان ترقیوں اور قدردانیوں کے نظارے ایک دو سال نہیں بلکہ چند دچند صدیوں تک دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکا چند پیدا کرتے رہے۔ مگر تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک اُس عروج کے سارے دھج

ملو کے ترقی منکوس کی گردان شروع کر دی اور گویا چرخے کے گرد چوڑے سے بھی
 اُن ہلکا لوں کی مجلسوں اور محبوں کا تہانہ چلا جو بیسیسی و کاوش ہر وقت اور چنگ
 پیش نظر تھے۔ البتہ مجلسوں اور محبوں کی جگہ خال خال کوئی صاحب کمال نظر آتا تھا
 مگر آہ اور صد آہ کہ کج وہ حقیقی قحط الرجال ہو کہ بھڑ نام یاد رہ جائے کے اُن کمالوں
 میں سے کسی ایک فرد کا نشان نہیں۔ فاعتبرا وایا اولی الا بصار۔

پیش آریں بر رفکاں افسوس می خور وند حلق

می خورد افسوس در ایام ما بر ماندگاں

سیر صوبہ صمدی کی آخری منو اس باکمال شاعر ختم ہو گئی جس کی کھلی کُل
 خالیب کساند را بھی مسالہ نہیں یعنی نجم الدولہ میرزا اسد اللہ خاں غالب
 جن کا پُرانا دیوان نئے سامان کے ساتھ مل چند سطروں کے ہمیش نظر ہوگا
 اُن باکمال اور فطرت شناس شعرا میں تھے جن کی سچی تعریف کے لیے فی زمانہ
 ہم جیسے نااہلوں کو اس مشہور شعر کے پڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

معدای خنایے تو نہ تو اند بشرع گفت

خاموشی از خنایے تو حد خنایے تست

مرزا غالب کی شاعری کے مانج کو پہنچنا اور اُن کے پہلی منہم کو سمجھنا
 کوئی آسان بات نہیں جو اردو شعرا میں وہی ایک اور صرف وہی ایک
 ایسے مختص النوع اور مختص الطبیعہ فرد فرید گزشتہ ہیں جن کی ہر بات میں
 جدت ہونگ میں قدرت۔ ہر جمل میں قیت نظر آتی ہو۔ اگرچہ اُن کی شاعری بھی لمبا
 اصول قواعد کوئی نئی شاعری نہیں جو مناسبت سخن کی بدلتی ہیں ورنہ ان میں ہی انبیاں

نظر آتی ہیں جن کی ابتدا و کمی نے اور ترسیم و مصلح تیسرے کی ہو۔ بائیں جہان کا کوئی
 قصیدہ کوئی مثنوی کوئی قلم کوئی غزل کوئی رباعی حتیٰ کہ ایک فروغی ایسی نہ ملے گی جو
 اپنے طرزِ تخیل، رفعتِ مضمون، موزوں، اسالیب، تخصیص، ترکیب اور دل آویز اداس
 تمام ساتھ صاف خلف کے کلام سے جدا نہ خاں نہ کھتی ہو ان کے متنازع کلام
 کی ایک ادنیٰ سی شناخت یہ ہو کہ جب کوئی شعر ان کا پڑھا جاتا ہو تو بغیر اس کے
 کہ نامِ مخلص معلوم ہونے والا اس کا مذاق سخن صحیح ہونے تکلف سمجھ جاتا ہو کہ یہ
 مرزا غالب کا شعر ہو۔ یہی حیثیت میسر نہ بتاتی ہو کہ ان کے زمانے میں بعض بے
 سخن و بوجہ جنسیت، روشِ معاشرہ، لاگ سے ان کے کلام کو ناپسند کرتے تھے
 حتیٰ کہ اس معاندانہ خیال کا اثر اب تک یہ باقی ہو کہ جہاں ایسے لوگوں میں کوئی
 شعر فارسی اور جنسی ترکیب و اضافت کا پڑھا یا سُنا جاتا ہو تو بے تحاشان کہہ دیا
 جاتا ہو کہ یہ مرزا غالب کا رنگ ہو، حالانکہ یہ خیال و اقییت سے کیسوں دور ہو۔

لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھٹھول

سوتکلف اور اس کی سیدھی بات

انہیں خیالات سے مجبور ہو کر جا بجا مرزا مرحوم نے کہا ہو ہے
 مشکل ہو زبیں کلام میرا اے دل + سُن سُن کے اسے سخنبرانِ کمال
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش + گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل
 ظاہر ہو کہ آج نہ مرزا غالب زندہ ہیں نہ ان کے معاصرین اور قندوان
 موجود ہیں نہ وہ قابلیت و فن وانی باقی ہو گراں نہی اور مغربی دنیا کی روشنی
 میں ایک پُرانے اور ایشیائی شاعر کے موتیوں کی چمک غالب

نظراتی ہو

ایں سعادت جزو ربانہ نیست

نامہ بخشہ خدائے بخشندہ

اگر مرزا غالب شہر کی طرح حلقہ متصوفین میں بھی شامل ہوتے
تو آج ان کے قلعے کو محفوظات کرامت میں شامل کیا جاتا جو اپنے مرتے
سے پیشتر فرما گئے ہیں

تازہ دیوانم کہ سر مست سخن خواہ شدن

ایں محو از قحط خریداری کہن خواہ شدن

کو کہم را در عدم اندج قبو لے بودہ است

شہرت شہرم بہ گیتی بسد من خواہ شدن
یہی مقبولیت عام جو مرزائے مرحوم کے انتقال سے چالیس
پینتالیس سال بند پیا ہوئی ہے موجودہ اشاعت کی اصلی محرک ہے
اور اسی تحریک نے نہ صرف ہستم مصلح نظامی کو بلکہ اکثر احباب کو آمادہ کروا
ہو کہ مرزا کے کلام کا صحیح اور دلکش ایڈیشن شائع کیا جائے۔

اب سے پہلے چند در چند ایڈیشن دیوان غالب کے چھپ چکے ہیں
جن میں تین نسخے ایسے ہیں جو مرزائے مرحوم کی زندگی میں شائع
ہوئے اور ایک آدھ کی تصحیح بھی مرزا سے منسوب کی گئی جو ان کے سوا
چار پانچ نسخے متفرق جہوں سے نکلے ہیں۔ نیز وہ تین شراں نے بذیل
شرح دیوان کا بڑا حقہ چھاپ دیا ہے۔ مگر ان سب مطبوعہ نسخوں میں

کوئی نسخہ ایسا نہیں دیکھا گیا جو کم از کم دس پانچ فاضل غلطیوں کا حامل نہ ہو۔ ایسی صورت میں کہ خود مرزا کی زندگی میں دیوان مشائخ ہوا اور واقعین فنِ شرح کے ساتھ ان کا کلام چھاپیں پھر بھی ایک نہیں بیسیوں غلطیوں کا رہ جانا تعجب کی بات ہے۔

ہم نے اس دیوان میں جن باتوں کا التزام کیا ہو ان کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے عمدہ کاغذ۔ دلفریب خط۔ موزوں تظلیع صامت ستھری چھپائی کا خوبصورت سے انتظام کیا ہو۔ اور پھر آج کل کی سلاحت کتابت سے تمام ان نشانوں کو یا احتیاطاً تمام جا بجا منضم کیا ہو۔ جن کی بدولت معمولی اردو دواں بھی باسانی شعر کو پڑھ سکیں۔ پھر حتی الوسع صحت اشعار کا بھی خیال رکھا ہو اور مختلف دواوین اور شرحوں اور کلام مرزا کے حافظوں سے تصحیح و تصدیق و متابلہ کیا ہو۔ ان اہتماموں کے بعد بھی اگر کوئی فروگزاشت رہ گئی ہو تو اس کو بجز اقتضا سے بشریت اور کیا کیا جاسکتا ہے کہ سچ کھنسی بشر خالی از خطا نہ ہو۔

اس دیوان کی تحریک اشاعت اور ترتیب دہ دین کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ہمیں دو معزز مہربانوں کا شکریہ گزار کرنا ہے۔ نمبر اول مخدوم سید راس مسعود صاحب بی اے بیرسٹریٹا (زمیرہ سرسید مرحوم) جن کی متواتر تحریک اور اصرار خاص نے ہمیں آمادہ کیا کہ دیوان غالب جو وہ حیثیت سے ملک میں شائع کریں اس کے بعد اپنے مکرم دوست سید مسین الدین صاحب شاہجہانپوری شرح اور نگ زیب و نیولین غلام

کے دل سے سنوں ہیں کہ انھوں نے اشارات اعلیٰ اور تصحیح و تدوین کے ہم
 کام کو نظامی پریس کی خاطر انجام دیا پہلے انھوں نے مختلف چھاپے کے
 دیوانوں کو پیش نظر رکھ کر نمونے کا ایک نسخہ اپنے قلم سے لکھا پھر اس کو
 کاما، ٹوئش، علامت استفہام اور دیگر علامات سے مرتب و مزین کیا یہی
 قلمی نسخے کی نقل ہو جو آج آپ کے مبارک ہاتھوں تک پہنچنے کا فخر
 حاصل کر رہی ہے۔

برجست قریں بادایں دست و نخب

کہ از بہر ما کردایں دست رنج

اس دیوان میں ناظرین کرام کو کچھ کلام ایسا بھی ملے گا جو اب تک
 کے مطبعہ دوا دین میں نہیں ہو۔ اگرچہ اس کلام کے سوا ہم کو اور کلام بھی
 مرزا سے منسوب ملا مگر سب تنقید و تحقیق جو کلام ان کا متعلق ہوا وہی اس میں
 شامل کیا گیا۔ کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مرزا غالب ہی کا کلام کلام ہے
 امتیازی فوقیت رکھتا ہے جو دوسروں کے کلام سے تمیز ہو سکتا ہے اور
 اسی معیار نے ہم کو کھوئی محسالات سے کھرے سکوں کے الگ کرنے کا
 موقع دیا ورنہ

ہزار مکتہ باریک تر ز مو اینیاست

نہ ہر کہ سب تبر اشد قلندری دانند

کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اس کے مختصر حالات سے
 واقف ہونا نہایت ضروری ہے اس لیے چند احباب کا اصرار

تھا کہ مرزا کی سوانح عمری بھی دہران سے قبل دی جائے لیکن چونکہ اس
مضمین پر مولانا حالی مرحوم کی ایک مبسوط تصنیف یادگار غالب
شائع ہو کر ملک کے تمام علم و دست احباب کے ہاتھوں تک پہنچ چکی جو لہذا
اسی کتاب سے مرزا کی لائق کے صرف مندرجہ ذیل اہل ذہنوں پر قناعت
کی جاتی ہے۔

تمام مرزا اسد اللہ خاں المعروف بہ مرزا نوشہ
خطاب نجم الدولہ و ہیر الملک نظام جنگ
مخلص غالب رنجیت میں تہذیب و تمدن لکھتے تھے
خاندان ایکٹ ترک سلسلہ نسب تو راہن فریدوں سے ملتا ہے۔
ولادت ۸ رجب سن ۱۲۵۲ھ بمقام آگرہ۔

تعلیم اقل اقل شیخ معظم ہندی سے تعلیم پائی اُس کے بعد عبدالصمد
نوسلم ایرانی سے جن کا آتش پستی کے زمانے میں ہرمز نام
تھا فارسی زبان حاصل کی۔

تاہل مرزا کی شادی سن ۱۲۷۵ھ میں نواب نضر الدولہ کے چھوٹے بھائی
مرزا الہی بخش خاں کے یہاں ہوئی تھی۔

مسکن زائہ ملولیت آگرے میں گزرا ۱۵ برس کے قریب دہلی میں رہے
لیکن کبھی کوئی ذاتی مکان نہیں خرید کیا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکان
میں رہتے تھے۔

اولاد کوئی اولاد صلیبی نہیں چھڑی امتداد میں سات بچے ہوئے

مگر کوئی زندہ نہیں رہا۔

شاعری مرزا کو فن سخن میں اپنے کمال پر بہت کچھ ناز تھا جو بالکل بکا تھا
سلامتی طبع حقائقہ نظر ان کا حصہ تھا اور باایں ہمد و جنت پسند
بھی تھے۔ شاعری میں ان کو باقاعدہ کسی سے ملندہ حاصل
نہ تھا لیکن وقت پسندی کو چھوڑ کر جب سے وہ ملاست
کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنا پڑتا ہے کہ صفائی زبان
میں انہوں نے میر تقی مرحوم کی تقلید کی جن کے وہ
بڑے متقدّمے چنانچہ فرماتے ہیں ۵

غالب اپنا عقیدہ ہی قبول ناسخ

خود وہ بے بہرہ ہی جو متقدّم میر نہیں

رہنمائی کے نہیں استاد نہیں ہونا کب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

تصانیف دیوان اُردو کہلاتا ہے کہ اُس کو مولانا فضل علی صاحب خیر آبادی
کی رائے سے مرزا نے اپنے بڑے دیوان سے منتخب کیا
تھا اس زمانے میں اکثر غزلیں جو اس دیوان میں نہیں
پائی جاتیں غالب کے غنیہ مطبوعہ کلام کے نام سے شائع
ہو رہی ہیں ہمارا۔ جہاں تک خیال ہے وہی
کلام ہے جس کو مرزا نے انتخاب میں نہیں کیا تھا
موجود ہند میں۔ اردو کے سعلے۔ کلیات نشر و نظم نامی

قاطع بران پرچ آہنگ۔ مہر نیم روز (خاندان تیموریہ کی پہلی
نارنج ہمایوں کے حالات تک) دستبرد سے (حالات خدمت)
گل رعنا (انتخاب دیوان اردو فارسی) لطائف غیبی و
سپین وغیرہ متفرق رسائلے۔

شعر فہمی و علمی مسائل کیسا اسی کل مضمون ہودہ ایک سرسری نظر میں تہ کو پہونچ جاتے
تھے حقائق اور معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ میں
رہتی تھیں۔

بدیدہ گوئی مرزا کی تقریر میں ان کی تحریر یا و ران کی نظم و شعر سے کچھ کم
اور لطف نہ تھا بقول مولانا حالی مزاج میں اس قدر ظرافت
ظرافت تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوان ناطق کے حیوان نظریت کہا
جائے تو بجائے جس بیان حاضر جوابی۔ بات میں بات
پیدا کرنا ان کی خصوصیات میں سے تھا۔

احسان نہایت وسیع الاخلاق کثیر الاحباب تھے جو شخص ان سے ملنے
فرمان خوشی جاتا کیسا ہی مضموم ہوتا خوش ہو کر اتنا فرخ حوصلہ ایسے
اور کہ کوئی سائل ان کے در سے خالی نہ پھرتا غریبوں پر ہاتھیں
موت کی حتی الامکان دھڑکتے۔

خود داری بغیر بالکی یا ہوادار کے کبھی باہر نکلے عائدہ شہر میں سے چلوگ
ان کی ملاقات کو نہ آتے وہ بھی ان کے مکان پر نہ جلتے
مرزا کی خود داری کی ایک مشہور مثال ہو کہ بب دہلی کا راج

بد و فیسری کے لئے بلائے گئے تو صرف اس بات پر بغیر ملے وہیں چلے آئے کہ مشربا من جنہوں نے بلایا تھا ان کے استقبال کو نہیں گئے۔

معاشر

مرزا کو سات سو روپے سالانہ کی پنشن ملتی تھی خدر کے بعد تین سال تک پنشن عارضی طور پر بند رہی تھی۔ اس زمانے میں مرزا کی نایب حسرت سے بہرہ ہوئی۔ خدر کے دو سال بعد دوبارہ رام پور سے سو روپے ماہوار ملنے لگے تھے جو وقت قات تک جاری رہے لیکن یہ تنخواہ بھی ان کے خرچ کو کافی نہ ہوتی تھی کبھی فراغت نصیب نہ ہوئی ایک موقع پر فرمایا ہٹی میں کٹرے کھاتا ہوں۔

مذہب

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے توحید و جوی کے قائل تھے جس کا پاپا ان کی شیعہ سی سے ملتا ہی ان کو اہل بیت سے نہایت محبت تھی اور غالباً وہ فیلی تھے مولانا محمد قدس الغفری کے خاندان میں مرید بھی تھے اسی وجہ سے ان کی تجنیز و مٹن اہل سنت کے طریقہ پر عمل میں آئی۔

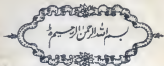
وفات اور دفن مرزا نے ۳۷ برس چار مہینے کی عمر میں ۱۵ فروری ۱۸۷۱ء کو دلی میں انتقال کیا اور دہلاہ حضرت نظام الدین ولیا محبوب الہی امین دکن ہو

خاکسار

نظام الدین

جایوں (موسل کھنڈ)

۱۵ جنوری ۱۹۱۵ء

[illegible]

کاغذی ایہ ہیں۔ ہر یک تصویر کا !
صبح کو ناشام کا۔ لانا اور سہ شیعہ کا
سینہ شیعہ ہے۔ باہر ہی دم شیعہ کا

نفس فریادی ہر کس کی شوخی تحریر کا
کا دکا و سخت جانی ہاے تنہائی - نہ پوچھ
چند بے اختیار شوق دیکھا چاہیے

[illegible]

۱۰۔ شمشیر تلوار کی اڑدہ سبب یہ کہ میرے شوق شادمانی میں کھینچش و کھٹکس کی وجہ سے سینہ شمشیر سے اڑدہ شمشیر پر کھنکھاتا رہا۔ اگر اڑدہ تلوار کے لیے تیاب ہو۔ عروا نام پیچھے رہتا ہو۔ اگر عروا نے تیاب سے تلوار کا دم لیں یہ کھنکھاتا ہو۔ اور نظار سے تلوار کی اڑدہ باہر کی طرف جوتی ہو ۱۲-۱۱

آگئی۔ دام شنیدن جن قد پائے بچھے

دعا عفا ہے۔ اپنے عالمِ قلم سے

بش کہ ہوں۔ غالب۔ اسیری میں بجی آتش زہرا
موسے آتش دیدہ ہے۔ حلقہ مری بحسب رکا

چتر قیس۔ اور کوئی نہ آیا برو سے کار۔
آشفگی نے نقش سوید کیا درست
تھا خواب میں۔ خیال کو تجھ سے معاملہ
لیتا ہوں کتب غم دل میں سبق ہنوز
دھنا نپا کفن نے۔ داغ عیوب بر ریشی

صحر۔ گر۔ بتنگی چشم مسود تھا
ظاہر ہوا۔ کہ داغ کا سر پایہ دود تھا
جب آنکھ کھل گئی۔ ندریاں تھا زہر تھا
لیکن ہی کہ رفت گیا۔ اور۔ بود تھا
میں۔ ورنہ۔ ہر لباس میں غلب وجود تھا

یعنی جماعت کا شوق گہنی کو مستش کرے کہ میری تقریر کے مطلب سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔
عہ آتش زہرا پر بے قرار۔ موسے آتش دیدہ۔ وہ بال جو بودہ گری آتش حلقہ دار اور کہ زور ہو گیا ہو اور
ش کی تشبیہ حلقہ زنجیر سے ظاہر ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ جو میری بے قراری کے جو عالم اسیری میں ہے
حلقہ زنجیر مثل موسے آتش دیدہ کے کہ زور ہو گیا ہو۔

لئے برہ نے کار کا زور و میدان غنا۔ گر و شاد۔ بتنگی چشم مسود مثل چشم حاسد کے ننگ۔
یہ سوید لکھ گیا۔ لفظ سوید کی تفسیر داغ کی پوچی و خواں جو جس طرح و حوش سے داغ پیدا ہوتا ہے
اسی طرح پریشانی خاطر سے نقش سوید درست ہوتا ہے یعنی دل پر لکھ گیا۔ لفظ پیدا ہوتا ہے شاعر نے سوید کو
داغ سے اور آشفگی کو دود سے نسبت دی ہے۔

عہ داغ عیوب بر ریشی سے شاعر کا مطلب انسانی صفات سے سزا ہوا ہے۔ ننگ وجود۔ ننگ ہستی۔

تیشے بغیر مر نہ سکا۔ کوہ کن اسد
سرگشتہ خمار و رسوم و ستیہ و تھا

دل کہاں کہ گم کجھے۔ ہم نے دعا پایا
درو کی دوا پائی۔ درو بے دوا پایا
آہ بے اثر دیکھی۔ نالہ نارسا پایا
حسن کو تغافل میں۔ جزا آزما پایا
خول کیا ہوا دیکھا۔ گم کیا ہوا پایا
ہم نے بار بار ڈھونڈا۔ تم نے بار بار پایا

کہتے ہو نہ دیں گے ہم۔ دل اگر پڑا پایا
عشق سے طبیعت نے۔ ریت کا مڑا پایا
دوست دار دشمن ہی۔ اعتماد دل سلیم
سادگی و برکاری۔ بے خودی و بیشیاری
عینچہ پھر لگا کھینے۔ آج ہم نے اپنا دل
حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی

شور پندتا صحنے۔ زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے۔ کوئی پوچھے۔ تم نے کیا مڑا پایا

۱۱۔ یہ کہنا کہ اگر دل پڑا یا تو نہ دیں گے، بہت کراؤ کہ دل پایا ہو صرف پھڑکنے کے لئے خلائق جاتا ہو ہیں
ہم نے دعا لیا۔ (یعنی کچھ گئے) کہ دل آپ کے پاس ہو۔ ۱۲
۱۳۔ عشق ایک ایسا درد ہے جس کی وہ نہیں۔ اور پھر وہی زندگی کا مزہ ہو۔ گو دانا بھر عشق زندگی بہت
درد ناک ہی۔ ۱۴

۱۵۔ سادگی و بھولہ پن۔ پرکاری۔ چال کی۔ شاعر کہتا ہے کہ حسینوں کا تغافل بھی عشاق کی جزا ہے۔ آؤ بٹے
۱۶۔ یعنی ان کا دل دیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔ گو یا ان کا نا بھری بھولہ پن فی الواقع چال کی ہے۔ اور
ان کی بے خودی یا بے خبری، اصلاً ہوسشیا ہی ہے۔ ۱۷
۱۸۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہوش جوں کا توں چل گیا ہے۔ آؤ بٹل چاہی ہے۔ ۱۹۔ آچے اشارہ واضح کی طرف ہے۔ چلے

دل مرا سو زہناں سے۔ بے محابا جل گیا
دل میں ذوقِ دہل و یادِ پاکش کی نہیں
میں حیرم سے بھی پہے ہوں۔ و غافلانِ با
عرض کیجئے۔ جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
دل نہیں۔ تجھ کو دکھاتا۔ دہنہ۔ دماغ کی

آتش خاموش کے مانند گویا۔ جل گیا
اگس گھر میں لگی ایسی۔ کہ جوتا جل گیا
سیری آقا نصیب سے بالِ عفتا جل گیا
کچھ خیال آیا تھا۔ وحشت کا۔ کہ صحرائے جل گیا
آتش چراغاں کا۔ کروں کیا۔ کا ذرا جل گیا

میں ہیں اور افسردگی کی۔ آندو۔ غالب کہل
دیکھ کر تیرا پاکِ دل دُنیسا جل گیا

شوق۔ ہرزنگ۔ قیہ سردساں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

طغیانیہ شمع استعمال ہو ۱۱

علاءِ ہاں عفتا۔ بازوئے عفتا شاعر نے اپنی فکرِ بالائے کے ساتھ بیان کیا ہو وہ اپنی ہستی کو عدم سے بھی
پر سے نکلا ہو کہ ہاں عفتا جلنے کے معنی ہو سکتے ہیں کہ میں جگہ وہ ہو وہاں عفتا کہ ہاں کشائی کا
یاد نہیں ہو ۱۲۔

عفتا عرض کرنا۔ پیش کرنا۔ ہر اندیشہ۔ دہنہ۔ ہوا یا فکر کرنا۔ شاعر کو کہ فکر کا ہر وہ عفتا جس سے وہ عفتا
کس کے سامنے پیش کرے۔ اس میں اس قدر حرارت ہو کہ وحشت کا کچھ ہوں ہی سانپاں آنے سے صحرائے
جل کر خاک ہو گیا۔ انظارِ وحشت کی صورت میں خدا معلوم کیا ہوتا عرض کو جو ہر سے تناسب الفاظ
بالصورت ہو ۱۳

نکلا کا۔ فرما کر کام کرنے والا یا لینے والا۔ ۱۲

نکلا طرزِ تہاک سے مراد نظرِ ہری تہاک اور منافخا نہ ہوتا ہو ۱۳۔

عفتا شوقِ درشت۔ ہرزنگ۔ ہر طرح۔ ہر حال۔ قیہ۔ دشمن۔ رنگ کا لفظ تصویر کی مناسبت سے

زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی۔ یاب
ہوئے محل نالہ دل۔ دود چل غ محل
دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذت نہ د
تھی تو آموز فنا۔ ہمت و شوا پسند

تیر بھی سینہ بسل سے پرافشاں نکلا
جو تری نرم سے نکلا۔ سو پیشاں نکلا
کام یار دل کا۔ بہ قدر لب و دناں نکلا
سخت مشکل ہو کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شواٹھا یا غالب
آد جو قطرہ نہ نکلا تھا۔ سوطو خاں نکلا۔

دھمکی میں مر گیا۔ جو شراب نبرد تھا
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا

عشق نبرد پیشہ طلبکار۔ مرد تھا
اڑنے سے پیشتر بھی مرانگ زرد تھا

استعمال ہو اسی اس شعر کا مطلب صاف ہے کہ صفت زدہ کا لفظ فریب دہ ہو۔ اور اصل نفس سنی پاس لفظ کا کوئی
تو نہیں ہے وہ تصویر سے مراد تصویر ہو اور اضافہ کیا ہی ہو یہ وہ کی راہیت عراقی کے ساتھ ظاہر ہو۔ شاعر کے نزدیک
نفس کی قصہ چرواں بھی کھینچتی جاتی ہو۔

لہ داد دی بہ تمہیں تنگی پرافشاں اور پھر کتاہ یعنی مسرتیہ اور پرافشاں۔

لہ نالہ دیکھنا دیکھنے والا تھا یعنی دسترخوان۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے ہم سواں میں سے شخص بہ قدر سستاد خود
کا مراب ہوا۔

لہ بعض شعر و وجہ نفس میں اسے تو آموز فنا ہی بعض میں تو آموز فنا کہ ایک ہوائے نفوس میں جو فنا کی زندگی میں
نہیں ہوا تو بھی تو آموز فنا ہو چاہے اسے اس کے مقابل میں قرب یا غنیمت ہو یعنی میری ہمت اسے شوا پسند تھی کہ اس فنا
میں کے لیے ایک مولیٰ تو آموزی کا سا کام تھا اس لیے سخت مشکل ہو کہ یہ شوا کام بھی آساں ہو۔

لہ اب نبرد لائق نبرد و جنگ کے قابل۔ عشق نبرد پیشہ طلبکار مرد تھا یعنی عشق جس مرد جنگ جو کو مقابلہ کے لیے
ہوتا تھا۔

تالیف نسخہ ہے وفاق رہا تھا میں
دل تاجگر کے ساحل دیگا خوں جواب
جاتی ہو کوئی کشمکش لذوہ عشق کی
احباب چارہ سازی وشت نہ کر سکے

بھوٹ خیال ابھی منہ منہ رہا تھا
اس رہ گزریں جلوہ گل آگئے گرد تھا
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا۔ مد تھا
زندہاں میں بھی خیال بہایاں نبرد تھا

یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہو
حقِ مغفرت کرے عجب آذاد مرد تھا

تجارتِ سحر - مرغوبِ بُت مشکل پند آیا
یہ فیض بے دلی نو میدی جاوید آسان
ہوئے سیر گل - آئینہ بے مہرِ قائل

تاشائے بیک کفرِ دل پند آیا
کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل - پند آیا
کہ اندازِ بھول غلیظِ دل سبل - پند آیا

۱۱۔ میں اس وقت سے دغا کا مادی تھا جب کہ میری عقل اور ناتجربہ کاری کا حال تھا۔ ۱۲۔
۱۳۔ شاعر ہمدردِ جمیع کے دلوں کا شمار کرنا مرغوب آپڑی مرغوب ہوا۔ صد دل ہو کہ کفنِ بردن ایک تھے
میں سو سو دل لے لینا۔ پند آپڑی پند ہوا مطلب یہ ہو کہ مشوق کو تسخیر کا شمار کرنا جس میں عوام سوائے
ہوتے ہیں اس وجہ سے پسند آیا ہو کہ اس میں اس کی خواہش کے مطابق ایک ہی دار میں سو سو
دل چتیا لینے کی مشابہت موجود ہو۔ ۱۴۔

۱۵۔ دغا کی طرف سے بے دلی کے سبب ہمیشہ کی دلوں کا برداشت کرنا ہمارے لیے آسان ہو رہا ہے
مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ ہمارا عقدہ مشکل کشائش کو پسند آگیا ہو یعنی اب ہماری مشکل کہیں آسان
نہو گی۔ کیونکہ وہ کشائش کو ہم عقدہ پسند آگیا ہم اس کا حل جو نامعلوم ۱۶۔

۱۷۔ ہوائے سیر گل در سیر گل کی خواہش آئینہ بے مہرِ قائل: قائل کی خواہش کی کاہت۔ پہلے مصرعے میں
فعل "ہو" محذوف ہے اور اندازِ بھول غلیظِ دل سبل کا خون میں لوٹنے کا انداز مطلب یہ ہو کہ قائل کا

جراحت تھکے۔ لباس اماناں۔ داغ جگر دے
مبارک ادا سدا غم خواہان درد مند آیا

ایسے وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
یہ زمرہ بھی۔ حریف دم نفسی نہ ہوا
وہ ستر مرے مرنے پہ بھی۔ حسی نہ ہوا
مگر نفس جاوہر سسرزل تقویٰ نہ ہوا
کوش برکت کش گلہاں تکستی نہ ہوا
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو بھی نہ ہوا

دہریہ نقش وفا۔ وچرتی نہ ہوا
سبزہ خط سے تولا کل کشش نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ نہ وہ جفا چھوٹیں
دل گرگاہ خیال کو ساغر ہی ہی
ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی خلی کہی
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے

سیرک کہنے کے لئے ہانا۔ اس کی جہان کی دلیل ہو نہ کہ بہت کس کی۔ تماشائے گل اُسے مہر اس
اچھ سے ہند ہو کس کو خون میں لٹنے والے بس سے مشابہت ہو۔ ۱۱
لہ جراحت۔ بالکسر زخم لباس بالفتح ہیرہ و جہرہ و زلوار کی ایک قسم غم خواہان درد مند عشق سے
۱۲ ۱۱

عہ زمرہ۔ سبزنگ کا ایک قسمی پتھر۔ صاف۔ سبزہ خط کو زمرہ کے تشبیہ دی ہو دیکھ کر اس کی صافی سے
اپنے عشق سے شاعر کو کہ زمرہ کے مکس سے صاف تھانہ ہو جاتا ہو۔ لیکن تیرا سبزہ خط کیسا نفوذ
کہ زلف کے صاف پائس کو کچھ اثر نہیں ہوا۔ سبزہ خط مکمل کرنے کے باوجود زلف کا نہ ہر لگا اثر یعنی دل فروزی
پرستو رہا ہی ہو۔ ۱۲

عہ صدف ثانی کے معنی کہنے سے شعر کا مطلب صاف ہو جاتا ہو۔ شاعر کہتا ہو کہ اگر سانس پر ہیرہ گاری کی مثل
پوسھنے کی راہ نہیں ہیں سکتی تو دل شراب اور جام کے خیال کی گزرگاہ بن سکتا ہو۔ یعنی اگر سستی چٹنا سکتی
تو نہ ہی ہو۔ ۱۲

تکہ گلہاں و آواز ۱۲

مرگیا صدہ یک جنش لب سے غالب
نا توانی سے حریت دم جیسی نہ ہوا

تاش گریزا ہاں قد جس باغ خیلوں کا
پیاں کیا کیجیے پیدا کاوش ہے مرگاں کا
نہ آئی سطوت قاتل بھی باغ میں لالوں کے
دکھاؤں کا تاشہ دی اگر فرصت نے
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
مری تصویر میں مضمحل ہے صورت خرابی کی
آگا ہو کھر میں ہر سو سبزہ ورائی تماشا کر

وہ اک گل ستہ ہر ہم خیلوں کے طاق میں کا
کہ ہر گل قطرہ خوں دانہ کی تسبیح حیاں کا
لیا دانستوں میں جو نکلا ہوا شیشہ نیستاں کا
مراہر داغ دل لگ تخم جو سر و چراغاں کا
کرسے جو پر تو خوشیہ عالم شب نیستاں کا
بیہولی برقی خرمن کا ہو خوں گرم مقل کا
مرا داب کھو دے پگھاس کے ہی پیر داں کا

۱۔ مرثیہ در مقابل حریت دم جیسی نہ ہوا یعنی وہ جیسی نہ کر دشت نہ کر سکا ۱۲

۲۔ قطرہ خوں کو چھان بینی مرگاں کے دانے سے جو تسبیح میں لپٹا ہوا تو تسبیح دی ہو ۱۳

۳۔ سطوت در حجب نیستاں در فیہا ہونے کی جگہ۔ فوہ چیز سے جس سے دانے کے مانند آواز پیدا ہوتی ہو
۴۔ شکر کا مطلب ہے جو کہ میں نے دھب مشوق سے مرعوب ہو کر بطور عجز و انت میں تنکا لیا تھا۔ لیکن اُس کا
دھب میرے بالوں کو نہ دکھ سکا اور وہ تاجا جا اظہار عجز کے لیے دانہ میں لیا تھا ریشہ نیستاں بن گیا۔
یعنی لاکھشی کی جڑ بن گیا ۱۴

۵۔ بیہولی دیا توہ خوں گرم در سرگرمی برقی خرمن۔ سس شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ درجہ در حقیقت کافی ہو کہ
کافی عنصروں سے بنایا گیا ہو اس سے بھی زیادہ صاف مطلب ہے ہو سکتا ہو کہ میرا جو دوسری قافیہ دیکھو
جس طرح اہتمام کی سرگرمی خود ش کی خرمن دکھایاں اس کے لیے بکلی کا کام کرتی ہو۔ غرض ہو کہ نہ اہتمام
یعنی سرگرمی کو شش سے خرمن اکٹھا کرنا نہ بکلی اُس کو براہ کرتی ۱۵

خوشی میں مناجات گشت لاکھوں آتش میں
ہنوز ایک پر نقش خیال دار۔ باقی ہو
نفل میں غریبی آج کپ موٹو ہر کہیں۔ وہ
نہیں معلوم کس کس کا تلو پانی بھا ہو گا

چرخ مرہ ہوں۔ میں بچ نساں گونیاں کا
دل افروزہ۔ گویا مجھ کی دوست کے نساں کا
سبب کیا ہے خواب میں اگر قسم ہے نساں کا
قیامت کی۔ سر شک آلودہ ڈاکٹر کی گان کا

نقطہ ہر تارسی۔ جادو را و فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہو۔ عالم کے اجڑے پریشان کا

ہو گا یک جہاں مانگی سے۔ ذوق کم پیرا
جست تھی جہن سے۔ یک پس یکے دماغی کر

حباب موٹو رقابہ۔ نقش قدم میرا
کس طرح بے گل سے ناک میں آہو دم میرا

لے اس شعر میں خیال دار کو یوسف اور دل افروزہ کو حجرہ نساں سے تشبیہ دی ہے۔
لے لود پانی ہوا۔ پرستی۔ دنا۔ مرکا بن سر شک آلودہ آتشوں میں ڈوبی ہوئی پکیں۔
لے جادو را و فنا کو نساں کے اجڑے پریشان کا شیرازہ اس کے گڑبگڑ کا تمام اوراق عالم خاک کے یک ہی
ہشت میں بچے ہوئے ہیں۔

لے یک جہاں مانگی۔ کثرت مانگی۔ ذوق را و فنا۔ ذوق را و فنا۔ مطلب یہ کہ میں حج میں کا ذوق را و فنا
کس کم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر ذوق را و فنا۔ ذوق را و فنا۔ ذوق را و فنا۔ چاہے جس گستاہی کیوں نہ تھک جاؤں۔
فضا حرکت ہو کر چلے چلے میں سے عشق تھا اصحاب ہر حال ہو کر بے گل سے ناک میں دم آتا ہو جی جی جی جی جی۔
اور سے سر ع کے عقلی معنی میں کو بے گل سے ناک میں دم آتا ہو جی جی جی جی جی۔
جو کو بے گل سے ناک میں دم آتا ہو جی جی جی جی جی۔

سراپہ من عشق و نگزیر لغت ہستی
بقدر ظرف ہستی خفا تشنه کای بھی

عبادت برق کی کتابیں - اندر جھل کا
جو تو دیکھا وہی تو میں غیا زہ ہوں مل کا

محرم نہیں ہو تو ہی - نوا ہائے راز کا
رنگ شکستہ صبح بہا رنظ اہ جو
تو - اور سوئے غیر نظر باے تیز تیز
صرف جو ضبط آہ میں میرا - دگر نہ میں
پیش بسک جوش باد سے شیشے اچھل رہے

یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہی - ساز کا
یہ وقت ہی - شگفتن گل باے ناز کا
میں - اور دیکھ تری شریاے دوا ساز کا
طعمہ ہوں - ایک ہی نفس جاں گدا ساز کا
ہر گوشہ بساط ہو - سر شیشہ باز کا

ملہ سراپہ من عشق - یعنی جہت جلائے عشق - ناگزیر لغت ہستی - یعنی جہت حیات کے لیے مجبور ہوں -
عبادت برق یعنی ملی عشق - اندر جھل کا یعنی زندگی کے خلاف ہونے کا بیخ - خلاصہ یہ کہ میں جہت
نہدہ عشق ہوں اور جہت زندگی نے بھی مجھ کو رکھا ہو - مگر جو تکلیف عشق برق کو میں نے اپنا سمجھ د
نا گیا ہو - ہر گز وہ جلتی ہو اس لیے اپنی ہستی پر اندوس ہو کہ کو موت کا طالب ہوں - ۱۲
یہ نیا زہ - انگڑائی نما ز آہستہ کام کا نتیجہ ۱۳

عہ محرم - محرم یعنی پردہ نشینوں میں آجاتا ہو - مجازاً وہ شخص جو بھیدوں سے واقف ہو مثلاً محرم راز - مجازاً
یعنی پردہ جھل کو پردہ ساز کے ساتھ لفظی شامیت حاصل ہو - شعر کا مطلب یہ ہو کہ تو بھید کی باتوں سے خود
واقف ہو یا کہ تیرے پاس گوش مشنہ نہیں - ورنہ دنیا میں جو بظاہر چھپے پردہ نظر آتا ہو وہ بھی پردہ ساز کی
طرح اسرار آفسی ظاہر ہوگا - اسی معنی جو پزیر ظاہر لٹ کشت داز معلوم ہوتی ہیں وہ وہ حقیقت کا شفت داز ہیں
تھو اس شعر میں شاعر نے اپنے رنگ شکستہ میں آہستہ ہوئے رنگ کو بیا ز نفاہ کی صبح سے تشبیہ دی ہو اور
چ کہ صبح کے وقت پھول کھلتے ہیں - اس لیے وہ اپنے مستوق سے کہتا ہو کہ صبح کے وقت میرے منہ پر
ہوئیاں آہستہ ہوئے - لکھ کر تو بھی اپنے ناز کے پھول کو کھلتے دے یعنی سرگرم ناز ہو ۱۴

عہ شریاے دوا زدن دل میں گھر کرنے والی شریا ۱۵ صرف دلاؤ دہ - محضہ دیا انھم غرض وہ فقرہ کو شیشہ باز

تاخن پہ قرض اُس گرو نیم باز کا

کاوش کا دل کہے ہو تھا ضا کہ ہر نو

تاریخ کاوش غم بھراں ہوا۔ اس
سینہ کہ تھا۔ دھینے گہرائے راز کا

رکھ یارب! یہ درگنجینہ گو ہر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بت کہ ہو کا دھلا
آستیں میں مشینہ نہاں۔ ہاتھ میں نشتر کھلا
پر یہ کیا کم ہو کہ مجھ سے وہ پری پکار کھلا
خلہ کا ایک دہری میری گور کے اندر کھلا
زلف کے برہم کر نقاب۔ اُس شوخ کے منہ پر کھلا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
شب ہوئی پھر۔ انجم دشت کا۔ منظر کھلا
کچھ بول دیوانہ۔ پر کیوں منہ کھاؤں تجر
گوئے بھول اُس کی باتیں گوئی پادشہ کا بھید
ہو خیال من میں۔ حسن علی کا سا خیال
منہ نہ کھلنے پر ہو۔ وہ عالم کہ دکھا ہی نہیں
وہ پے پہنے کو کہا۔ اور کہہ کے کیسا پھر کیا

میں کے رہیں کہ کوڑں پر شرب چنی ہوئی ہیں دوش کا گوشہ۔ شیشہ باز مٹا دی گروں کا ایک فرقہ ہو
جو سر پر شیشہ رکھ کر اچھے ہیں ۱۲

لے کر نمودار مراد دل سے جو یعنی جہول بہ وہ جنگلی گرہ ہو کے رہ گیا ہو ۱۳
تھوڑے اسد پر سے بیٹھے کو جس میں بہت سے راز پوشیدہ تھے ظہم بھراں نے تاریخ کرایا۔ یعنی نیم مشرق کی
جہول کے غم نے مجھے دھوا کیا۔ ۱۴

تھوڑے مشنہ بافتح چنی خیر ایک شایع نے نہ بھائے دشت کے دھکے کہ اس کی شمع کھلی ہو دیکھ کر ایسا دہندہ ہو ۱۵
تھوڑے پری پکار کھلا۔ دشت کی جگہ تکلف ہو ۱۶

تھوڑے منہ پر کھلا۔ نقاب منہ پر بھلا معلوم ہو ۱۷

کیوں نہ میری ہوشِ غم ہو گلِ گل
کیا نہ غمِ تیرے غمِ حیات کا چال

آج اُدھر ہی کو رہے گا دیرِ آفت
نامہ لقا ہو وطن سے نامہ برکشتہ گھلا

اس کی کشتِ یمن میں جیکے ہیں کھیل کا مہند
دستِ جس شہ کے غالب گنبد ہے درگھلا

ق

شب - کہ برقِ سوزِ دل سے - زہرہ ابر - آب تھا۔
شعلہٴ جوالہ - ہر اکب - حلقہٴ گرداب تھا
دائیں - کرم کو - عذریہ بارش - تھا غلِ غیرِ مدام
گریے سے - یاں - پنہاں بارش - کفِ سیلاب تھا
دائیں - خود آرائی کو - تھا موتی پرونے کا خیال
یاں - ہجومِ اشک میں - تارِ نگہ - نایاب تھا

۱۔ چلے مصر کا جزو کُل سوال اور اس شعر کے دوسرے مصرعے میں اس کا جواب دیا گیا ہو یعنی متعلق کا
مصرع آسمان کی طرف پھر رہا ہے گا۔
۲۔ غمِ غریب اور آفت - گھلا خط وہ روانہ ہوا ہے جس میں خبر مرگ لکھی جاتی ہو۔
۳۔ گنبد ہے اور آسمان - گنبد ہے جس کے کھلنے سے واقف جب معراج کی طرف اشارہ ہو۔
۴۔ زہرہ و شعلہ آہل - یہ معنی تھا دلیری و شجاعت جوالہ کو دے والا - گردش کرنے والا مطلب یہ کہ رات کو دل خوش
ہو کر برقی تھی اس سے پہلے چاہی ہو گیا تھا اس کے اثر سے جو جھوٹائی میں تھا شعلہٴ جوالہ کی طرح جکر گھلا رہا تھا۔
۵۔ شعلہٴ بارش - شعلہ کی روشنی - شمعِ سیلاب و سیلاب کے جھلکے تھی اس کا کرم بارش کی وجہ سے نہ ہو سکا

جلوہ مکمل نے کیا تھا۔ - واں چراغاں۔ آب جو۔

یاں۔ - رواں ترکانِ چشمِ تر سے۔ خونِ ناب تھا
یاں۔ - سر پر شور بے خوابی سے تھا دیوار جو

واں۔ - وہ فرقِ ناز۔ محوِ بالشر کم خواب تھا
یاں۔ - نفسِ کرتا تھا روشن۔ شمعِ بزم بے خودی

جلوہ مکمل واں۔ - بساطِ صحبتِ اجاب تھا
فرش سے تاعش۔ - واں۔ طوفاں تھا۔ - بیجِ رنگ کا

یاں۔ - زمیں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا
ناگماں۔ - اس رنگ سے خوںِ ناب ٹپکانے لگا

دل۔ کہ اذوقِ کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا

اور یاں بوجہ گونجے کی روشنی کہنِ سیلابِ تفراتی غمی ۱۲

لہ دیوار جو۔ - دیوار کو کاوش کرنے والا تھا وہ غم کو دیوارِ نالوں کو لے لگا بوجہ طلب و یکہ ہر چیز کو ناکام سے بوجہ دیوار
کھڑے کئے لیے دیوار کا مشاخی تھا۔ - فرقِ ناز و عشوق کا پروردہ تر ۱۳

عہ بیجِ رنگ کا طوفاں تھا، فصلِ گل کا بوش تھا۔ - سوختن کا باب تھا۔ - سوختن کا مصدر گردِ فنا ہار تھا
یعنی جلنا ہی جلتا تھا۔ ۱۴

عہ اس رنگ سے خوںِ ناب ٹپکانے لگا۔ - یہاں کہنے لگا کا دہلِ سخن مستعار ہے جو کاوشِ غم سے ۱۵
سند جہاں والا شاعر قطعہ نہیں۔ اس قطعہ میں شاعر نے اپنی ناگماںی اور عشوق کی لاپرواہی کا متنازلہ
کیا جو اس بچھے شعر میں وہ دوسری غزل کی طرف جو اسی فلسفے و دین میں کھلی ہو اشعار ۱۶

نالہ دل میں شب - انداز اثر نایاب تھا
 تھا سینہ بزم وصل غیر گویتاب تھا
 مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہوا
 غائب عاشق - مگر سازِ صدا سے آب تھا
 بازش ایام خاکستر نشینی - کیا کہوں
 پہلوئے اندیشہ - وقف بسترِ سنجاب تھا
 کچھ نہ کی - اپنے جنون مار سائے - درد - یاں
 ذرہ ذرہ - روکشِ غورِ شید عالم تاب تھا
 آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے ؟
 کل تلک - تیرا بھی دل - مہر و وفا کا باب تھا

لفظ نایاب غمازہ تھا۔ سینہ کا لازمو دفعِ تصور کے لیے جیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کلمات کو میرے دل
 نے جو ناکار کیا وہ بے اثر تھا۔ یعنی میرے لیے مفید نہ تھا۔ بلکہ میرے اس کے کہ اس سے مجھے نالہ ہو چکا وہ
 اور جو بے تابیِ نقیب کی بزم وصل کے لیے سینہ بزم گیا۔ یعنی اس نے نقیب کی بزم وصل کو تصور سے بھانپنے
 کی خدمت انجام دی۔

مقدم سیلاب و سیلاب کا آنا مقدم الفتح کسی جگہ سے واپس آنے کو کہتے ہیں۔ نشاط آہنگ و مسرور
 ساز و میلے آب شاعر نے قادیان کی ترکیب سے یہ جملہ ناکار کر کے بزم وصل کا مضمون لکھا ہے جو جل و جگہ ایک ہندوستانی
 راجا ہے جو جس میں سات چاروں کی کم و بیش پانی بکھا جاتا ہے۔ اسے ساز کی کہہ دوں گے اور ادا ہوا تو آہنگ
 و ساز میں مہر و وفا کا باب تھا۔

غائب اندیشہ و پہلوئے خیال - سنجاب : بالکل سرکھائی کا نام ہے جس کے پاس سے بدلتے ہیں اور اس پر تیرا
 بھی غائب کہتے ہیں جس کا شک ہے کہ وہ کسی اور جگہ سے خاکستر نشینی اور بسترِ سنجاب کا مقابلہ ہے۔ شاعر نے اس شعر میں
 بظاہر فرمایا کہ کچھ خاک نشینی بھی بسترِ سنجاب کے خلاف ہے۔ "عہ کون کی کہ نہ ہو سکا جونی اورا عشقِ انعام -

یا کروہ دن۔ اگر ہر اک حلقہ تیسرے دام کا
انتظارِ صید میں۔ اک دیدہ بے خواب تھا

میں نے روکامات غالب۔ کو۔ وگرنہ دیکھتے
اُس کے پیل گریہ میں۔ گردوں کفنِ سیلاب تھا

خونِ جگر و ولایتِ مرغانِ یار تھا
توڑا جو تو نے آئینہ تماشِ دار تھا
جاں دادہ ہوائِ سرِ گزرا تھا
ہرزقہ۔ مثلِ جوہر تیغ۔ آبِ دار تھا

ایک ایک قطرے کا بھج دینا پڑا حساب
آبِ میں ہل۔ سلور ماہِ یک شہرِ آرزو
تکلیفوں میں سیری نش کو کھینچے پھر کریں
میجِ سرابِ دشتِ وفا کا۔ نہ پوچھ چال

روکش و مقابل ۱۰۔

۱۔ یعنی اُس کے سیلاب گریہ کی بلند ہی آسمان تک پہنچ جاتی ۱۱۔
۱۲۔ ہمارے ایک شہر آرزو ہزاروں ہزاروں کا خون کے شہر تہ ۱۳۔ وہی ترکیب ہی جو ایک بیاباں اندگی میں تھی
(ملاحظہ ہو صفحہ نوٹ نمبر ۳) تماشِ دار تصورِ مطلب یہ ہے کہ جب تو نے وہ آئینہ جس میں تیری تصویر
تھی توڑا (انٹو میری ہزاروں آرزوؤں کا خون ہو گیا یعنی بے اعتبار و ہمت کا بیج ہوا۔

۱۴۔ ہوا۔ آرزو۔ وہ گزرا سے مراد وہ گزشتہ شوق ہی ۱۵۔

۱۶۔ سرابِ الفتح ۱۷۔ ریت جو دو دے چمکتی ہو اور پیاسے کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بہہ رہا ہے اسکا
مناہیت سے میجِ سراب کہا گیا ہے اور جس طرح سراب سے پیاسہ ہو کا کھانا ہو اسی طرح وفا کھنچا
ہو دنیائیں اس کا وجود نہیں ہو شاعر کا مطلب یہ ہے دشتِ وفا کے سراب کا ہرزقہ مثلِ جوہر تیغ کے
عشاقِ بادِ وفا کا قاتل ہے ۱۸۔

کم جانتے تھے۔ ہم بھی غم عشق کو۔ پو اب
دیکھا تو۔ کم ہوئے بے غم روزگار تھا

آدمی کو بھی میسر نہیں۔ انسان ہونا
درو دیوار سے ٹپکے ہو بیا باں ہونا
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی جہاں ہونا
جو ہر آئینہ بھی۔ چاہے ہر ترگاں ہونا
عیدِ نظارہ کی شمشیر عریاں ہونا
نوجو۔ اور آپ پر صد رنگ گلستاں ہونا
لذتِ ریش جگر غرق نمک اں ہونا
ٹٹے اُس زود پشیاں کا پشیاں ہونا

تس کہ دشوار ہی۔ ہر کام کا آسان ہونا
گریہ چاہے ہی۔ خرابی سے کاشانے کی
دانے دیوانی شوق۔ کہ ہر دم مجھ کو
جلوہ از بس کہ تقاضا سے نگہ کرتا ہی
عشرتِ قل کہ اہل تنہا میت پوچھ
لے گئے خاک میں ہم فراغ تنکے نشاط
عشرتِ پارہ دل۔ زخمِ تنکے لکھنا
کی موتِ قل کے بعد اُس نے جھٹے تو بہ

ملے کم ہونے پر بھی زیادہ نکلا ۱۲

۱۱۔ انسان ہونا یعنی انسانِ کامل ہونا جو حقیقی صفات اور صیرتِ انسانی کا نمونہ ہو ۱۲

۱۱۔ آئینہ سے آئینہ نوا ہی ملاو کی کہ جو ہر شے میں جتا ہو آئینہ کو آکھ سے تشبیہ دی ہو۔ ۱۲
۱۱۔ شمشیر کو ہلال سے جو نسبت دیوہ نظارہ کی شمشیر عریاں کو ہلال عبد کبر عشاق خوش ہوتے ہیں
عید نظارہ سے ملاوہ عید ہی جس میں مشرق کی دیو نصیب ہو ۱۲۔

۱۱۔ صد رنگ گلستاں ہونا۔ خوشی سے باغ باغ ہونا ۱۲۔

۱۱۔ زخمِ تنکے لکھنا۔ آواز زود پوری نہ ہونا ۱۲

میں اُس چار گرہ کپڑے کی قیمت غالب
جس کی قیمت میں ہو عاشق کا گریباں ہوتا

شب - غمارِ شوقِ سابق، رستِ شیرِ اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ - صورتِ خانہِ نمیبازہ تھا
یک قدمِ وحشت سے - درسِ دفترِ امکانِ کھلا
جادہ - اجزائے دو عالمِ وحشت کا شیرازہ تھا
لہجہِ وحشتِ خرامی بے لیلیٰ - کون ہو ۹
خانہِ مجنونِ صحرِ اگر - بے دروازہ تھا
پوچھت - رسوائیِ اندازِ استغنائے مہسن
دستِ مہوہنِ حنا - دھارِ رہنِ خارِ وہ تھا
نالہِ دل نے دیے اوراقِ نعتِ دل - یہ باد
یادگارِ نالہ - اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

لحہ - شوقِ سابقِ رسوائی کی آمد کا شوق - رستِ شیرِ اندازہ - قیامت کی کش - غمنازہ، مانگوائی - مہلِ بادہ - نظر
شراب کا وہ نظرِ مہمان تک شراب بھری ہو - مطلب یہ ہے کہ راتِ سابق کی آمد کے شوق نے قیامت
پر پا کر گئی تھی یہاں تک کہ وہ شراب بھی غمنازہ کی کش تھی مگر اساقی کے شوق میں تمام شراب خانے میں
صورتِ خانہ غمنازہ کی کیفیت نظر آ رہی تھی ۱۰

۱۱ - ایک قدمِ وحشت - دراز تک وحشت جادہ یعنی جادہ وحشت - دو عالمِ وحشت - نہ کثرت و جلالی ۱۲ -

۱۳ - دیے اوراقِ نعتِ دل یہ بادہ یہ جملہ فارسی محاورہ ہے "اوراقِ نعتِ دل" بادہ اوراق کو لیا گیا ہے اور
اس شعر میں دل کو بادہ ان سے اور دل کے گڑبگڑ کو اوراق دیوان سے نسبت دی گئی ہے۔ اس شعر کا

دوست - غم خواری میں میری - سعی فرمائیں گے کیا؟
 بنجم کے بھرنے تک - ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟
 بے نیازی حد سے گزری - ہندہ پرور - کب تک
 ہم کہیں گے حالِ دل - اور آپ فرمائیں گے کیا؟
 حضرت ناصح - گرا آئیں - دیدہ دل - فرکشی راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟
 آج وال تنخ و کفن باز مے ہوئے جاتا ہوں میں
 غدر میرے قتل کرنے میں - وہ اب لائیں گے کیا؟
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید - "اچھا" یوں سہی
 یہ جنون عشق کے انداز - چھٹ جائیں گے کیا؟
 خانہ زاد زلف ہیں - زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
 ہیں گرفتارِ وفا - زناں سے گھبرائیں گے کیا؟
 تجو اب اس معمورے میں قحطِ غم اُلفتِ احد
 ہم نے یہ مانا کہ - دلتی میں رہیں - کھائیں گے کیا؟

سلاطین یہ جو ناکِ دل نے اُن اور اُن کو پریشان کر دیا - اور دل ایک دہان بے شیرازہ کی طرح
 ہو گیا -

۱۷: یہ پہلے اندہ مصرعہ تحریر کیا "مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جو حرکت ہو کہ وہ مستوی کو پہلے داخل
 ہونے سے کیا مانا دیا پھر بڑھ دیکھئے ۱۸: شاعر کہتا ہے کہ شہزادہ کی غم اُلفت کا قحط دلتی مشرتوں کی
 کہی ہے -"

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال پا رہتا
 ترے وعدے پر جیسے ہم تو یہ جان - جھوٹ جانا
 تری ناز کی سے جانا کہ نید جانتا عجب
 کوئی میرے دل سے پوچھے - ترے تیرے کش کو
 یہ کہاں کی دوستی ہو؟ کہنے ہیں دوست
 ایک سنگ سے ٹپکتا وہ لو کہ پھر نہ تھمتا
 غم اگرچہ جاں گسل ہو پہ کہاں کہیں کہ دل ہو
 کہوں کس سے میں؟ کہ کیا ہو شب غم بڑی ہو
 ہوئے مرے ہم جو رسوا ہوئے کیوں غرق حیا؟
 اُسے کون دیکھ سکتا؟ کہ گناہ ہو وہ دیکھتا

اگر او جیتے رہتے یہی منتظر ہوتا
 کہ خوشی سے مر نہ جلتے؟ اگر اعتبار ہوتا
 کبھی تو نہ توڑ سکتا - اگر استوار ہوتا
 یہ خلس کہاں سے ہوتی؟ جو جگر کے پار ہوتا
 کوئی چارہ سا نہ ہوتا - کوئی غم گسار ہوتا
 جسے غم سچ رہے ہو - یہ اگر شرار ہوتا
 غم عشق طر نہ ہوتا - غم روزگار ہوتا
 مجھے کیا بڑا تھا مزا؟ اگر ایک بار ہوتا
 نہ کبھی جنازہ اٹھتا - نہ کہیں مزار ہوتا
 جو دونی کی بو بھی ہوتی تو کہیں وہاں ہوتا

یہ سائل تصوف: یہ ترایان غالب!
 تجھے ہم دل سمجھتے - جو نہ بادہ خوار ہوتا

نہ ہو مزا - تو جینے کا مزا کیا؟
 کہاں تک - اسے سراپا ناز کیا کیا؟

ہوس کو ہی - نشا چاکار - کیا - کیا
 تباہ پیش - سے - مڈھا کیا؟

۱۔ تیرے کش - وہ تیرے جھوڑے وقت کہاں - ۲۔ نے کہاں کہ پورا نہ گھینا ہو -
 ۳۔ نشا چاکار - یعنی کام کرنے کی آمنگ - ۴۔

نوازش ہائے شے جا دیکھتا ہوں
 بھگا و بے محتاجا ہوتا ہوں
 فروغ شعاع خس - یک نفس ہو
 نفس - موج محیط بے خودی ہو
 دماغ عطر پیراہن - نہیں ہو
 دل قطرہ ہو - ساز آنا البھر
 تھا کیا ہو؟ میں ضامن - ادھر دیکھ
 شبنم سے غارت گر جنس وفا - سن
 کیا کشت نے جگر داری کا دعوے؟

شکایت ہائے رنگیں کا - گلا - کیا؟
 تغافل ہائے تمکین آدما - کیا؟
 جوس کو پاس ناموس وفا - کیا؟
 تغافل ہائے ساقی کا گلا - کیا؟
 غم آوارگی ہائے صبا - کیا؟
 ہم اس کے ہیں - ہمارا پوچھنا کیا؟
 شہیدانِ نگر کا - خون ہوا - کیا؟
 شکستِ قیمتِ دل کی صدا - کیا؟
 شکیبِ خاطر عاشق - بھلا - کیا؟

لے نوازش ہائے بیجا وغیرہ پر مرانی شکایت ہائے رنگیں - زور و شکایتیں جو بطریقِ محبت و ادائیگی مابینِ خدایا
 شکوہ ۱۳-

تہ کا و بے محتاجا و بے محتاج - تغافل تمکین آدما - زور و شہیدانِ نگر کی جو صبر کی آزمائش کے لیے کی جا
 تہ ہوس - رنگیب کی بھرتی محبت کی طعن اشارہ ہو کہ حب کی محبت شعاع خس کی طعن و دم بھر کی جو اس کو ناموس
 وفا کا پاس نہیں ہو ۱۴

تہ عطر پیراہن و عطر پر ہن - زور و شہیدانِ نگر کی جو صبر کی آزمائش کے لیے کی جا
 نفس کر - نیا کی ہوس - زور و شہیدانِ نگر کی جو صبر کی آزمائش کے لیے کی جا
 ۱۵

تہ ساز آنا البھر - وہ پا جا جس سے یہ آواز نکلے کہیں دیا ہوں ۱۶

تہ تھا کیا ہو - سوال کیا ہو ۱۷

تہ شکستِ دل کو نہا کرنے شکستِ قیمتِ دل سے تبریک کا تو مطلب ہے کہ شکستِ دل کی صدا اگر تجھے ابھی معلوم
 ہوتی نہ تو تو اننگنی کیے جاؤ اور صدا سے جا - بھلا میرے دل کی اور صدا سے شکستِ دل کی تجھے کیا پڑا
 اور تازہ تر ہے ۱۸ وہ میرا ریحی مراستقال ۱۹

یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں؟
یہ کافر قتلہ طاقت رُبا کیا؟

بلئے جاں پر غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

دُخ و غم و غضب۔ جب۔ کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہی؟ کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بنفگی میں بھی۔ وہ آزاد وہ خود ہیں۔ کہ ہم
اُلٹے پھر آئے۔ در کعبہ۔ اگر۔ وا۔ نہ ہوا
سب کو مقبول ہے۔ دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو۔ کوئی بُت آئینہ سیما نہ ہوا
کم نہیں۔ نازش ہم نامی چشمِ خواں۔
تیرا ہمیار۔ بڑا کیا ہی؟ مگر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہی وہ نالہ۔ کہ لب تک نہ گینا۔
خاک کا رزق ہی وہ قطرہ۔ جو۔ دریا نہ ہوا

یہ کافر قتلہ طاقت کیا۔ را شاہ ہو۔ وعدہ صبر آزما کی طعن جس کا ذکر مصرعہ اولیٰ میں ہے۔
تو ہم نامی چشمِ خواں۔ اس وجہ سے کہا کہ مستحق کی آنکھ کو جیسا کہتے ہیں۔
تو سینے کا داغ ہو۔ قابلِ شرم ہو۔ خاک کا رزق ہو۔ دریا گھاں ہو۔

نام کامیرے ہو وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا
 کام میں میرے ہو وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا
 ہر بن موے۔ دم ذکر نہ پٹھ کے خوں ناب؟
 حمزہ کا قصہ ہوا۔ عشق کا چپہ چا نہ ہوا
 قطرے میں۔ دجلہ دکھائی نہ دے؟ اور جزو میں کب؟
 کیل لڑکوں کا ہوا۔ دیدہ بیٹا نہ ہوا
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پڑے
 دیکھتے ہم بھی گئے تھے۔ پہ تماشا نہ ہوا

استد! ہم وہ جنوں جولاں گڈے بے سرو پا ہیں
 کہ ہو سرخسہ شرکان آہو۔ پشت خار۔ اپنا

ہو نذر کرم۔ تحفہ۔ جو شرم نارسائی کا
 بھول غلیظہ صد رنگ۔ دعویٰ پارسائی کا

نہ نہ چکے خوں ناب؟ کیوں نہ چکے؟ یعنی ضرور چکے۔ استغنام اقراری ہو۔
 عہ اس شعر کے پہلے مصرع میں بھی استغنام اقراری کی غولی موجود ہو یعنی دیدہ بیٹا کو ضرور جزو میں لگ
 کا تماشا نظر آتا ہو۔
 عہ جنوں جولاں، جنوں رکھنے والا جولاں۔ رشی بے سرو پا ہیں اس سے ظاہر کی جو کوشش خاک تک نہادہ ہیں جو تھکا
 جہو کو تھکا پشت ناز قرار دیا ہو جس سے رشی انتہائی وحشت کا مظاہرہ نظر آتا ہو ۱۲ عہ ۱۲ نذر کرم۔ درگاہ و

نہ ہو۔ جسٹن تماشا دوست۔ رسوایے دفائی کا
 نہ شہر صد نظر ثابت ہو دعویٰ پارسائی کا
 نکاتِ حسن دے۔ اے جلوہ بنیش۔ کہ مہر آسا
 چراغ خانہ درویش ہو۔ کاسہ گدائی کا
 نہ ماراجان کرے جرم۔ قاتل۔ تیری گردن پر
 رہا۔ انڈر خون بے گنہ۔ حق آشنائی کا
 تنائے زباں۔ محو سپاس بے زبانی ہو۔
 چٹا جس سے تقاضا۔ شکوہ بے دست پٹائی کا

خداوندی میں قدر گزارنے کے لیے میری شرم نامہ سائی کا تھر بن شرم نامہ سائی کی بات سے تھکے میری چڑچڑائی
 وہ دعویٰ ہے جس کا سوگنا ہوں کہ اے خون ہو چکا ہو شرم نامہ سائی غافل ہو۔ جو کہ
 لہو جسٹن تماشا دوست۔ وہ من جوانی فاشش کو دوست رکھتے۔ رسوایے دفائی کا دروازہ ہی ترکیب رسوائے
 بے دفائی کا زہر کیا گیا ہو۔ شاعر کتا ہو کہ اگر میرے ذرا کا حسن دوسروں کو چاہا بلوہ دیکھا ناچند کرنا ہو قیاس بہ الزام
 بے دفائی کا در نہیں ہو سکتا۔ اگر میرے سوا کس کے سو دیکھنے والے بھی ہوں تو یہ سو گنا ہیں افس کے دعویٰ کا
 پارسائی پر مہر کرتی ہیں۔

اے شاعر اپنے عشوق سے کہتا ہو کہ اپنے من کی نکات دے تاکہ میں کے انڈر فیر کا سنگ لگائی اس کے ٹھکر کا
 چراغ میں جائے مطلب ہو کہ عشوق کے من سے جو سہل نور ہو اگر چاہوں جوتہ (کا عوس مال کا ہلیو آ
 جس سال بھر کے بعد (یا جان آہو) بھی عاشق کو مل جانے کا تو عاشق کا دل صرف اسی کے نور سے لالہا ہو جائیگا۔
 کہ اس شرمس قاتل کو مخاطب کیا گیا ہو۔ "اے" حرف نامحذوف ہو۔ بعض نسخوں میں قاتل کی جگہ فاض لکھا ہو
 کہیں س ہے لے لے لے میرے عشوق میں مطلب احمدی علی میں چھاپا ہو۔ جس کی کاپیوں کی صحت خود دہرنا
 لے لے کی جو فاض نہیں بلکہ قاتل جو مطلب ہے۔ اے قاتل تو نے بے جرم جان کر مجھے نہیں بلکہ اس بے آشنائی کا
 من تیری گردن پر خون بے گناہ کی طرح جا یعنی حق آشنائی یہ تھا کہ تو مجھے قاتل کو دیتا ہو کہ شاعر کتا ہو زبان کی مشا

وہی ایک بات ہو۔ جو۔ یاں نفس۔ وان کہتہ گل ہو
 چمن کا جلوہ باعث ہو۔ مری رئیس کو انی کا
 دہان ہریت پیما زہ جو۔ زنجیر رسوائی
 عدم تک۔ بے وفا۔ چرچا ہو۔ تیری بے وفائی کا
 نہ دے نامے کو آنا طول۔ غالب۔ محقر لکھتے
 کہ حسرت سنج ہوں۔ عرض ستم ہائے جدائی کا

گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا زہرہ گرا یا ہی۔ شام بھر میں۔ ہوتا ہوا آب لے تولوں سستہ میں اُس کے بائیں کایہ سرگز	بے شکلف فراغ مرہ مخدوہاں ہو جائے گا پر تو مہتاب۔ سیل خانہاں ہو جائے گا ایسی باتوں سے وہ کافر و گماں ہو جائے گا
--	--

اس شعر میں جو کہ اس کو بے زبانی کی نعمت عطا ہوئی جو اس کی دوسری، بے دست و پائی کے شکوہ کا تقاضا
 بھی بہت گہرا۔ یعنی بے دست و پائی کے شکوہ کا تقاضا یہ تھا کہ مجھے یاں کر گرجے زبانی کے سبب وہ تقاضا اس کا
 نہ کیا گیا تو ایسے زبانی کا اسان ہو کہ مجھے شکوہ کے بجائے تسلیم کا وجہ ملے۔
 لے "وہی تک بات" اشارہ ہو جلوہ میں کی طرف اور جلوہ میں سے ضل بہار مراد ہو۔

لے پیما زہ۔ یعنی۔ شہرِ نہایت چھپا ہو۔ خاص کر زنجیر رسوائی کی ترکیب نہایت دقیق ہو۔ چادری رانے میں
 اس شہر کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرف زبانی مشرق کا نہ تیرے حق میں زنجیر رسوائی بن گیا۔ یعنی تیری بے وفائی کی شہرت
 جو کچھ کہہ سوا کرنے والی تھی ایک مشرق سے گزر کر دوسرے تک اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچی اور اُس شہرت
 کا سلسلہ ہوں ہی اور تک چلا گیا اور اس طرح سے زنجیر رسوائی کی صورت پیدا ہو گئی۔ اور جب خسوفوں کے گزرنے
 میں جو خود بے وفا ہوتے ہیں تیری بے وفائی کا ہر جا اس حد تک پہنچ گیا کہ جو یا عدم تک پہنچ گیا یعنی اُس کی کچھ حد
 نہایت ہی نہیں۔ وہی کو کہ شاعر مسدود نہ تھے ہیں اس لیے اس شعر میں یہ کہ تقاضا خاص نہایت رکھتا ہو ۱۲
 لے اس شعر میں جو تھکا رہا تھا اُن کو سب آج سے تشبیہ دی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ شبِ بھری چاندنی عاشق

دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے۔ کیا معلوم تھا
سب کے دل میں ہر جگہ تیری جوتور جھٹی ہوا
گر نگاہ گرم فرماتی رہی۔ تسلیم ضبط
باغ میں بچھ کو نہ لے جا۔ نہ میرے حال پر
وہ۔ گرمیرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو

یعنی یہ پہلے ہی نذر امتحان ہو جائے گا
مجھ پر گویا۔ اک زمانہ صبر باں ہو جائے گا
شعلہ خسر میں جیسے خون گیسو میں شعلے گا
ہرگز نہ ایک چشم غل فشاں ہو جائے گا
اب تلک تو یہ قوت تو کہہ دوں پہلے گا

فائدہ کیا؟ سوچ۔ آخر تو بھی دانا ہوا
دوستی ناداں کی ہو۔ جی کا زیاں ہو جائے گا۔

درد منت کش دوا نہ ہوا
تج کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
ہم کہاں قسمت آزانے جائیں
کتنے شیریں ہیں تیرے لب اگر قیب
ہو خبر گرم آن کے آنے کی
کیا وہ نرود کی خدائی تھی؟

میں نہ اچھا ہوا۔ بُرا نہ ہوا
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
تو ہی جب غنیمت آزانہ ہوا
گالیاں کھا کے بے فزا نہ ہوا
لج ہی مگر میں بوریہ نہ ہوا
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

کے لیے سو جب آزاد ہو تو ۱۲

لے لگا و گرم۔ قطر خطاب ۱۲

عہ یاد کا نہ خاک میں مولا نا تھا۔ اس شعر کا یہ مطلب لکھا ہو کہ کیا میری بندگی نرود کی خدائی تھی
جس سے مجھے سوائے خدا کی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اگر تو کا ارشاد بندگی کی طرف نہ لکھنا چاہتے بلکہ "وہ"

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی تھی
زخم گروٹب گیا۔ لہو نہ تھمسا
بہرنی ہو۔ کہ دل سستانی ہو!

حق تو یہ ہو۔ کہ حق اور۔ نہ ہوا
کام گر ٹرک گیا۔ یہ اور۔ نہ ہوا
لے کے دل۔ دلستان اور نہ ہوا

کچھ تو پڑھے **۱۱** لوگ کہتے ہیں
آج غالب۔ غزل سرانہ ہوا

کلمہ ہی شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا
یہ جانتا ہوں۔ کہ تو۔ اور یا سچ مکتوب
خنائے پائے خزاں ہو۔ بہار اگر ہو یہی
غم فراق میں تکلیف سیرِ باغ نہ دو

گھر میں جو ہوا اضطراب دریا کا
مگر ستم زدہ ہوں۔ ذوقِ خامہ فرسا کا
دوامِ کلفتِ خاطر ہو عیش و نیا کا
مجھے دماغ نہیں خندہ پاسے۔ بجا کا

سے مشق کاغذ و سن لکھا جائے تو مطلب "سرور ہونا ہو"۔
لہ مرزا غالب کے وقت میں تھنا لکھا جاتا تھا۔ پتا چلے اصل نسخہ مشکوٰۃ میں اس لفظ کا یہی ملتا ہے لیکن
لہانہ موجود میں تھنا مشرک ہو۔ تھنا لکھا جاتا ہو ۱۲۔

۱۱ شوقی کہہ رہا اضطراب شوق کو گھر میں جو ہوا اضطراب دیا کا " دریا گھر میں بہا گیا۔ گھر کو دل سے
اور شوق کو اضطراب دریا سے مشابہت دی ہو ۱۳۔
۱۲ خنائے پائے خزاں۔ خزاں کے پاؤں میں گئی ہوئی ہندی کی لالی۔ بہار کی تپا لاری کی طرف ۱۴۔

اشارہ ہو ۱۲

۱۳ خندہ بجا۔ خندہ ہنس۔ محلوں کی ہنسی کسی سوخِ محل سے نہیں ہوتی اس لیے شے خندہ ہے محل سے
تبرکیر کیا ۱۴۔

ہنوز محرمی سن کو ترستا - ہوں
دل اس کو پہلے ہی ناز و اداس - دے بیٹھے
نہ کہتے کہ گریہ - ہر مقدادِ حسرتِ دل پر

کرسے ہی ہر بے سوا کم ہوشم بنیا کا
ہیں دماغ کہاں سن کے تقاضا کا
مری نگاہ میں جو جمع و خرچ صیا کا

فلک کو دیکھ کے - کرتا ہوں اُس کو یاد اسد
جھائیں اُس کی ہر انداز کا رنسر باکا۔

قطرہ غم - جس کہ حیرت سے نفس پر ہوا
اعتبارِ عشق کی خانہ خسرابی دیکھنا

خطِ جامِ نر سراسر شیشہ گو بہر ہوا
غیرنے کی آہ - لیکن وہ خطا مجھ پر ہوا

جب بہ تقریب سفر یار نے محلِ باز دھا
پیش شوق نے ہر ذرے پہ اکِ دلِ باز دھا

مہ محرمی سن کو ترستا ہوں: یعنی کتنا فاصلہ مٹا فی نہیں۔ دوسرے مصرعے کے شروع میں لفظ
"مگر" محذوف ہو۔

عہ حسرتِ دل کو دہریا کا بیج (یعنی جھج) کہا گیا ہو۔ اور آئندہ اُس کو جو حسرت میں دل سے بکھلے ہیں دنیا
کے چہرے نسبت دی ہو۔

عہ کا - فرما عشوق کی طرف - شاہ ہو۔

اسکے نفس پر دہشت گاہے۔ اور منہجہ۔ خود مرزا نے اپنے ایک خط میں اس شعر کو لکھتے ہوئے لکھا کہ اس
مطالعہ میں خیال تو دو تین نکم کیا گیا ہو لیکن معنی زیادہ نہیں وہ لکھتے ہیں کہ قلم جو بکھلے میں ہے اختیار ہو اور
حسرت سے بکھنا بول گیا۔ برا برو نہیں جو تھم کر دلائیں تو پہلے کا خط اس تا کے کی صورت میں گیا جس میں ہوتی

انہل بنیش نے ہیرت کہا شوخی ناز
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل اندھا
 یاس و اسید نے۔ یک عریہ سید اس کا
 عجز ہمت نے طلسم دل سائل اندھا
 نہ بندے تشنگی ذوق کے مضمحل غالب
 کرچہ دل کھول کے دیا کو بھی ساحل اندھا

میں۔ اور نرمی سے یہ دل تشنہ کام کوئی
 گریں نے کی تھی توبہ۔ ساتی کو کیسا ہوا تھا
 ہو ایک تیر جس میں دہنوں چھلپے ٹپکے ہیں
 وہ دن گئے۔ کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا
 وہ ماندگی میں غالب۔ کچھ بن پڑے تو جانوں
 جب پرستہ بے گرہ تھا۔ ناخن گرہ کشا تھا

بھر۔ گز بھر نہ ہوتا۔ تو۔ بیاباں ہوتا
 کہ اگر رنگ نہ ہوتا۔ تو۔ پریشاں ہوتا

کھر ہارا۔ جو نہ روتے بھی تو۔ دہراں ہوتا
 تشنگی دل کا گلہ کیا۔ یہ وہ کافر دل جو

پر دہنے لگے ہوں ۴

ملہ ہیرت کہ وہ سے مراد آئینہ کواد جب آئینے میں عکس یا موجود ہو تو وہ میں شوخی ناز کی موجودگی میں
 شامل ہوتی اس شوخی ناز کی اثر سے ہیرت آئینہ میں بنیش کو طوطی بسمل ہونے لگا۔ تشنگی ذوق کے مضمحل

کاش۔ جنواں ہی۔ دیر لڑکا دہاں ہوتا

بعد یک عمر موع۔ بار تو دیتا۔ بارے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا

ڈبوا۔ بھوکہ۔ ہونے۔ نئے۔ نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہو اوج غم سے یوں بے حس تو غم کی ہر کٹھنے کا

نہ ہوتا گرد اتن سے۔ تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی دست کہ غالب مر گیا۔ پر لڑ آتا ہو

وہ ہر اک بات پر کھتا۔ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

یاں مجاہد بھی۔ قہقہہ ہو۔ لالے کے دماغ کا
کھینچا ہو عجز حوصلہ نے۔ خط الیغ کا

یک ذوق زمیں۔ نہیں بے کار۔ بلع کا
بے بی۔ کسے ہی۔ طاقت آشوب نگاہی

نہ ہندے مدوقی سخن کی تشنگی بار بار قائم رہی ۱۱

لہ لہو لہو کو ہونے سے دیر ہی جستی تھے۔ لہ کو لہو لہو ۱۲

تھے جاوہر شیا۔ یعنی دوش فیکہ رہتی۔ پہلا مصرع صاف ہو۔ یعنی موسم بہار میں ہر جگہ بھول ہی کھئے نظر
گئے تھے۔ چہ بھرن میں اس سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ وہ مشینیں ہی گھٹنے لگ کر کثرت کی وجہ سے
گوارا لے کے دماغ کا فیکہ بنی ہوئی ہیں۔

تھے آشوب۔ شور و غنا۔ چنگا آگس میں یعنی ہوش کی حالت میں انسان کا جھلنے انگارہ دنیوی جہاں لہو لہو
اس جیسے آشوب لگی کر گیا۔ شاعر کہتا ہے کہ آشوب لگی کا مقابلہ دینی انگارہ دنیوی سے کیا حاصل کرنا
غیر شراب کے نامکس ہو لیکن یہاں ہماری ہمت حوصلگی نے ایلغ رحام شراب پر خط کھینچ دیا تو یہی ایک
سافرو سے (اور سافرو بھی وہ جو ایک مددگار ہوا ہو) یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

بلبل کے کاہ و بارپیش - خندہ ٹائے نکل
تازہ خمیں ہو نقشہ و فکر سخن مجھے
سوار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے
بے خون دل ہو چشم میں سے سوچ گئیہ غما

کہتے ہیں جس کو عشق - خلل ہو دماغ کا
تربا کیسے قایم ہوں - دو دو چسراغ کا
پر کیا کریں؟ کہ دل ہی عدو ہو فرغ کا
یہ ہو گدہ - خراب ہو - غم کے سراغ کا

باغ شگفتہ تیرا - نشاط و نشاطِ دل
ابر بہارِ تمکدہ کس کے دماغ کا

وہ مری چین چیں سے - غم نہاں سمجھا
یکت الف پیش نہیں - صیقل آئینہ ہنوز
شعخ اسبابِ گرفتاری خاطر - مست ہو چھ
برگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام

رازِ مکتوب بے بے ربطی عنوان سمجھا
چاک کرتا ہوں میں جبکہ گزریاں سمجھا
اس قدر تنگ ہوا دل کہ مینہ اں سمجھا
مخ پر ہر قطرہ عرق - دیدہ حیراں سمجھا

۱۔ دو دو چراغ: نیکو کلام، مشن ۱۲
۲۔ شاعر وقت: جو کہ میری آنکھ سے اشکوں کی راہ غریب دل نہیں آیا اس لیے سوچ تھا وہ غبارِ بن بستی ہو - یعنی ہمنسہ
غریب نشانی کے گویا خاک اڑ رہی ہو اور یہ ہو کہ وہ نشانی آنکھ کی داخلی دل کے کہ جس میں غراب ہو ۱۲
۳۔ بعض شاعرین نے ۱۱۔ تیرا کو بہا و نشاطِ دل کے ساتھ مشافہت کیا ہو - مجاہدی دستانے میں یہ غلط فہمی ہے
کا متعلق باغ شگفتہ سے ہو - شاعر اپنے مشوق سے غائب ہو کر گستاخ کہ جب تیرے سخن کا شگفتہ باش ہوئے سرور دل کا
سبب ہو تو ابر بار میری مستی کا باعث خمیں ہو سکتا ۱۲۔ عہ آئینہ سے مراد حسن ہو - یعنی ہر الف کھینچا نہ لہو
۴۔ قید ہو شاعر گستاخ کہ جب سے میں نے گزریاں کی حقیقت کبھی جو میں سے چاک کر - ابر ہوں - یعنی جب سے مجھے
یہ گئے کا شعر ہے کہ شگفتہ و نشاطِ دل صفائی طلب ہیں میں نے انھیں ترک کرنا شروع کر دیا ہو پھر یہ غما کرنا ہو کہ
خندہ چو چوٹ باد کھپا ہوا ہوا اس سے مراد وہ جنہ نصفانی قلب حامل نہیں ہو ۱۲۔ شہ قطرہ عرق - تمکدہ تھا

نبضِ خس سے پیشِ شعلہ سوزاں بگھا
بر قدم سائے کو میں اپنے پشیمان بگھا
وضعِ پیکانِ قضا۔ اس قدر آساں بگھا

پتھر سے اپنے یہ۔ جاننا کہ وہ بدخو ہوگا
سفرِ عشق میں۔ کی صنعت نے اسطی
تھا گریزاں۔ مرقہ یار سے دل۔ تا دمِ مرگ

دل دیا۔ جان کے۔ کیوں اُس کو وفادار
عطی کی۔ کہ چوکا فر کو سداں۔ بگھا

دل جگر تشنہ فزا د آیا۔
پھر ترا وقتِ صفت یار د آیا۔
پھر وہ نیزنگِ ظہر یار د آیا۔

پتھر جھے دیدہ تر یا د آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
تساوی بائے تمنا۔ یعنی

استعمال ہو اسی یعنی قطرہ عرق۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ مشوق خود اپنے سے بھی بیکان ہو اُسے اس
بگانی سے سرگرم غلام نہ ہوئے۔ یا کہ نہ غلام سے پسینے کی بوندیں اُس کے تیغ پر نہوار رہ جائیں جو عاشق کے
دیدہ حیراں سے شاہِ بگھی جاتیں ۱۲۔

لہ نبضِ خس : بجز کی نبضِ شگون کا شاعر نے اپنے بجز کو خس کہا ہوا۔ تپشنِ حرارت۔ شعلہ سوزاں مشوق
کی بدخالی کا شاعر نے اس کو خس کہا ہوا کہ جس قدر میں عاجزی کر دے گا۔ مشوق کی بدخالی بڑھنے کی اور مشوق
کی بدخالی کا شوق کی برادری کا باعث ہو اگرتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میرزا غلام علی میری طاقت کا سبب ہوگا۔
میں مشہد تان۔ رات گزارنے کی جگہ۔ اس شعر کی ترکیب صاف ہو۔ اگر استفادہ دل کو دور کر دیا جائے تو مطلب
ہو گا۔ کہ کہ انسان غایت کا مصلوبی کی حالت میں اس دانا سیدی ہی سے تسکین و تسلی پانے کا آرزو مند ہوگا
۱۳۔ دوسرے مصرعے میں آیا یعنی ہوا۔ دل جگر میں وقتِ عطیہ بخندہ ہو۔ ۱۴۔

۱۵۔ پہلے مصرعے میں دیکھو کھنڈن ہو۔ نیزنگِ نظر مشوق شوق کی صفت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے مشوق
کے شعور کو کسی کا مصلوبی ہوئی جواب پھر دیا۔

خُدیروماندگی۔ اے حسرتِ دل !	نالہ کرتا تھا۔ جگر یاد آیا
نزدگی۔ یوں بھی گز رہی جاتی	کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
کیا ہی رشتوں سے لڑائی ہوئی	گھر ترا خلد میں گر۔ یاد آیا
آہ وہ جزبہ فریاد کہاں !	دل سے تنگ کسے ہو یاد آیا
پھر ترے کوچے کو جاتا ہی خیال	دل گم گشتہ گر۔ یاد آیا
کوئی دیرانی سی دیرانی ہوا	دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

<p>بہت کرتے کہ میں بے تشنہ تقریر بھی تھا گر گڑبٹ بیٹھے۔ تو میں لائق تفسیر بھی تھا نالہ کرتا تھا۔ دے طالب تاثیر بھی تھا ہم ہی آشفۃ سرور میں وہ جان بھی تھا آخر اس شوق کے ترکش چرگ کی تیر بھی تھا آوی کوئی ہمارا دم تحریر۔ بھی تھا کہتے ہیں بالکل زمانے میں کوئی تیر بھی تھا</p>	<p>بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا یوسف اُس کو کہوں۔ اور کچھ نہ کہے نیز مہربانی دیکھ کر خیر کو۔ ہو کیوں نہ کلیجہا ٹھنڈا پیشے میں عیب نہیں۔ بلکہ نہ فریاد کو نام ہم تھے مرنے کو کھڑے۔ پاس نہ آیا۔ نہ سہی پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ریت جتے تھیں استاد نہیں ہو غالب</p>
<p>زیارت کدہ ہوں۔ دل آذر دکان۔ کا میں دل ہوں۔ قریب وفا خور دکان کا</p>	<p>رہنم خشک۔ در تشنگی مرو دکان۔ کا تجربہ نامی سیدی۔ ہمدرد گمانی</p>
<p>اور وہں پہرے کو وہ غلام کہ مجھ پر نہ ہوا تھا</p>	<p>تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا</p>

اور شکاک کہ چوٹی پر ہوا اور صفائی مثل آہ و زور ۱۱

بلکہ میر جہان میں تھا کہ ان میں وہ محذوف ہو ۱۱

میر جہان آہ کے آخر سے ۱۱ ہیں ۱۱ میر جہان کی شکل مستعار ہو۔ آہ وہ شوق سے مطلب ہے جو کہ میں گویا
بے شک ہوں اُن لوگوں کا جو آہ وہ شوق میں رہ گئے اور میں گویا زیارت گاہ ہوں آہ وہ دل لوگوں کا جس
شعر میں غلام نامی کا بیاں کیا گیا ہے ۱۱

بلکہ قریب وفا خور دکان۔ کا۔ چرگ۔ آہ کا قریب کھائے ہوئے ہیں ۱۱۔

خوشید بنواز اس کی ہل نہ ہوا تھا
آنکھوں میں جو وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
میں معتقد فتنہ مشہور نہ ہوا تھا
یعنی سبق شوق کمر نہ ہوا تھا
یہ اسرار من بھی۔ ابھی تر نہ ہوا تھا

چھوڑا نہ نخب کی طرح دستِ قضا نے
توفیق پر اندازہ ہمت۔ ہوازل سے
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیا کا عالم
میں سادہ دل۔ آذر دگی یا بے خوش ہیں
وہ آئے ماحی تنگ آبی سے جو خشک

جاری تھی سدا۔ داغ جگ سے مے تھیل
آتش کہہ۔ جاگیر مسد نہ ہوا تھا

نہ ہو نخب۔ وہ صدیقی چاند میں کہ تمام نخب میں حکیم کنشی مشہور۔ بن مقنع نے کہا کیا تھا۔ چاند لیک
کونوں سے نکلا کر تھا۔ لیکن۔ دشمنی اس کی چاند رنگ سے زیادہ نہ بھلتی تھی۔ شاعر کہتا ہو کہ وہ سے مستحق کے
مقالہ میں خوشید بھی۔ نخب کی طرح ناقص ہو۔
تہ اس شعر کا مطلب یہ ہو کہ اگر اندازہ شوق سے آذر نہ ہو گیا جس سادہ دل اس سے خوش ہوں کہ اندازہ شوق
سبق بنو زاکیم ہی بارہوا تھا اس کی نگرا کی فوبت نہیں پہنچی تھی اگر آذر نہ ہو جاتا تو کمرہ کی ضرورت ہی
نہ ہوتی۔ اب نگرا سبق کا موقع خوب ملا۔

تہ ماحی۔ رنجِ صحبت گناہ۔ تنگ آبی۔ پانی کی کنی تر۔ اس گناہ کہ کہتے ہیں شعر کے معنی یہ ہیں کہ میں اس میں
گناہ ہوں کہ باوجودیکہ ان کے گناہوں کا دیا باقی کی کنی وہ سے تنگ ہو گیا کہ میں جہاد سے وہی کا ایک تر خواہم
تہ مسد نہ۔ جسے چہ ہے کی برابر لیک چاند کو کہتے ہیں چہڑا نے افکار میں جہاں مدت ہوا رنگ گل بل بل
پیدا ہوا جو رنگ ہی سے اس کی زندگی وابستہ ہو۔ آگ سے جدا ہونے پر وہ مر جاتا ہو۔ زمانہ حال کی حقیقتات
علمِ مجرمانہ ہیں اس چاند کا کہیں نہ کر نہیں آیا۔ سلام تھا کہ تھا کی طرح صرف شاعروں کے خیال ہی میں اس کا
وہاوی شاعر کہتے ہو کہ آتش کہہ اس نے اس سے میرے داغ جگ سے آتش مناجی کی تھیل کہ اتفاقاً جب کہ اس کا
مسد کا وہ بھی تھا۔ خلاصہ یہ کہ آتش کہہ آتش کہہ وہ کہندہ شاعر ہی کے داغ جگ سے پیدا ہوئے ہیں۔

نشانِ دستِ بازوئے قاتل نہیں رہا
یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
غیر از نگاہِ اب کوئی حائل نہیں رہا
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
جہلِ سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

مرنے کی اسے دل باور ہی تمہیر کر کر میں
بروئے کششِ حبت۔ در آئینہ باز ہو
دا کر دے ہیں شوق نے بندھنِ چٹن
گو۔ میں رہا۔ رہینِ ستم ہائے روزگار
دل سے ہوئے نکشت و فامٹ گئی کدیں

بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا بگڑا
جس دل پہ ناز تھا بچھے وہ دل نہیں رہا

رنگ کہتا ہو کہ اس کا غیر سے اخلاصِ حقیقہ
عقل کہتی ہو کہ وہ بے سز کس کا آشنا
ذہ۔ ذہ۔ بے غریب خانہ رنگ جو۔
گردشِ مجنوں۔ چشمکِ بے لیلی آشنا

لے شخص کے سامنے شاعر اس شعر میں ناز کی نقد و شناسی کا شکی جو جس طرح یہ قبل کس میں امتیاز نہیں
کرنا کسی طرح ناز ناقص و کامل میں فرق نہیں کرتا
کے جوئے کشش و فامٹ ہائے روزگار۔ اس اشارہ جو اس کشش و فامٹ کی طرف
آج یعنی ناز کا ہر ایک ذہ جو گردش و نقد میں مبتلا ہو جس کی گردش ناز کا فک کے اشارے سے جو جس
طرح سے جنوں کی گردش چشم بے لیلی کے اشارہ کے اندر تھی۔ اس اشارہ جو بے لیلی نہیں بطور تشریح صرف اول
کے لیا ہوا۔

شوق ہی۔ سالن طرازا دشش اربابِ عجز
 ذرہ - صمد است گاہ - و - قطرہ - دیا آشنا
 میں - اور ایک آفت کا کھڑا وہ دل دشش - کرب
 عافیت کا دشمن - اور - آوارگی کا آشنا
 بشک وہ پنج رشک ہم - دیگر نہ رہنا چاہیے
 میرا - زانو منس - اور - آئینہ - تیرا آشنا
 رنج یک شیرازہ وحشت میں - اجڑائے بہار
 سبزہ بیگانہ - صبا آوارہ - گل نا آشنا
 کوہ کن تقاش یک مثال شیریں تھا

نگ سے سردار کر - جو بے نہ پیدا آشنا
 ذکر اس پری دشش کا - اور پھر بیاں اپنا
 بن گیا رقیب - آخر - تھا جو راز داں اپنا

مہ شوق - عشق - اربابِ عجز یعنی مشاق کے حق میں ابن کا عشق ہی "دشش کے سالن ہیں اگر عجب
 اور ان کو اپنے جہنم پر تازہ کرنے کا وہ صلہ دلاتا ہو - کیونکہ ذرہ دل کو صحرایہ ہوتے ہیں اور قطرہ قطرہ ہم کو کرب
 دہاتا ہو۔"

عہ میں کے بعد لفظ "ہوں" محذوف ہے۔

یہ ہر شعر تمام مدح و ثناء میں نہیں جو مستند کے لکھے ہوئے علی وہاں میں سے مانگیا
 کہ فرما دیا جاتا تھا کہ ہر کوئی تراش کے شیریں کی ایک مثال نہ لے سکیں وہ یہاں بھی ذکر کیا - شاعر نے کہا کہ
 کہ جہاں کہیں تھوڑی سے سر جوڑے - سے مشرق پیدا ہو کر تے ہیں مطلب یہ کہ شاعر کے نزدیک فراد
 کا عشق کامل نہ تھا۔

تکر وہ کیوں بہت پیٹتے۔ بزمِ خیر میں مار ب
 آج ہی جو منظور اُن کو استہساں اپنا
 منتظر اک بلندی پر۔ اور ہم بنا سکتے
 عرش سے اُدھر مڑنا۔ کاش کے مکاں اپنا
 ہے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
 بارے۔ آسٹنا نکلا اُن کا پاسیاں اپنا
 دل لکھوں کب تک؟ جاؤں اُن کو دکھنا اعلیٰ
 انگلیاں نکلا اپنی خامہ خوں چکاں اپنا
 گتے گتے مٹ جاتا آپ نے بحث بہ لا
 ننگ سجدہ سے پیرے رنگ آستان اپنا
 ہمارے نہ غمادی۔ کر یا جو دشمن کو
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہم نہاں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے۔ کس سند میں کیتا تھے
 بے سبب۔ ہوا۔ غالب۔ دشمن آسماں اپنا

لے شاعر صوبہ سے کہتا ہے کہ بزمِ خیر میں انھوں نے کثرت سے شراب کیوں پی۔ کیا انھیں اپنے استقلال
 اور وقار کی کامیابی کا مستحکم منظور تھا؟ اس مقام انکا یہی جو مطلب ہے جو کہ امتحانِ منکورد تھا۔ بلکہ شراب کے نشے
 سے بے تکلف ہوا اور نظر تھا۔ ۱۰

کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا

سر نہ مفت نظر ہوں۔ مری قیمت ہے
دھست نالہ بجے دے۔ کہ مبادا ظالم

غافل۔ ہر دہم ناز۔ خود آرا ہو۔ در نہ یاں
بے شانہ صبا نہیں طستہ گیاہ کا
بزم قیج سے۔ عیش تماشہ رکھ۔ کہ رنگ
ضیہ زدام جستہ ہی۔ اس دامن گھاہ کا
رحمت اگر قبول کرے۔ کیا بید ہو
شرمدگی سے۔ غدر نہ کر ناگاہ کا
مقتل کو۔ کس نشاط سے جاتا ہوں میں۔ کہ ہر
بہر گشت خیالی زخم سے۔ دامن گھاہ کا

جائے۔ در ہوائے یک نگہ گرم ہے۔ اس
پردانہ ہو دکیل۔ ترے داد خواہ کا

شع صید زدام جستہ ہر دامن سے ٹھکرا ہوا شکار۔ بزم عیش کے ناگ کو شاعر نے صید زدام جستہ کہا ہے۔
مطلب یہ کہ کیا میں بزم عیش کا ناگ ایسا شکار جو مگر کسی کے قبضہ میں نہیں ہو سکتا۔ عیش و تنگی کا لالہ کی
کی حرکت اشارہ ہے۔

عہ پر گل۔ بہر لوں سے بھرا ہوا۔ زخم کو بہر لوں سے مشابہت دی ہے۔ مقتل کو میں خوش خوش شوق شہادت
میں جا رہا ہوں۔ زخموں کی بار بیری نظروں میں سناٹی ہوئی ہے۔
تکہ ہوا۔ شوق کو زخم۔ نگہ گرم۔ تو محبت۔ مطلب یہ کہ کسی درد کی جان یک گھاہ محبت کی آواز میں ہو گیا

جور سے باز آئے تھے۔ باز آئیں کیا؟
 رات دن گردش میں ہیں سات اہل
 لاگ ہو تو اس کو ہم کبھیں نہ لگاؤ
 ہو لیے کیوں۔ نامہ ہر کے ساتھ ساتھ
 مچھ خوں سرے گز رہی کیوں نہ جاؤ
 عمر بھر دیکھا کیسا مرنے کی راہ

کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا؟
 جو رہے گا کچھ نہ کچھ۔ ٹھہر جائیں کیا؟
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا؟
 یارب۔ اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؟
 آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟
 مر گئے پر۔ دیکھیے۔ دکھائیں کیا؟

پوچھتے ہیں وہ۔ کہ۔ "غالب کون ہو؟"
 کوئی بتلاؤ۔ کہ۔ ہم بستلائیں کیا؟

لطافت۔ بے کثافت۔ جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
 چمن رنگارنگ۔ آئینہ باد و ہوا سی کا
 حریفِ پوشش دریا نہیں خود داری ساحل
 ہاں ساقی ہوتا۔ اہل جو۔ دھوئی ہوشیاری کا

وہ نہری کرنگا۔ گہر میں چلیں اپنے کرتا ہو اور اس مقصد کے لئے نہری زمیں اس لئے ہوا نے کہا، ہاں وکیل کہہ دو
 (یہ دانت بھی قلع کے قلع میں اپنی جان سے دیتا ہو) ۱۲

۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲۔

عہدِ بغیر کثافت کے لطافت جلوہ گر نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ کہ بے قلع بارہ طرہ جرحہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر
 مصرعے میں اس بیان کا مثالی ثبوت دیا گیا ہو یعنی بار بار ی کے جور سے کے منہ پر چڑھنے کا چمن ہی
 نہ رہے ہوتا ہو ۱۲۔

عشرتِ قطرہ کی۔ دیا میں قہر۔ ہو جانا
 تجھ سے قسمت میں می۔ صورتِ قفلِ احد
 دل ہوا کشمکشِ چارہ زحمت میں قلم
 اب جھلے بھی ہیں محروم ہم۔ اندیشہ
 ضعف سے۔ گرہ تبدیل بدویم سر دہوا
 دل سے ریشتری انگشتِ خانی کا خیال
 ہی مجھے ابرباری کا برس کر کھلنا
 گزینِ بخت گل کرتے کوچ کی ہوس
 اکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہواے صیقل

درد کا حد سے گزرتا ہو۔ دوا ہو جانا
 تھا لکھا بات کے بنتے ہی۔ جدا ہو جانا
 مٹ گیا گھسنے میں۔ اس عقدہ کا۔ دوا ہو جانا
 اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
 روتے روتے غمِ فرقت میں قفا ہو جانا
 کیوں ہے گردِ بد جولان صبا ہو جانا
 دیکھ ہر سات میں۔ سبز آئینے کا ہو جانا

لہذا وہ جب حد سے گزرتا ہو۔ مریض فنا ہو جاتا ہو۔ مریض کو موت کے آجانے سے درد کی تکلیف کی
 نجات ہو جاتی ہو۔ اور وہ جس حالت سے بیاں آیا تھا اسی کی طرف مدعا رہتا ہو گویا جزائے کل میں لہجہ آواز
 اور یہی انسانی ہستی کا عین مقصد ہو جس طرح قطرہ کا دیا میں مل جانا اس کا مقصد اور اس کے لیے اسے سرچکا
 سے قفل بھرا۔ وہ قفل جس میں ملتوں پر حروف ابجد ثبت ہوتے ہیں۔ اور جس وقت تک اسے سب حروف کے
 ترتیب پانے سے۔ وہ کلمہ واضح نہ ہو سکتا اور نہیں ہی جانا قفل نہیں کھلتا۔ آجائے نہ وہ شہر ہو یا بازار
 سے زحمت دل کے دور کرنے کی اس قدر کوشش کی گئی کہ دل ہی تمام ہو گیا۔ گویا ایک گرہ تھی جو گھسنے لگی
 سے مسئلہ استوار و نامر جس کو کھلانے چاہتے ہیں غالب سے بھی پوچھنا تھا۔ اس شعر میں اسی
 مسئلہ کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہو ۱۱۔

لہذا ہر اس صیقل یعنی شرع ہوا جو سننِ خواہش کہتے ہیں اور بعض نے اصل ہوا سے مراد دل کی۔ مطلب یہ ہو
 کہ وہ کسم ہر سات میں یا خیر نہ ہو یہی رنگِ آملاتی ہو وہ گویا سبز ہو جس کو ہر اسے صیقل نے پیدا کیا ہو ۱۲۔

بخشے، جو بلوکلے۔ ذوق تماشا۔ غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں، اے ہو جانا

رویف (پ)

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال گشا۔ سچ شراب
 دے بڑھ مو کو۔ دل دمت شنا۔ سچ شراب
 پوچھ مت۔ وہ سہ سہ سستی ارباب مین
 سائے تاک میں ہوتی ہو۔ ہوا سچ شراب
 جو ہو غرقہ امی۔ بخت رسا دکھتا ہو
 سرے گزے بے بھی ہو بال سچ شراب
 جو ہر سات وہ موسم کہ عجب کیا ہو؟ اگر
 سچ ہستی کو۔ کرے فیض ہوا۔ سچ شراب

۱۔ غلاب جلوه گل ذوقی تر آغشته ہو۔ دوسرے مصرع میں ذوق تماشا کی تفسیر جان کی گئی ہو۔
۲۔ صبح شرب ابل کشا ہو۔ صبح شرب ابلہا اور کھولے یعنی دودھ شرب شروع ہو۔ ابلہ تو شرب کی مراد ہی ہے۔
۳۔ بطح کی شکل ہو۔ طرہ من مشا و شاد و بی کادل۔ دست یعنی چیراکی کی قوت ۱۰
۴۔ در آب گین۔ رخ کے درخت اور پورے ۱۲۔

یہ سچ شرب کا ہے گونا گونا گشتی کا حد سے گزر جائے ۱۲

جس قدر روحِ نباتی ہو۔ جگر تشنهٔ ناز
 دے ہو تسکین۔ ہدم آبِ بقا۔ مہجِ شراب
 بس کہ دوشے ہو۔ بگ تاک میں غل ہو ہو کر
 شہرِ رنگ سے۔ ہر اہل کشتۂ مہجِ شراب
 سوچۂ مشکل سے۔ چراغاں ہو گزرگا وہ خیال
 ہو تصور میں نہیں۔ جلوۂ فنا۔ مہجِ شراب
 نئے کے پردے میں ہی مجھ تماشا نے دماغ
 بس کہ رکھتی ہو سر نشو و نما۔ مہجِ شراب
 ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل
 نوحۂ ہزاراؤں خیرے - ۳ - مہجِ شراب

طبع روحِ نباتی، رقتِ نامید۔ یعنی وہ قوت جس سے نباتات اور حیوانات بڑھتے ہیں۔ جگر تشنهٔ ناز یعنی شطآنِ نازناں کے یہاں پانی کا اور ذخائر اور۔ خوشنود کا لالہ ہو۔ مطلب یہ کہ جس قدر قوتِ لومستانی اور انسانی قدر مہجِ شراب کہ ساحتِ بین کا کس کو کیرا کرتی ہو یعنی شراب سے قوتِ لوم کے خشن اور افس کے ناز میں ترقی ہوتی ہو ۱۴۔

مہجِ شراب کو مہجِ شراب کو مہجِ شراب کی نسبت دی گئی ہو۔ جگر ہم گل کر چراغاں سے مشابہ کیا ہو ۱۵۔
 شہرِ رنگ سے۔ سر نشو و نما۔ دماغ کے نشو و نما کا خیال ۱۶۔
 طوفانی کیفیت۔ طوفان کا انداز رکھنے والی فصل سے موسمِ بارش مراد ہو۔ مطلب یہ کہ موسمِ بارش کی طوفانی کیفیت سے مہجِ شراب پر کہاں شکر کر رہی ہو ۱۷۔

شرح ہنگامہ ہستی ہو۔ زہے موسم گل
 ہر قطرہ بہ دریا ہو۔ خوشا۔ منج شراب
 جوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد
 پھر ہوا وقت۔ کہ ہوا بال گشا۔ منج شراب

رہیف (ت)

افسوس کہ خداں کا کیا رزق فلک نے
 کافی ہو۔ نشانی تری۔ پھلتے کا نہ دینا
 جن لوگوں کی تھی درخوردہ گہرا گشت
 خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر گشت

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
 ۱۔ لکھ نہ سکے کوئی۔ مرے حرف پر انگشت

۱۔ موسم گل کیا اچھا ہو کہ ہنگامہ ہستی کی شرح ہو چونکہ موسم گل بھی ہنگامہ ہستی کی مانند ہو لہذا اسے چھپانے
 اور اس سے اسے شمع کہا گیا۔ ۲۔ منج شراب کیا اسی اچھی چیز کو کہ دریا میں تھوڑے سا لے کر بہہ ہو۔ چونکہ خداں کا
 کوریا ہے ملائی ہو۔ ۳۔ اس لیے شراب کی بے غرضی کو جو خدا سے مشابہ ہو تو اسے کہ دریا میں جانے کا بہرہ کہا گیا ہو۔
 ۴۔ دیکھ یعنی دیکھو کہ خدا میں نہ گدیں کی نگاہیں اس قابل نہیں کہ موتوں کی تری نہایتیں یعنی ہر لوگ متوال داسودہ جا
 ہوتے ہ وہ وقتوں کا رزق ہیں انہیں یعنی اب وہ خداں سے نہی انگلیاں کاٹ رہے ہیں۔ ۵۔ انگشت
 بہ دریاں۔ ۶۔ فارسی کا ایک نام وہو شاعر نے اسی نام سے اس خیال کو لیا ہو شوکا مطلب یہ ہو کہ دنیا میں ان کی
 افلاس کی حالت میں میرے کہ ہے جس نوٹا، ایک شاعر نے خداں کو دنیا میں پڑھ کر شرح کی ہو

پھر اک روز مزاجی حضرت سلامت
 لکھے یہ خداوند نعمت! سلامت
 مبارک۔ مبارک۔ سلامت۔ سلامت
 قماشائے نیزنگِ صورت سلامت

رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت
 جگر کو مرے عشقِ خوں ناپہ مشرب
 علی الرغمِ دشمن۔ شہیدِ وفاہوں
 نہیں گر۔ سرد برگ اور اک معنی

منہ گیش کھولتے ہی کھولتے انگلیں غالب

یار لائے مرے! ایسے پائے۔ پر کس وقت!

آہِ خطے بھو اہو سزد۔ جو۔ بازارِ دوست
 دودھِ کشیدہ تھا۔ شاید خطِ رخسارِ دوست
 اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
 کون لا سکتا ہے تاپِ جلوہ دیدارِ دوست؟
 خانہ دیراں سازی حیرت۔ تماشا کیجیے
 صورتِ نقشِ قدم ہوں۔ رفتہ رفتارِ دوست

میں نے انہوں نے دیکھا کہ دودھ کی جھجک کھا جو او۔ دودھ پڑے کہ
 بچتے ہیں ۱۱

۱۲ علی الرغمِ برخلاف وہ کس (خیم کے منہ) من شاگ ہیں آؤدھوٹے کے ہیں ۱۱ اس شرمِ طاعت خواہشِ رقیب
 شہید دلا ہوئے پر مبارکبادی وہی گئی ہو۔

۱۳ مراد یہ کہ درساں سفر مطلب یہ جو گھر ہم عالم سنی کا اور اک نہیں کر سکتے تو قماشائے صورت ہی سہی۔ ۱۴
 ۱۵ غورِ رخسار۔ دوست کو دودھ کشیدہ سے مشابہ کیا گیا جو ۱۲ خانہ دیراں سازی کی حیرت و خانہ دیرانی جو

عشق میں - بیدا و رشکِ غیر نے مار لی تھی
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
 چشمِ مار و شش - کہ اس بے درد کا دل شاہو
 دیدہ پر خوں ہمارا - ساغرِ سرشارِ دوست
 غیروں کرتا ہی میری پرکشش اُس کے بھروسے
 بے تکلفِ دوست ہو جیسے کوئی - غمِ خوارِ دوست
 تاکہ میں جانوں - کہ جو اُس کی رسائی و اتنا تک
 مجھ کو دیتا ہی - پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
 جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیفِ داغ
 سر کرے ہی - وہ - حدیثِ زلفِ غیرِ دوست
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہی اگر
 ہنس کے کرتا ہی بیانِ شوخی گستاخِ دوست
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے؟
 ایساں کیجئے - سپاسِ لذتِ آزارِ دوست
 یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی جو آپ
 ہو - حدیثِ شعر میں غالب - زبیں تکرارِ دوست

جو صحت کے انھوں ہوئی - رفتہ رفتہ دوست - تکرارِ دوست کا دارفتہ یعنی مشہد

ردیف (ج)

قری کا طوق - حلقہ پروان درہو کج
سارِ نقش - کند شکار اثر - ہو کج
سیلا سحر کے در پہ دیوار و دیوار کج

نکشن میں بند و بست بہ رنگ اگر ہو کج
آہو ایک پارہٴ دل - ہر نفس کے ملکہ
اسے عافیت کن رہ کر اسے انتظام چل

اچھا اگر نہ ہو - تو سٹھا کا - کیا علاج؟

لو ہم مریضِ عشق کے بیمار داریں

ردیف (چ)

اگر شراب نہیں - انتظارِ صبا غریب

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ

ملہ حلقہٴ پروان درہو آوازِ شخص سے اندازے کی اجازت نہ ہو - مطلب یہ کہ جو کج بلج میں کج ایسی روک
تو کہ جو کہ قری تک کا گز رہیں ۱۱

عجیب ہے ہر نفس اثر کے شکار کرنے کو ایک کند بنا ہوا ہو یعنی یہ نصیبی ہے اُن کا اثر ہو رہا ہو کہ ہر آہ کے ساتھ
تو کہ بارہٴ دل باہر آتا ہو ۱۲

کون کا علاج دیکھا سزا ۱۳

یہ نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ اگر نہ دیکھ کر ۱۴

کمال گرمی سہی تاش دید۔ نہ پوچھ
 تجھے بہانہ راحت ہو۔ انتظار۔ اسے دل
 ترستی طرف ہو بہ حسرت۔ نظارہ نرگس
 بہ نیم غمزدہ۔ ادا کر حق و دیوت ناز
 مے قح میں جو صباے آتش خیال

بزرگ خار مرے آمینہ سے جو ہر کھنچ
 کیا ہو کس نے اشارہ ہکا بہ ڈیستہ کھنچ
 بکوری دل چشم رقیب۔ ساغر کھنچ
 نیام پر وہ زخم جگر سے خنجر کھنچ
 بروئے سفر۔ کتاب دل سمندر کھنچ

لہ تاش بر وزن غرضی۔ یہ معنی سہی و جستجو۔ یہ لفظ ترکی جو اسی وجہ سے اس کا اسم فاعل کامل کرنے والے
 کے معنی میں مشابہتی بیجا حوام ہونے میں غلط ہو تاشی صحیح ہو گا۔

غالب کا یہ شوائب شکل اور پیچیدہ، خادیں سے جیوں کا مطلب کھنچے میں بال حق مختلف قرار ہے۔ ظاہر کرتا ہے کہ
 غائب میری سرگرمی کی شہادت ہے کمال ادنیٰ کے قدر، ان کی غامض کی کوشش کا نو ذرا کر دیکھ کر کہ وہ تو تلخ ہی
 نہیں، بہتر ہو کہ میرے آئینہ دل سے تو کھنچے کی طرح سے جو کہ حال کے معنی میں ایک کڑی کمال ہی کھنچے سے
 ہو جائے۔ ظاہر دلنے کی شکایت کرتا ہو وہ دیکھنا جو کہ اس دلنے میں بل کمال کی قدر نہیں بلکہ ناقابل
 پر چھ جاتے ہیں، اس لیے وہ حسرت کے ساتھ اپنے کمال کے سلب ہو جانے کی آواز کرتا ہو۔

لہ ناو سبز کھنچیں اور سبز پریسٹو کے خندا کا انتھار کا ظاہر اپنے دل سے غائب ہو کر گستاخ کو کہ تو جو مشوق کے تھلا
 کے محلے سے سست رہا، رہا ہو، تیرا تمام طبی جو منہ مشوق کی طرف سے اشارہ ہو گیا نہیں ہوا ہو۔ ۱۲۔
 عہد چکر تو گھر مشوق کی طرف۔ حسرت کے ساتھ قلم و کلام ہو۔ اس لیے ظاہر ہے اس کو بتا دیتا کہ وہ غرضی کہ
 اپنے مشوق کی طرف دلیب ہو کر گستاخ نہیں ہو سکتا۔ لیس ظاہر اس کے اندر سے ہو جانے کی خواہش کا ظاہر اپنے

مشوق پہنچنا تا حدیث پہنچے گی کہ تو جو مشوق سے گستاخ کو تو خراب رقیب کے دل پہنچ کر کوئی پہنچا ہی اس کے اندر کی
 خادیں کی دیریں سا غرضی دستور کو شرب کسی کی لاپہ پیچہ ہیں جہاں خادیم صحت و دیوانہ کی ہم سفری تہی ہیں جہاں کہہ
 ہم تمام انتھار کا کلام دینی جان ظاہر اپنے مشوق سے خطاب ہو کر گستاخ ہو خیرا کہ اس نے تو دل پہنچ کر کہہ دے کہ
 بات کھتا ہو وہ نہ تو چکر کو خیرا کہ تمام تر ادب تو اپنے خیرا کہ میرے نرم مگر سے کمال نہ اس بلات کا ساتھ
 نیم غمزدہ سے داکر خیرا کہ اکیں سے ایک نظر لکھ کر لکھ کے غم کے سے جگر سے اشارہ کہنے کے ہیں اس لیے ہم دیکھ کر
 اشارہ کے ہے "نیم غمزدہ" غائب نے متغیر کیا ہو۔ نہایت لطیف مضحکہ ہو۔

یہ ہرے جیم دل میں سست جس کی طاعت کی شرب کئی جہاں جہاں ہو شرب کئی جہاں کاشی بھی ہو تاشی غرضی

روایت (د)

سُن - غمزے کی کشاکش سے چٹھامیرے بعد
 بارے - آرام سے ہیں - اہلِ جنامیرے بعد
 منصبِ شیفٹنگل کے کوئی قابل نہ رہا
 ہوئی معزولی اذاز و ادا میرے بعد
 شمع بجھتی ہے - تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
 شعلہء عشق بسیرِ پوش ہوا میرے بعد
 خوں ہو دل خاک میں - احوال بتاں پر مبنی
 اُن کے ناخن ہوئے محتاجِ خمیرے بعد
 دُغورِ عرض نہیں - جو ہر بے داو کو - جا
 بگر ناز ہو سرے سے خفا میرے بعد

گرمی اور آگ کی گرمی سے بھی مناجست ہو، میں ضرورت ہو کہ دستِ خزانہ، منہ رکے دل کے کباب بھی پختہ
 پائیں۔ منہ رکے۔ دل کے کباب اس لیے کچے گئے کہ دل چھپا ہوا ہو تا جو۔ چونکہ شرب بھی چھپی ہوئی آگ کے اندر ہے
 اس لیے اس کے پھیلنے کے لیے حسد، دیکھ جانور ہو تا جو؟ انگڑی میں، چٹا ہوا جب آگ سے باہر آتا ہو
 جاتا ہے کھال کے کباب شاعر نے طلب کیے ہیں کچھ نادر سی مادہ کا ترجمہ ہو۔ اردو میں دستِ خزانہ برکھانے کے
 لیے کھینچتا نہیں، لے کر بگر کھانا یا چٹا ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں صرف الفاظ کی خوبی رکھی گئی تو۔ ۴
 نہ خاک میں۔ یعنی گرمی۔ مطلب ہے کہ گرمی نہ چڑھ کر اور دل احوال بتاں پر نہیں گرنا کہ انہوں نے میرے
 سرگ میں سندی گا، چوڑ دی ہو۔ شاعر دُغورِ عرض و دُغور کے قابل۔ شاعر کشاکش ہو کر چھپ رہا ہے کہ نہارا

ہو جنوں۔ اہل جنوں کے لیے۔ آفریں وواع
 جاگ ہوتا ہو گریباں سے جدا میرے بعد
 کون ہوتا ہو حریفِ عمر و انگنِ عشق؟
 ہو کر لبِ ساقی پے صلا میرے بعد
 غم سے مریا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کرے تعزیتِ مرد و وفا میرے بعد
 اُسے ہو بے کسی عشق پہ رونا غالب
 کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

کے لیے اب کوئی مناسب جگہ اتنی نہیں ہے اس لیے شوقِ کلا وانا ز سرے خطا ہو۔ یعنی اس نے
 بہت بعد سے ملنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں تو ہوں ابی نہیں اب سرِ شاگردِ نشاۃِ بیداد کس کو بتایا جائے ۱۲۔
 لے آفریں وواع ہو۔ یعنی رخصت ہو رہا ہوتا ہو کہ میرے بعد جنوں اہل جنوں سے رخصت ہو رہا ہو۔
 وہ چاک گریباں سے ہر ہوتا ہو صاحب ہو کہ میں نے جنوں۔ وہ چاک گریباں کا قصہ ہی تمام کر دیا۔
 عہد اس شرمساز۔ کز سے عجیبِ خوبی پیدا کر دی ہو۔ اودا صغرِ اول کو سواہرِ لہجے میں بڑھنے سے سلیم ہوتا ہو
 عشقِ کلا کوئی بچہ جو مردانگی عشق کا حریف ہو؟ "یعنی کوئی ہو جو غالب کی برابری کرے لیکن جب کوئی اس کو نہ
 برے سے حسرتاؤ پھر وہ بلا سناہ پلے میں کتا ہو" کون ہوتا ہو حریفِ عمر و انگنِ عشق "یعنی کوئی نہیں ہوتا ہو
 عہد شاہِ عرکت ہو کہ مرنے سے پہلے مجھے اس بات کا علم ہو کہ میرے بعد کوئی سر و وفا کی ہمدردی کرے والا بھی
 باقی رہے گا یعنی مرد و وفا کا میرے بعد خاتمہ ہو جائے گا ۱۳۔

عہد صغرِ مثنائی میں سیلابِ پے سے عشقِ مراد ہو شاہِ کلا ہو کلا کے مرنے کے بعد جشنِ کاہر و شہناہ کلا کوئی
 دنیا میں اتنی نہ رہے گا کیونکہ وہ سیلابِ بلا ہو امد اس لیے سوا غالب کے ایسا کون جو اس مرد ہی جو اس جاگ
 ہو گھر مریا جانا پسند کرے ۱۴

ردیف (ر)

بھکاؤ شوق کو ہیں۔ بال و پر۔ درو دیوار
 کہ جو گئے مرے دیوار دور۔ درو دیوار
 گئے ہیں چند قدیم پیشتر۔ درو دیوار
 کہ مست ہو تے کہ چہ میں ہر درو دیوار
 کہ ہیں۔ کوکان متاع نظر۔ درو دیوار
 کہ گر پڑے۔ نہ مرے پاؤں پر درو دیوار
 ہوئے قدار درو دیوار پر۔ درو دیوار
 ہمیشہ روتے ہیں ہم۔ دیکھ کر۔ درو دیوار
 کہ نہایتے ہیں پڑے۔ سرسبز درو دیوار۔

بلستے۔ ہیں جیہ پیش نظر۔ درو دیوار
 و قوراشک نے۔ کاشانے کا کیا یہ رنگ
 نہیں ہو سایہ۔ کہ سٹھ کر نویدِ مقدم یاد
 ہوئی ہو کس قدر ارزانی جو جلوہ !
 جو ہو تجھے ہر سودائے انتظار۔ تو۔ آ
 چوم گریہ کا سان کب کیا میں نے ؟
 وہ آہ مارے ہمارے میں۔ تو سائے سے
 نظریں کھلے دیں تیرے گھر کی آبادی
 نہ پوچھ رہے خودی عیش۔ مقدم سیلاب

لہ درو دیوار دور۔ درو دیوار گئے۔ نظریں کا یہ لٹک پھر نہایت ہانزہ جو۔ مطلب یہ کہ درو دیوار سے جو کہ
 دروازہ کا کام دینے لگی ہیں جہاں پر درو دیوار کی نظر آتی تھی وہاں راستہ چلنے کا اور دروازہ کے منہ سے
 ہونے سے اس کی شے کا خار بطور دیوار کے ہو گیا جو ۱۱
 لہ سایہ درو دیوار کا سایہ۔ چہرے کا سایہ اس سے کہے بڑھتا ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے درو دیوار کا سایہ
 جو اس سے آگے بڑھ کر چلا گیا ہو گویا درو دیوار میں جو اس کے استہال کے بے چند قدم آگے کو بڑھ گیا
 ہیں ۱۲۔

لہ سایہ سے اس پر دینے سایہ ۱۳

لہ سیلاب کی آمد کا نتیجہ غارت جاتی ہو کر رہا ہو۔ شاعر اس کو اپنے خودی عیش سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

نہ کہہ کسی سے کہ غالب۔ نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت۔ مگر۔ درو درو اور

کھر جب بنایا ترے در پر۔ کہے بغیر
کہتے ہیں جب رہی نہ تجھے طاقتِ سخن
کام اس سے آٹھا ہو۔ کہ جس کا جان ہی
ہی میں ہی کچھ نہیں ہو مہارے دگر نہ ہم
چوڑوں گامین نہ اس بخت کا فرکا چنا
مقصود ہو نادو غمزہ۔ ملے۔ ٹھٹھکیوں کا
بہراہوں میں۔ تو چلیے۔ دوقلمِ انقلا

جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر؟ کہے بغیر
”جاؤں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر؟“
یہی نہ کوئی نام۔ سستگر۔ کہے بغیر
سر جائے یا رہے نہ ہیں پر۔ کہے بغیر
پھوڑے زخموں۔ گو۔ تجھے کافر کہے بغیر
نبی نہیں ہو۔ داد و ساغر۔ کہے بغیر
سنا نہیں ہوں بات کو تر کہے بغیر

غالب۔ نہ کہ ضرور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہو تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

کیوں جل گیا نہ تپ بُوخ پارو کچھ کر؟
آتشِ پست کہتے ہیں۔ اہلِ جہاں مجھے
کیا آبرو سے عشقِ جہاں عام ہو جفا۔

جلتا ہوں۔ اپنی طاقتِ دیہ اور دکھ کر
سرگرم ناہائے شہر بادِ کچھ کر
رکتا ہوں۔ تم کو بے سبب زار۔ دیکھ کر

سبب کی آمد سے درو درو کے گونے کو ۱۰ دھس گھٹنا ہو۔ قص کو پیش سے جو نسبت ہو دوقلم ہر دو ۱۲

آتا ہو میرے قتل کو۔ پر جوش شک سے
ثابت ہوا ہو۔ گردن جتنا پہ خون خلق
واسر تا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
بیک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
دُعا راندہ۔ سچہ صد دانہ تو دیا مال
ان آہلوں سے پانوں کے گھبرا گیا تھیں
کیا یہ گماں ہو مجھ سے کہ آغیہ میں سر
گرنی تھی ہم پہ برق تھلی۔ نہ طور پر

مڑا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
لڑے جو صبح کو تری رفتار دیکھ کر
ہم کو مر بیس لذتِ آزار دیکھ کر
لیکن عیاں طبع خریہ آزار دیکھ کر
رہو چلے ہی راہ کو ہمارا دیکھ کر
جی خوش ہوا ہی راہ کو پُر خار دیکھ کر
طولی کا عکس تجھے ہی دکھا دیکھ کر
دیتے ہیں یادہ۔ ظرفِ قح خواب دیکھ کر

سر بچو زنا دہ غالبِ شوریہ، حال نہا
یاد آ گیا مجھے۔ تری دیوار دیکھ کر

لڑتا ہی مرادل۔ زحمتِ مہرِ درخشاں پر

میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہر خارِ بیاباں پر

لہ جوشِ شک سے مڑا ہوں: سب تلوار کی اس خوش قسمتی پر کہ وہ مشوق کے ہاتھ میں جو شک
کرتا ہوں ۱۱

عہ جب تو شراب پی کر چلتا ہو تو تیری رفتارِ مستانہ کو دیکھ کر حیرتِ عجز کو زہا جانا ہو اس بات سے یہ ثابت
ہو جاتا ہو کہ خونِ خلق کا باعث بھی کشیدہ شراب ہو نہ تو شراب پیتا نہ تیری رفتارِ مستانہ سے خلق کا خون
تکہ اپنے مشوق کی آغوش کے بلوائی کو بیان کرتا جو مطلب اس شعر کا ہے کہ میرے آئینہ دل میں زنگار

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی غلامی

سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی جو زنداں پر
خاکِ تعلیم دس بے خودی ہوں اُس نے سے

کہ۔ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستان پر
فرغت کس قدر رہتی تھی تشویش مرہم ہے!

بہم خر صلح کرتے پارہائے دل ہنسکاں پر
نہیں اقلیمِ الفت میں۔ کوئی طوہارِ ناز ایسا

کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہو دی مہرِ عزائے
مجھے۔ اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ۔ یاد آیا

کہ فرقت میں تری۔ نقشِ برستی تھی گلستاں پر
بجز پردہِ شوقِ ناز۔ کیا باقی رہا ہوگا؟

قیامتِ اک ہوا کے شہد ہے۔ خاکِ شہیدان پر
نہ لونا صبح سے غالب۔ کیا ہوگا اُس شہادت کی

ہمارا بھی تو آخسر زور چلتا جو گریباں پر

یعنی مسرت و ایوی کو دیکھ کر وہ طوطی کا کھس بھٹا جو پہلی کسی دوسرے مشوق کی محبت کو اس ایوی کا
باعث بھی بھٹکا جاتا تھا۔ اس واسطے وہی خود اس کی اپنی مائی اور بے سری کی پیدا کی ہوئی ہو۔
۱۔ ہوا در آخر پشتِ چشم سے شاعر نے افسانہ تخلیہ مراد لیا جو۔ شاعر کا مطلب ہے کہ کبھی طبع و فکر کے
لہذا خدا میں سرکا ہوا تھی بکھا جاتا ہو۔ اسی طرح ناز اور شغل لازم و ملزوم ہیں۔

ہو بس کہ - ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور
 کرتے ہیں محبت - تو گزرتا ہی ٹکس اور
 بارب - وہ نہ بچے ہیں - نہ بچیں گے - مری بات
 دے اور دل اُن کو - جو نہ دے مجھ کو زباں اور
 ہو کئے ہو کیا اُس نگہِ ناز کو چو نہ
 ہو تیر مقرر - مگر اُس کی ہر کہاں اور
 تم شہر میں ہو - تو ہمیں کیا غم ہے جب اُنھیں گے
 لے آئیں گے بازار سے - جا کر دل و جاں اور
 ہر چند ٹپک دست ہوئے بہت مشکینی میں
 ہم ہیں - تو ابھی راہ میں ہو سنگ گراں اور
 ہو خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا
 ہوتے جو کئی - دیدنِ غوں نا پہ فشاں اور
 مرنا ہوں - اس آواز پہ - ہر چند - سراٹ جائے
 جلاؤ کو - لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"
 لوگوں کو ہر غورِ شید جہاں تاب کا دھوکا
 ہر روز دکھاتا ہوں میں - اک داغِ نہاں اور

لے ایک دست و مشاق - "ہم ہیں" اور یہ جن کہ ہم ہیں - خدا رسی کی راہ میں ایک چٹان کے
 مثل حال ہو شاعر کا مطلب - جو کہ ایک اور - مشکینی میں سادہ حال کہ اپنے کے منزل و غافل تک پہنچنے
 کے لیے خود کو نہ دیکھتے ہی ضرورت ہو۔

بیٹا اگر دل تمہیں دیتا - کوئی دم چین
 کرتا - چرنا - مرنا - کوئی دن - آہ و فغاں اور
 پاتے نہیں جب باہ - تو چسٹہ جاتے ہیں نالے
 نکلتی ہو مری طبع - تو ہوتی ہو رداں اور
 ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
 کہتے ہیں کہ "غالب کا ہی ادا زیباں اور"

صفائے حیرت آئینہ سامانِ رنگِ آخر
 تنہا آپ برجامندہ کا - پاتا ہی رنگ - آخر
 نہ کی سامانِ عیش و تہجد نے تقدیر وشت کی
 ہوا - جام زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ آخر

جنوں کی دست گیری کس سے ہو؟ گر ہونہ عریانی
 گریباں جاگ کا حق ہو گیا ہی میری گردن پر

یہ وہ شرمسار قہقہہ لعلی واقع ہوئی جو اسی نے شر کو مٹا دیا اور مرزا کی طرف سے اس کے منتہی گئے
 ہیں بہت لطیف فکر یہ کوئی گوریلو کو چھین کے کرنا لڑا جو آہ و فغاں سے جہلی میں سفید موزی اور لعلی و غلام
 مصوب ہیں فارسی میں قہقہہ موزی عیب اور قہقہہ لعلی جائز بلکہ فضیلت ہے۔ رنجہ قہقہہ بہ نادر ہے کہ کامل میں ہوتا ہے
 یہ کہ اگر دل نہیں دیتا کوئی دم چین - کہ اگر نہ دیتا کوئی دن - آہ و فغاں کرتا ہے

یہ کہ آپ برجامندہ - ایک جگہ غمراہ ہو پائی - مطلب یہ کہ جس طرح ایک جگہ غمراہ ہوئے بانی کا قہقہہ
 ایک رنگ پیدا کرتا ہے یعنی شرم کا یہ کہ جاتی ہو - اسی طرح آئینہ کا صفائی چہرہ سے غمراہ نہ ہو کہ وہ تو غمراہ ہے

برنگ کاغذ آتش زدہ۔ نیزنگ بے تابانی

ہزار آئینہ دل باز سے ہو۔ بال یک پیدل پر

فلک سے ہم کو حشر رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہو؟

شعاع بردہ کو۔ بجھے ہوئے ہیں۔ قرض۔ بھرنے پر

ہم۔ اور۔ وہ بے سبب رنج۔ امشاء دشمن۔ کرکھتا

شعاع مرے تمہت نگر کی۔ چشم روزان پر

نفا کو سوچ کر مشتاق ہو اپنی حقیقت کا

فروغ طالع غاشاک ہو موقوف گلشن پر

اسد بٹل ہو کس انداز کا! قائل سے کتاب

کر مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ثانی میں گریبان سے خطاب کیا گیا ہو۔ گریبان منادی اور سے حرب ندامت و فتنہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اسے گریبان اس چاک کا میری گردن پر حق ہو گیا ہو کہ ش نے مجھے مران کر دیا ہند جنوں کی انگیری بھیروانی کے نہیں ہو سکتی۔ برائی لادہ جنوں ہو۔

۱۔ مصرعہ اول کے آخر میں "جو لادہ فتنہ ہو۔ نیزنگ ارشیدہ۔ بال۔ سا۔ دو۔ اس شعر کی شرحوں ہوئی نیزنگ ثانی غزل کاغذ آتش زدہ ہو کہ دل سے ایک ایک بال پیدل پر ہزار آئینے باز سے ہیں شاعری شعر میں آئینہ سرگ کو ش شعلے سے تشبیہ دی ہو کہ کاغذ آتش زدہ سے بلند ہو۔

۲۔ شعاع بردہ اس میں کوئی نہ لی ہو پختی ۱۲

۳۔ بے سبب رنج۔ بردہ و جد و جہد ہونے والا۔ امشاء دشمن۔ امشوق۔ شاعر کتاب کو کہ ہم کو بے سبب بچہ ہوئے دلے دشمن سے کام چرا ہو مشعل سرگ نہ تفر کو چشم روزان پر نہ نکا ہی کا لڑا سم رکھتا ہو۔ بعض یہ لکھتے ہیں رنج اس کا صہ گیا جو وہ غلط ہو۔

۴۔ اس شعر میں اتفاقاً کس استغفار نہیں ہو۔ لکھ تھا رنج کے لیے کسٹھال ہوا ہو۔

ستم کش مصامت سے ہوں۔ کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں
مختلف بر طرف۔ مل جائے گا۔ تجھ سارقیب۔ آخر

لازم تھا۔ کہ دیکھو میرا رستا کوئی دن اور
تنگ لئے کیوں؟ اب رہو نہا کوئی دن اور
مٹ جائے گا سر۔ گرتا ہتھ نہ گھسے گا
ہوں در پہ تو سے ناصید فرما کوئی دن اور
اے ہوکل۔ اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
ما۔ کہ ہمیشہ نہیں۔ اچھا۔ کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو "قیامت کو ملیں گے"
کیا خوب! قیامت کا ہو گا یا کوئی دن اور
ہاں۔ اے ملک پیر۔ جاں تھا ابھی۔ عارف
کیا تیرا بگڑا؟ جو نہ مڑا کوئی دن اور
تم ماہِ شب چار دہم تھے سرے مگر کے
پھر کیوں نہ رہا مگر کا وہ نقشا کوئی دن اور

۱۔ تجھ سارقیب، تیری شہ دہ سن جو تجھ رہا شوق جو ۱۲
۲۔ عارف، عارف کا قہقہہ، عارف کا ہونہ، عارف کے خسر جو رہتے تھے عارفی میں شوق کو موت آئی۔ یہ
۳۔ غزل، غزل کے موشے کے موشے لگی ہوئی شوق سے پہلے اور بعد کسب، اشعار میں غزل کا خوب کیا جو ۱۳

تم کون سے تھے ایسے مکرے داد و ستد کے؟

کرنا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت کتنی تھی؟

بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا شا کوئی دن اور

گزر ہی نہ ہر حال یہ مدت خوش فاقوش؟

کرنا تھا جواں مرگ گزرا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو۔ کیوں جیتے ہیں غالب؟

قسمت میں ہو مرے کی تمنا کوئی دن اور

زولیف (ز)

جو داغِ عشق زینتِ چپِ کفنِ ہنوز

ہوں گلِ فروزشِ شوخیِ داغِ کفنِ ہنوز

فارغِ مجھے نہ جان۔ کہ مانندِ صبحِ وہر

ہو نازِ منلساں زرازدستِ رختِ پیر

ملکہ تیرا مرزا غالب کے ایک شاگرد شہزادہ اُن کے مخصوص ہیں تھے۔ مارن کو تیرے ساتھ مرزا کی خصوصیت لگوار تھی۔ یہ ایشادہ اسی حادثہ کی طرف ہو ۱۲۔

یہ اس شعر میں چپِ کفن کو صبح سے اور داغِ عشق کو آفتاب سے تشبیہ دی گئی جو مطلب ہے جو کہ میں مرتضیٰ پر بھی عشق سے خالی نہیں ہوں۔ ۱۲۔

<p>مخاض جگر میں۔ یہاں خاک بھی نہیں</p>	<p>خیا زہ کیٹنے ہی بہت ہے ۱۱ دفن ہنوز</p>
<p>خونِ مطلب شکل نہیں۔ فنونِ نیاز شہر بہ ہرزہ۔ بیا باں نور دوم و جود وصال جلوہ آتشا ہی پر دماغ کہاں ہر ایک وزیہ عاشق ہو آفتاب پرست</p>	<p>وہا قبول ہو یا رب۔ کہ غمِ خضر دما ز ہنوز تیرے تصور میں ہو شیب و فراز کہ دیکھے آئینہ اختلا۔ کوہِ پر واز گئی نہ خاک ہوئے پر ہوا سے جلوہ نماز</p>
<p>نچوچ و دستِ مخاض جنوں۔ غالب!</p>	
<p>یہ اشعار میں غم کے خون کو شراب سے نسبت دی ہو۔ مستثنیٰ کی نسبت کیا ہو کہ وہ میرے خون جگر کو شراب کہہ کر پیتا ہو۔ شاعر نے اس شعر میں اپنے مستثنیٰ کی غمخواری کا نقش اس میں کھینچا ہو کہ ابھی میرے جگر میں خون کا ایک قطرہ تک باقی نہیں رہا لیکن وہ اس کی تناسل ایک انگوائیاں لے رہا ہو۔ یہ مستثنیٰ نیاز و مطلب کا آغاز۔ اس شعر میں شاعر نے کمالِ صبر و اداس کا اظہار کیا جو وہ کہتا ہو کہ کسی شکلِ مقصد کے حل ہونے کی دعا تو قبول نہیں ہوتی اس لیے اب ایسی چیز طلب کریں گے جو پہلے ہی سے ہی چکی ہو مثلاً غمِ خضر کی دوا ہی ہو۔ یہ اشعار میں شاعر نے وحدتِ الوجود کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا جو وہ کہتا ہو کہ قریب و دگ سے وہم و جود کے بیا باں میں بھٹکتا ہے مطلب ہو کہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ اختیار کر۔ ہنوز تیرے تصور میں شیب و فراز ہیں یعنی اب تک تیرے تصور کا تمام اہتمام ختم ہو گیا۔ یہ وصالِ جلوہ نما اشارہ ہے تاریکی ترکیب جو یعنی وصال و جلوہ میں کائنات دکھانے والا ہو۔ یہ دوا یعنی صقیل۔ نہ کہتا ہو کہ اختلا کے بعد جلوہ میں آگیا تھا ممکن جو لیکن اختلا کی حالت کے لیے ہو۔ یہ مخاض جنوں و سرسوں کے جنوں کا سہ گرہ دیں۔ آسمانِ خاک ان کا عہدِ خوف جس میں ہر کہہ کر گڑھ صیحا کا پتلا۔</p>	

دوستِ نسی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک
یک قدم کاغذِ آتش زدہ ہو۔ صوفیہ

گزرے ہو۔ آبلہ پا ابر گمبار۔ ہنوز
نفسِ پامیں ہو تپ گر می رفتار ہنوز

کیوں کر اس بے ہوشوں جان عزیز
دل سے نکلا تپ نہ نکلا دل سے

کیا نہیں ہو مجھے ایمان عزیز؟
ہو ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہو اور جان عزیز

نہ محفلِ فتنہ ہوں۔ نہ پر دہ ساز
تو۔ اور آراشِ حسیم کا کل

میں ہوں اپنی شکست کی آواز
میں اور اندیشہ طے دور دراز

لعل شاعر نے اس شعر میں کہیں کی شان دکھائی ہو۔ مطلب یہ کہ کہیں کو خوش کرتے کرتے تنگ نہ آجنا
چاہیئے بگمبار کی مثال سے سبق لینا چاہیئے کہ وہ باوجود آبلہ پائی کے نہ برباد ہوئے ہیں سرگرم رہتا ہو۔
تقراتِ بامان کی جاچو کہ آبلہ پا کہا ہو ۱۲۔

۱۱۔ کاغذ اور صوفی کی مشابہت سے یک قدم کاغذ کیسے کے معنی میں اس شعر میں ہستال کیا گیا ہو شاعر نے جو کہ کیا
ایسا گرم رفتار ہوں کہ میرے قشر قشر میں ابھک وہ گرمی آتی ہو جس سے سیدانِ دشت کاغذِ آتش زدہ
بنا ہوا ہو ۱۳۔

۱۲۔ مطلب یہ کہ کہ مذہبِ عشق میں جو بے جانی عزیز نہ نکلا۔ یعنی اس پر جان قربان نہ کرنا کفر ہو ۱۴۔
۱۳۔ نہ نکلا دل سے اور غرض نہ ہوا ۱۵۔

اُٹتے تمکین۔ فریبِ سادہ دلی
ہوں گرفتارِ اُلفتِ صیتِ ساد
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستم گرے
نہیں دل میں مرے وہ قطرہ غزل
اُسے تراجلوہ۔ یک قافِ انجیسز
تو ہوا جلوہ گر۔ مبارک ہو
مجھ کو چچا۔ تو کچھ غضب نہ ہوا

ہم ہیں۔ اور رازِ ہائے سینہ گداز
وہ نہ باقی ہو طاقب پرواز
ناز کینچوں۔ بجائے حسرتِ ناز
جس سے شرکاء ہوئی نہ ہو گلہ باز
اے تراظم۔ سر پہ سرانداز
روزِ مشن سجدہ جبینِ نیاز
میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں۔ تمام ہوا
اُسے درینا۔ وہ رندِ شاہ باز

۱۔ مطلب یہ کہ عشق میں ہماری پیشگی کہ ہم بعد پڑے ثابت قدم ہیں۔ ہماری سادہ دلی کے
سبب سے آؤ گونکہ ہم اسے دل میں تو ایسے سینہ گداز ماز بھرے ہوئے ہیں جس کے ہوتے ہوئے
لیکن میں ثابت قدمی اور فداکاری و رضا منگی ہو۔

۲۔ اس شعر میں "تو" سے "ہم" معنی "کے لیے" کیا ہو ۱۲

۳۔ یعنی مدامتوں بگوئی سے نکال گیا۔

۴۔ معرود اولیٰ میں "تو" کے بعد "ماذنین" اور معرود ثانی میں "اُسے" کے بعد "اُسے" کا "م" محذوف ہو ۱۲

۵۔ اس شعر کے معرود اولیٰ میں "کچھ غضب نہ ہوا" کے ٹکڑے نے عجیب لطف پیدا کر دیا ہے جو نہایت
کثیر و لطیف ہو۔ اس جملہ کی جگہ کو کافی دوسرا گروہ ابھان پر ضم کر دیا جس نے شق "میرانی کی" تو وہ بات پیدا
نہیں ہوئی ۱۲۔

ردیف (س)

مردہ۔ اسے ذوقِ اسیری۔ کہ نظر آتا ہو

دامِ خالی۔ نفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
جگر تشنہ آزار۔ تسلی نہ ہوا

جوئے خوں ہم نے بہائی۔ بے ہر خار کے پاس
مذ گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں چکرا

نوبِ وقت آئے تم اس عاشقِ مہیا کو پاس
میں بھی رگِ رگ کے نہ مڑا۔ جویاں کے پہلے

دشمن اک تیز سا ہوتا مرے غمِ خوار کے پاس
دہن شیر میں جا بیٹھیے۔ لیکن بے دل!

نہ کھڑے ہو جیسے خوابِ دل آنا کے پاس
دیکھ کر تجھ کو۔ چمن بس کہ نہ کرتا ہو

خود بہ خود پہنچے ہو گل۔ گوشہ دستا کے پاس
مر گیا بھوڑ کے سرِ غالبِ وحشی ہو ہو!

بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

لہ تشنہ آزار۔ خواہشِ مذاکار۔ شاعر نے تسلی نہ ہوا۔ پہنچنی تسلی نہ ہوا۔ بے تسلی پہنچنے والا نہ ہوا اور مذاکار

رویف (ش)

نہ لپٹے گردِ خُش چو ہر طراوتِ بہرہ خط سے
لگا دے خانہ آئینہ میں۔ روئے نگار۔ آتش
زرق و برقِ حسن سے ہوتی ہو حلِ مُشکل عاشق
نہ جھکے۔ شمع کے پاس سے۔ نکالے گردِ خار۔ آتش

رویف (ع)

جادو رہ۔ خور کو وقتِ شام ہو تاوشعاع
بہ جھج واکر تا ہو ماونو سے آغوشِ وداع

۱۔ اس شعر میں جوہر آئینہ کو شاعر نے خُش چو کہا ہو مطلب یہ ہو کہ جوہر آئینہ کو مستحق کے بہرہ خط سے
طراوت پہنچ جاتی ہو ورنہ اس کے آئینہ رخ کے عکس سے خانہ آئینہ میں آگ لگ جائے۔ ۱۰۔
۲۔ موسمِ تپ میں جوڑو مایا ہو اسے خارِ خُش کہنا گیا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ جب موسمِ تپ رہا نہیں ہوتی تو توڑ و سل
پائے خُش سے نکل جاتا ہو یعنی آتش سے خُش کی شکل مل جاتی ہو۔ ۱۲۔
۳۔ یہ صوفی ایک شعر ہو۔ یہاں غزل نہیں ہو غزل سے اس کا تعلق بھی نہیں ہو۔ شاید کسی قصیدہ کا مطلع ہو۔
۴۔ تاوشعاع شاعر نے اُس خط کو کہا ہو جو غروبِ آفتاب کے بعد (امطلع) سے کچھ قبل، ایک خطِ سیفی آسمان پر
دکھائی دیتا ہو۔ اہلِ رصد کی زبان میں اس کو قزح کہتے ہیں، مطلب یہ ہو کہ شام کے وقت آفتاب سفر
کرتے کرتا رہا ہو اور آسمان ماونو کو آغوشِ وداع کی صورت میں ظاہر کر کے نصیحتی ممانعت کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔

ہوئی ہو۔ آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
یہ بات نرم میں روشن ہوئی زبانی شمع
بہارِ اہلِ خواہی۔ فسانہ غزالی شمع
ترے لرزے سے ظاہر ہونا تو اتنی شمع
ہر جلوہ ریزی باد۔ وہ پریشانی شمع
شگفتگی ہو۔ شہیدِ گلِ مخزنِ انی شمع

سُجھتا رہے ہو۔ سوزِ جاودانی شمع
زبانِ اہلِ زبان میں ہو مرگ۔ خاموشی
کرے ہی صرف یہ ایمائے شعلہ قصہ تمام
علمِ اُس کو مسرت پر دانہ کاہی۔ اسی شعلہ
ترے خیال سے روحِ ہمتِ از کرتی ہو
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی ہمارے پوچھ

چلے ہو۔ دیکھ کے بالینِ یارِ پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دلِ پے مرے داغِ بدگمانی شمع؟

۱۔ مطلب یہ ہو کہ مشق کے غم سے غم کو سوزِ جاودانی ہو۔ آتشِ گلِ کو ہر پہلو مشق میں روشنی
کے لیے اب حیاتِ قرار دیا ہو کہ شمع، محلی وقت تک زندہ بھی جاتی ہو جب تک کہ وہ روشن رہے۔
بھی ہوئی شمع کو شاعر شمع کشتہ کہتے ہیں۔

۲۔ شعلہ کو جامِ لب کر کے گتا ہو کہ اسے شعلہ تیرے لرزے سے ظاہر ہو، ہو کہ مسرت پر وہ کے علم سے
شمع انواروں کو ملتی ہو۔

۳۔ اجترِ نابینا جنیش سرور۔ مطلب یہ ہو کہ جس طرح ہو کی جلوہ رہنے سے شمع کو حرکت ہوتی ہو اسی
طرح تیرے خیال سے روحِ جنیش سرور میں آجاتی ہو۔

۴۔ شہیدِ ارعاشق۔ گلِ خزانہ، گلِ خزانہ زود۔ مطلب یہ ہو کہ غمِ عشق کا دن جو خوشی سے برفِ داغ
ہو رہا ہو اس کی کیفیت ہمارے دہ ہے۔ اس کی شگفتگی شمع کے خزاں زدہ گل کی عاشق ہو یعنی فنا
ہونے والی ہو۔

رویت (ف)

محبوریاں تلک ہوئے۔ اکی اختیا حیف
اے نامتائی نفس شملہ بار حیف

تیم رقیب سے نہیں کرتے دواع ہوش
جلتا بچو دل کہ کیوں نہ ہم اک بار حیف

رویت (ک)

کیا مزہ ہوتا۔ اگر تجھ میں بھی ہوتا تلک
ور نہ ہوتا ہی جہاں میں کس قدر پہلا تلک
نالہ بیل کا درد۔ اور خندہ گل کا تلک
گرد ساحل ہی۔ بہ زخم موجہ دریا تلک

زخم پر چمکریں کیاں۔ طفلان بچے پر تلک
گرد راویار۔ جو سامان نافر زخم دل
بچو کو زانی رہے۔ سچہ کو مبارک ہو حیف
شوہر چلاں تمنا کن و بھر کیس تا کہ آج

شہ نفس بہ ہمنہ ۱۰

۱۰ مشوق کے ہمشکی گز۔ ہمارے زخم دل کے لیے شایان مانہو درد دنیا میں تلک تو بہت ہیں ۱۱
۱۱ مطلب یہ کہ تلک چاہے جس قدر زخم دل پر کیوں نہ چھڑکا جس کے لیکن اس میں ۱۲ مزہ نہیں مٹا جو زخم دل
میں ۱۳ راہ گزشتہ کے بھر جانے سے ملتا ہو ۱۴
۱۴ دیکھتے تھے کہ کس مشوق کا گھوڑا آگ گرم چلاں تھا کہ ساس کی گرد سوجھ دیا کہ حق میں تلک بن گئی
مطلب یہ کہ تو سب زیادہ کی گرم چلاں کے مقابلے میں دوسرے جوش و خروش کی کچھ صفت نہیں ۱۵

دودھ دیتا ہو مے زخم جگر کی۔ ۱۰
چھوڑ کر جاتا تیر مجروح عاشق جیت ہی
غیر کی منت نہ کھینچوں گا۔ پے تو فرور

یاد کرتا ہی مجھے۔ دیکھے ہو وہ جس جانک
دل طلب کرتا ہو زخم۔ ہو ناگیں ہیں احسانک
زخم مثل خندہ قاتل ہو۔ سرتا پانک

یاد میں غالب تھے وہ دن ہے کہ وجہ وق میں
زخم سے گرنا۔ تو میں پلوں سے چٹنا تھا تک

آہ کو چلبیے ایک عمر اثر ہونے تک
دام برسیج میں ہے۔ طلقہ صد کام رنگ
عاشقی صبر طلب اور تننا بیتاب
ہم نے املک تغافل نہ کرو گے لیکن
پرتو خود سے ہو شبنم کو فنا کی تسلیم
یک نظر پیش نہیں فرصت ہستی غافل

کون جیتا ہے تری زلف کے سحر نے تک
دیکھیں کیا گزرو ہے۔ خطرے پہ گھر نے تک
دل کی کیا دانگ کروں۔ خون جگر مجھے تک
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
میر بھی ہوں ایک عنایت کی نظر نے تک
گری بزم ہو۔ یک رقص شرر ہونے تک

ملہ زخم جگر کی دودھ دیتا :- زخم جگر رنگ چھوڑنا ۱۲
مہ دل کا کیا دانگ کروں ۱۱۔ دل کے بننا مئے کے لیے کیا تدبیر کروں ۱۲
مہ مشوق کی نظر غالب کو آفتاب کے عکس سے تشبیہ دی ہو ۱۳
مہ اس شعر میں انسان کو غافل کہہ کر غالب کیا ہو۔ ۱۴ سے ۱۷ مفردات ۱۲۱

غیم جتنی کا اسد کس سے ہو؟ جز مرگن علاج
شمع ہر رنگ میں جتنی جو سحر ہوئے تک

رویف (گ)

گر تجھ کو ہی یقین اجابت دعا نامگ
آتا ہو، اے حسرتِ دل کا شمار یاد
یعنی بغیر یک دل بے دعا - نہ نامگ
مجھ سے مرے گنہ کا حساب - ای خدا نامگ

رویف (ل)

ہو کیشِ قدرِ ہلاک فریبِ دوائے گل
آتا جی نسیمِ مبارک - کہ ہر طرف
بلبل کے کارو با پیرِ مرشد - باو گل
ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دامِ ہواو گل

ملہ چیز کے معنی یہاں سوا کے ہیں مطلب یہ کہ دل بے دعا کے سوا کسی اور چیز کے تو حاصل ہونے
کی دعا نامگ معنی جب دل بے دعا ملے گی دعا قبول ہو جائے گی اور وہ تجھے مل جائے گا تو دعا مانگنے
کی ضرورت باقی نہ رہے گی ۱۰
عہ بلبل جو دوائے گل کے قریب کا کشتہ ہو اس کی اس حماقت و سادگی بخود ہول خندہ نکلیں کہ اس نے
خوب دھوکا کھایا ۱۱ کلمہ جو ملے گی :- شوقِ گل - مطلب یہ کہ کونہ گل کے دام میں جو ہوئے گل تیسرے

اے دلے: نالایبِ خویشِ فداے گل
 رکھتا ہو۔ مثلِ سایہ گل۔ سبز بچائے گل
 میرا رقیب ہو۔ نفسِ عطر سائے گل
 نیلے بے شراب۔ و دل بے ہوا گل
 خوں ہو مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل
 بے اختیار دوڑے ہو گل۔ ذرا گل

لے جو تھا۔ سو موجِ رنگ کے دھوکے میں گیا
 خوش حال اس حریفِ بیست کا۔ کرجو
 ایجاد کرتی ہو اسے تیرے لیے ہمار
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے! ہمارے
 سطوت سے تیرے جلوہ حسنِ ظہور کی
 تیرے ہی جلو کا ہی یہ دھوکا کالج تک

غالبؔ مجھے ہی اس سے ہم آغوشی آرزو
 جس کا خیال ہو گل جیبِ تباہے گل

حق کی کس کس جانے سے شوقِ گل کا۔ "میں کسک ہو گیا یعنی بے گل آواز ہو گئی"۔
 نہ مطلب یہ کہ گل کا رنگ و حقیقت تو اسے خون اور نالایبِ چکان پر شخص اس پر سچ رنگ کا دھوکا
 لگا کر فریستہ ہو گیا۔

تجہ سا پہلے سے عاشق سے مست اور گل سے مشوق مراد ہو۔ و ہر مشہدِ ظاہر ہو۔
 تجہ سطوتِ عجب۔ مطلب یہ کہ تیرے حسنِ خیرت مند کے شب سے گل کی "اداکا رنگ میری نگاہ
 میں خون نظر آتا ہو یعنی بھلا نہیں معلوم ہوا۔"

تجہ "اس سے ہم آغوشی آرزو، غالب نے اپنے ذائقِ طبع کے مطابق فارسی کا اور "آرزو آرزو سے
 ہم آغوشی" اور "کا زہر کیا ہو"۔ یعنی اس سے ہم آغوشی کی آرزو ہو جس کے خیال کو گل نے اپنا ذوقِ گریب
 بنایا ہو۔"

روایت (م)

غم نہیں ہوتا ہوا زادوں کو بیش ادیکش
 برق سے کرتے ہیں روشن شمع اتم خانہ ہم
 خلیں برہم کرے ہی گنہگار خیال
 ہیں برق گردانی بیگم یک بت خانہ ہم
 بادچہ و یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
 ہیں چراغانِ شہستانِ دل پر خانہ ہم
 صفت سے ہی نہ قافے یہ ترک جستجو
 ہیں دیال تکیہ گاہِ ہمت سرخانہ ہم
 خانہ ہم انجیس اس میں ہیں لاکوں نشانیں
 جانتے ہیں سینہ پرچوں کو زخاں خانہ ہم

۱۔ خیال کا خلیوں کو برہم کرنا یعنی جو خلیں برہم ہو گئی ہیں ان کی برہمی کی گواہی خانہ کرنا۔ ہم برق گردانی
 بیگم بت خانہ ہم یعنی برق گردانی بیگم بت خانہ ہم۔
 ۲۔ ہم نے جستجو کر دی جو قافے کہ بنا پر نہیں جو یک ہم میں جستجو کی قافے ہی نہیں جو اس لیے ہم کی گاہ
 ہمت مردان کے لیے دیالوں گئے ہیں یعنی مردوں کا سینہ ہم جو کہ ہمت کو، لاکھ گاہ بنائیں لیکن یہ ان
 کے لیے ان کے لیے۔

مناجعات خانہ زنجیر جڑ صدامعلوم

پتال حاصل دہشتی سندراہم کر

مجھ کو دیا رخبر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری جیسی کی شرم
وہ حلقہائے زلف کیں میں ہیں۔ اے خدا
رکھ لہو سیرے دعویٰ دہشتی کی شرم

رویت (ن)

لوں۔ دام بخت خفتہ سے۔ یک خواب خوش ولے
غالب۔ یہ خون ہو کہ کہاں سے ادا کروں

وہ شب و روز دہا و سال کہاں؟
وہ وقت نظر و جوہاں کہاں؟
شوہر سودائے خط و خال کہاں؟
اب وہ رعنائی خیال کہاں؟

وہ فراق اور وہ وصال کہاں؟
فرصت کا رو با بر شوق کسے؟
دل تو دل۔ وہ داغ بھی نہ رہا
نہی وہ اک شخص کے تصور سے

ہاں اس شعر میں اگر کہہ کی جگہ کہیں رکھ دیا جائے تو بالکل غار ہی شعر ہو جائے گا۔ ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ
ہاں دل بستی اپنے ہے جو میں ہ۔ وہ نہ خانہ زنجیر میں جڑ سیر کے اور کیا رکھا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ وہ انکس

دل میں طاقت۔ جگر میں حال۔ کہاں؟
 دیاں جو جاویں گرہ میں حال کہاں؟
 میں کہاں؟ اور وہ وبال کہاں؟

ایسا آساں نہیں۔ لہو رونا
 ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق
 نکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
 وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو چاہتے ہیں
 ہوتی آئی ہو کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
 تج ہم اپنی پریشانی خاطر مان سے
 کہنے جاتے تو ہیں پر۔ دیکھیے کیا کہتے ہیں
 اگلے دفتوں کے ہیں یہ لوگ بغیر کچھ نہ کو
 جو نگو و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
 دل میں آجائے ہو۔ ہوتی ہو جو فرصت بخش ہے
 اور بھر کون سے نالے کو ریا کہتے ہیں
 جو پرے سرحد و ماک سے اپنا سجود
 قبلے کو۔ اہل نظر۔ قبلہ منہ کہتے ہیں

چاہئے جو شرفِ اخروہ ۱۲۔

لے لے لے اس شعر میں ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا جو جہے کہتے ہیں کہ مسلمان

پائے انگار۔ چہ جب سے تجھے ہم آیا ہو
 غارِ رہ کو ترے۔ ہم مر گیا کہتے ہیں
 اک ضرر دل میں ہو۔ اس کوئی گہرے گاکی
 آگ مطلوب ہی ہم کو۔ جو ہو کہتے ہیں
 دیکھئے۔ لاتی ہو اُس شیخ کی نخوت کیا دنگ
 اُس کی ہر بات ہے۔ ہم "نامِ خدا" کہتے ہیں
 دشت و شیفہ۔ اب مرثیہ کہیں شایہ
 مر گیا غالب آشفہ نوا کہتے ہیں

آب رو کیا خاک۔ اُس غل کی۔ کہ گلشن میں نہیں
 ہو گریاں فلک پیرا ہن۔ جو دامن میں نہیں

بھی کہہ کو پڑے ہیں شاعر نے تیار ہو کہ ہمارا سہو و طمع اور ایک کی سرحد سے بھی آدھ ہو۔ یعنی اصل کعبہ کو جس
 نہ صرف وقت و جہد کے محسوس ہوتا ہو۔ بلکہ قوتِ امر و بھی اس کا احساس کرتی جو یکے نیک وہ ہنر و فکر کی
 ایک تعمیر جو ہم بھوہ نہیں کرتے بلکہ ہم اپنے سہو و حقیقی معنی خدا سے وعدہ و شریک کہ سمجھ کر نہیں لیکن جو کہ
 سہوہ کے لیے جہت مزدوری جو اس سبب سے جہت کعبہ کہ میں کر لیا ہو۔ اسی اصول پر فہم کا یہ مسئلہ ہو کہ
 اگر سفر میں کسی کو کعبہ کی سمت سلام نہ ہو تو وہ شخص جس سمت گواہ کے خانہ پڑے گا اسی کی نماز ہو جائیگی
 مطلب یہ ہو کہ کعبہ کی سمت قبلہ نہیں بلکہ قبلہ نما ہو۔

۱۰ مر گیا ایک قسم کی بونی جو جس کی پڑ پڑ شکل انسان ہوئی ہو مشورہ ہو کہ لوگ اس کو بہ طوکل تفسیر پڑے پاس
 کہتے ہیں جس کعبہ پاس۔ بونی ہوئی ہو اس پر لوگ سراپاں ہوتے ہیں۔ ۱۱۔

۱۲ غلام علی خاں دشت تلمیذ عموں احمد غراب مصطفیٰ خاں شیفہ غالب کے دوستوں میں تھے۔ نواب مصطفیٰ

لے گئی۔ ساقی کی خلعت۔ قلم شامی مری
 سچ ٹوکی۔ تاج رگ۔ خیا کی گردن میں نہیں
 ہونشا رضعف میں۔ کیا ناتوانی کی نمود؟
 قد کے۔ بچھکنے کی بھی گنجائش مے تن میں نہیں
 تھی وطن میں شان کیا غالب؟ کہ ہر غربت میں قدر
 بے شکست ہوں۔ شکستِ خن۔ کہ وطن میں نہیں

<p>کراک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہوں ہزار زلف کو نگہ سرمہ سکہوں تو ادا ایک وہ نہ خندیدن کر گیا کہوں ہو ہو۔ خدا نہ کر دے۔ تجھ سے وفا کہوں</p>	<p>عید سے سچ ناز کے باہر نہ آسکا حلقے میں چشم اُسے کشادہ ہو سکا میں اور صد ہزار نواسے جگر خواش ظالم مے گماں سے مجھے منقلب چاہ</p>
<p>میں گیا وقت نہیں ہوں کہ بھرا بھی سکوں بات کچھ سرتو نہیں کہ کٹاٹھا بھی نہ سکوں کیا قسم ہو ترے ملنے کی کہ کھابھی نہیں</p>	<p>مہراں بچکے بجا لو مجھے چاہ جس وقت ضعف میں طعنہ اختیار کا فکروہ کیا ہے؟ نہ ہر لہا ہی نہیں مجھ کو ستم گر۔ ورنہ</p>

ملہ چو کہ پہلے صوفیوں میں عزت کا ذکر اس لیے اُس کی رعایت سے گردنِ بیاں میں سچ کی رگ
 کا کیا۔ کیونکہ وہ کو رگ گردن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ مطلب یہ کہ میری بلا نوشی نے ساقی کا غرور مٹا دیا
 اور خیا کی گردن میں سچ کی رگ نہ ہی نئی سب شے خالی ہو گئی۔ ۱۲۔

ہم سے کھل جاؤ نہ وقت کو پرستی ایک دن
 درد ہم چھیڑیں گے رکھ کر حد پرستی ایک دن
 غرورِ اوج بنائے عالم امکان نہ ہو
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہر پستی ایک دن
 قرض کی پتے تھے دے لیکن سمجھتے تھے کہاں
 دنگ لائے گی ہماری فاقہ پرستی ایک دن
 نغمہ ہائے غم کو بھی اسے دل قیمت جانے
 بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی کیا پن
 دھول و تپا اس سر اپنا نہ کا شیدہ نہیں
 ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پرستی ایک دن

ہم پرچا سے - ترکِ وفا کا لگ ل نہیں
 اک چھیڑی - وگرنہ - مراد استحقاق نہیں
 کس منہ سے شکر کیجیے اس لطیف خاص کا
 پرکشش ہو اور پائے سخن درمیاں نہیں
 ہم کو ستم غریب - ستم گر کو ہم سوزید
 نامہراں نہیں ہو - اگر مہراں نہیں
 ہوسہ نہیں - نہ دیکھیے - دشنام ہی سہی
 آخر دیاں تو رکھتے ہو تم - گردیاں نہیں

ق

ہرچند - جاں گزادی قمر و عتاب ہو
 ہرچند - پشت گری تاب و توان نہیں
 جاں - مطرب ترانہ اہل مین مزید ہو
 لب - پردہ سنج زمزمۃ الاماں نہیں
 خنجر سے چیر سینہ - اگر دل نہ ہو دو نیم
 دل میں چھری چھو - مرہ گر غول چکاں نہیں
 ہو ننگ سینہ دل اگر آتش کہہ نہ ہو
 ہو عیار دل نیشن - اگر آذنتاں نہیں
 نقصاں نہیں - جنوں میں - بلا سے ہو مگر قرب
 سو گز زمیں کے برے بیاہاں - گراں نہیں
 کہتے ہو کیا لکھا ہو تری سر نوشت میں ؟
 گویا جیہیں پہ سجدہ بت کا نشان نہیں

لہذا شعرا نے ہر دے شر کے ساتھ فکر کرنا چاہیے کیوں کہ یہ دونوں شر قطعہ بند ہیں، مطلب یہ کہ
 ہرچند مستحق کا قہر جاں گمان نہ ہو اور ہمارے تاب و طاقت نے جواب دے دیا ہو یعنی ہم اس کو برداشت
 نہیں کر سکتے۔ لیکن پھر بھی ہم اس کے قہر سے الاماں نہیں بگاڑتے بلکہ جان بیکار کا بھی سوال ہو کہ اور کوئی
 ظلم گرا بانی رہ گیا تو ہم اس کے لیے تادم ہوں۔
 عباد آذنتاں و آذنتاں ۱۲

پا ہوں اُس سے داد کچھ ہنسنے کی ہیں
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

جاں ہی بائے بوسہ۔ ملے کیوں کہے ابھی؟
غالب کو جانتا ہو کہ وہ نیم جاں نہیں

ایک چکر ہی مسے جاؤں میں زنجیر نہیں
جاوہ۔ غیر از نگہ ویدہ تصویر۔ نہیں
جاوہ راوہ و قاف۔ جز و ہم شیریں
خوش ہوں۔ گزانہ نہ ہونی کش تاثیر نہیں

مات دشتِ نوردی کوئی تبیر نہیں
شوقِ ایشیت میں دلتے ہو کچھ کو۔ کہ جہاں
مسرتِ لذتِ آزار۔ رہی جاتی ہو
بچ نہ مگر ہی جاوید۔ گوارا رہیتو

یہ شوق بکھ اُس جگہ میں لے جاتا ہو جہاں مسرت کے سوا کوئی راہ نہیں یعنی دادی عرفان میں پہنچ کر
برخیز ہو مسرت ہو جاتا ہو ۱۲

یہ مسرت کے ساتھ کہتا ہو کہ راوہ فنا کا جاوہ تلوار کی پاؤں کے سوا کوئی راہ نہیں جو سنی باوفا کے لیے قتل
ہو جانے کے سوا اور سب راہ منزل مقصود پہنچنے کی نہیں جو۔ وہ جب عاشق قتل ہو جاتا ہو تولد آزار کی
مسرت رہ جاتی ہو ۱۳

یہ زبانِ بالغ نہ پہنچی عاجز و ضعیف ترک زبان میں دشت ویدہ کو کہتے ہیں۔ اس شوقِ اشتیاق کی نصرت
کا اظہار کیا گیا ہو شاہر کہتا ہو کہ گلے جھٹکی اس اہل تہمتی ہی روزی سے۔ بلکہ کوہ گوارا نہیں کہ میرا
نالہ تاثیر کے سلسلے عاجز رہ جائے۔ فرادہ کو اثر نصیب ہو نا شاہراہی دولت بکھتا ہو ۱۴

لذتِ ننگ۔ ہانڈا ذہ تقریر نہیں
کوئی تقصیر۔ بجز خجالتِ تقصیر نہیں

سرکھٹا ہو۔ جہاں زخم سراچھا ہو جائے
جب کرمِ فصحت بے بالی دگتا غمی سے

غالب۔ اپنا یہ عقیدہ ہی۔ بقول ہاشم
"آپ بے بہرہ ہی۔ جو مستعدِ تیر نہیں"

ہیں حجِ نمودارے دلِ چشم میں آپ

مت مردک دیدہ میں سمجھو نہ لگا ہیں

رکھ گئی مانندِ گلِ سوجھ سے دیوِ چمن
سرور ہی باوصفِ آزادی۔ گرفتِ رہمن

پر شکالِ دیدہ عاشق ہی۔ دیکھا چاہیے
الغبتِ گل سے۔ غلط ہو دعویٰ عاشقی

جاں سپاری شجرِ بید نہیں
جاںِ مخِ غاتمِ جمشید نہیں

عشق تا تیر سے نوید نہیں
تکلفِ دست ہر دستِ آئی ہو

ملہ جاں۔ میں وقت۔ مطلب۔ یہ کہ جس وقت زخم سراچھا ہو جاتا ہو سرکھٹا ہو گھٹا ہو یعنی وہاں جوشِ جوش
کہ ہر تہرگیں۔ پھر دل کی حالت میں جو کچھ آتا ہو وہ بیان سے باہر ہو ۱۲
یہ جب کرمِ بارگشاہی کی اجازت دے تو اس وقت جھکنا ہی بہت بڑا تصور ہو ۱۳
اس میں ملے آنکھ میں کل ہوتا ہو۔ اسی طرح دل میں ایک عقدہ ہو تا جو اس کو سوراخ لگتے ہیں۔ دل بہ شہرِ مہن و سحر ہو ۱۴
اسکے سہل سے جامِ شراب کی طاعتِ راجہ جو جمشید سے زندوں تک دستِ بہت ہی بڑا جمشید کی گرفت
نہیں جو اس کی ذات پر ختم ہو جائے ۱۵

ہو تجلی تری مسلمان وجود
 راز مشق نہ رُسوا ہو جاے
 گردش زنگِ حرب سے نہ ہو
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ

ڈر رہے بد تو خورشید نہیں
 در نہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
 غم محسوس می جاوید نہیں
 ہم کو جیسے کی بھی امید نہیں

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
 دل آشفنگاں، خال کج دہن کے
 ترے سرو قامت سے اک تہ آدم
 تیار شاہرہ اے مجھ آئینہ داری
 سرخ نقہ نالے۔ داغِ دل سے

خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
 سویا میں۔ سیرِ عدم دیکھتے ہیں
 قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
 تجھے کس تنہا سے ہم دیکھتے ہیں
 کرب شب زو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

۱۔ شاعر خدا وند عالم سے خطاب ہو کر گستاخ کی تیری ذات کی جلوہ گری باعثِ وجودِ عالم ہو جیسے طلوعِ خورشید
 ذوقِ دل کے لیے باعثِ طور ہو ۱۲۔
 ۲۔ اس شعر میں "مجھ کو نہ محزون ہو۔ مطلب یہ ہو کہ حصولِ حرب کے بعد اس کا زوال ایسا جائے گا کہ ہو کر اس سے
 محرومی جاوید ہو ۱۳۔

۳۔ خیاباں خیاباں :- یہ معنی کثرت ۱۴۔
 ۴۔ شاہرہ :- شاہراہ کا۔ وہ ترچہ جو پہنچ کر ایک قدم پہنچے میں "تساخا کہ" بھی لکھا ہو۔ اس سے بھی
 مطلب میں رہتا ہو ۱۵۔
 ۵۔ نقہ نالہ :- نالے کی گرمیِ شب روا سا فرشب۔ چونکہ اکثر کشتی مات کو ہوا کرتی ہو اس لیے نالے کو سنا
 قرار دیا ہو شاہراہ کا۔ جو کہ جس طرح کو خورش قدم دیکھ کر مسافر کے تانے جانے کا پتا چلتا ہو۔ اسی طرح تو داغِ دل سے
 آتشِ شب کی گرمی کا سراغ لگائے ۱۶۔

بنکر فیتروں کا ہم بھیس " غالب "
 تماشا نے اہل کرم دیکھتے ہیں

لمتی ہو خوشے مار سے نار التاب میں
 کا فر ہوں۔ گرنہ لمتی ہو راحت عذاب میں
 کب سے ہوئی۔ کیا بتاؤں۔ جانِ خراب میں
 شب ہائے ہجر کو بھی رکوں گر حساب میں
 نا۔ پھر نہ انتظار میں نیند آئے علمِ بحر
 آنے کا عدد کر گئے۔ آئے جو خواب میں
 قاصد کے آتے آتے۔ خط اک اور لکھ رکھوں
 میں جاٹنا ہوں جو وہ لٹھیں گئے جواب میں
 جھٹک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟
 ساتی نے کچھ ملا دیا ہوشِ اب میں
 چو منکرِ وفا ہو۔ فریب اُس پہ کیا چلے؟
 کہیں بدگیاں ہیں۔ وہ سب دشمن گئے اب میں

طلب ہے جو کہ مشوقِ مکر و ناہو یعنی اہل کو کسی کی دنیا کا تین نہیں جو اس سے تریک دنیا کی فضول ہو کہ
 کہیں اُس پر فریب کے اظہار و ناہو کا فریب نہ چل گیا جو ہر دنیائی میں دوست سے مشوق کی طرف اور
 دشمن سے رقیب کی طرف اشارہ ہو۔

میں مضطرب ہوں وصل میں خونِ تیرے
 ڈالا جو خم کو وہم نے کس پہنچ و تاب میں؟
 میں اور حقِ وصل - خدا ساز بات ہو
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہو تیر سی چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
 ہواک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
 لاکھوں گھاؤ ایک چرانا مٹکا ہ کا
 دکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
 وہ نالہ اول میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
 جس تالے سے شگاف پڑو آفتاب میں
 وہ سحر! مذعابلے میں نہ کام آئے!
 جس سحر سے سفینہ رواں جو سراب میں
 غالب چھٹی شراب پہلاب بھی کبھی کبھی
 پتیا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

علامہ مشرقی کے وہم سے مراد ہو کہ وصل میں عاشق کی بے چینی سے مستحق کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اس کو
 کس دوسرے عین کے خیال نے اس وقت مضطرب کر دیا ہو پہلے مصرع میں اس خیال کی تردید کی گئی ہو۔

نسل کے لیے کونج - نہ خست شراب میں
 یہ سوزن ہو ساقی کوثر کے باب میں
 ہیں شج کیوں ذیل؟ کہ نسل تک نہ تھی پسند
 گستاخی فرشتہ ہمارے جاب میں
 جاں کیوں بھٹکتے گلتی بوتن سے دم سماع؟
 یزداد صا سمانی ہو۔ چنگ و باب میں
 رومیوں جو خوش عمر کہاں دیکھے تھے
 نے اٹھ آگ پر ہو۔ نہ پا ہو رکاب میں
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُرہ ہو
 جتنا کہ وہیم غیر سے ہوں پیچ قاب میں

لے اس شعر میں مستفاد سے شاعر کا مطلب نہیں کہ اس سوال کا جواب دیا جائے بلکہ ساقی کی تنبیہ مقصود ہو
 اشارہ ہو حضرت آدم کے اس مشورہ چھنے کی طرف کہ غزال زرخیز کو حکم ہوا تھا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کرے
 لیکن نہیں حکم نہ کرنے کے سبب وہ رانہ دگاہ ہو گیا۔ مطلب یہ ہو کہ کل تو حضرت آدم کی دگاہ باری میں ہے حضرت وہ
 تو قرعہ اور آج انھیں کی اذہ و ذہن میں پانچ ہی بات سے ذیل ہو گئی۔

۱۔ سماع، یعنی سنا اور عقل صوفیائے کرام عقل معرفت کہتی ہے، اشارہ ہے جو خوش ہوا آدمی کے ساتھ
 گائے جاب کہتے ہیں اس شعر میں مستفاد سے معرفت استعمال مقصود ہو۔ وہ صفا و شاد، شاعر حق کی صفا
 کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شاعر حق کی صفا تو جاں بخش ہو۔ پھر اس کا یہ اٹھ لڑکیوں ہو کہ اس کی ساقی کوثر کے سامنے کی جان
 تھا ہو جاتی ہو۔ اہل ذوق کو جو لطف سماع سے حاصل ہوتا ہو اس شعر میں اس کا اشارہ کیا گیا ہو۔

۲۔ شاعر کہتا ہے کہ جس قدر اس کے وہیم سے میں پی قاب میں رہتا ہوں، اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت سے بُرہ ہو۔ غیر
 مراد و سرا ہے شاعر جو صوفیائے کرام کو ایک صوفی ہو۔ ۱۱۔ اٹھ رکاب میں

اُٹھلِ شود و شاید و مشود۔ ایک ہر

حیراں ہوں پھر شاہدہ جو کس حساب میں

ہو مشعلِ نمود و نمود پر وجودِ بکسر

سباں کیا دھرا ہو قطرہ و مریخ و جباب میں

شرع۔ اگ اگلے ناز ہو۔ اپنے ہی سے سی

ہیں کتنے بے حجاب اگر ہیں یوں جباب میں

آرایشِ جمال سے فایغ نہیں بنو ز

پیشِ نظرِ آئینہ و ائمِ نفتا ب میں

ہو غیبِ غیب۔ جس کو سمجھتے ہیں ہم مشود

ہیں خواب میں بنو جو جاگے پرغاب میں

شاہ شاہدہ شاہد و مشود کے وجود کو غلطہ غلطہ چاہتا ہوا حیراں جب تمام عالم وجود و وجود موجود ہو تو
شاہد و مشود ایک ہی ہوئے ہیں جب شاہد و مشود میں مشارکت نہیں تو پھر شاہدہ کس طرح ہو سکتا ہو ۱۲

وہ شرمِ سن کا ایک اور اوجہ کچھ نہیں تو اپنے نفس ہی سے شرم کرتے ہیں یعنی باوجود پردے میں رہنے کے وہ
اپنے سے نہیں شرم لیتے۔ عاقل کو شرم کے یہ بھی نہیں کہ خود اپنی ذات سے بھی بچا ہے۔

وہ شاعر کہتا ہو کہ باوجود پردے میں رہنے کے اس کا شعر شرمِ معرکہ کا انشِ جمال ہو اور فضول ہو کہ کہہ کر کہہ کر
مستحقِ تو یہ ہو کہ عشاق اس کو دیکھیں اور

مجھ میں ہی اس منزل کے گزراشاہِ معرفت میں نہ بے پردے ہیں اس طرح اس شرم میں ہی تصوف کا ایک اہم مسئلہ بیان
کرایا جو ہمراہِ حجابی نہ لگا کر غائب ہیں اس شعر کا جو مل لگا ہوا ہے جو رسالک کو تمام موصوفاتِ عالم میں نظر آتا ہو

اس کو مشود کہتے ہیں اور غیبِ الغیب سے مراد مرتبہ اسرار ہے جو عقل و ادراک و بصیرت سے مبرا اور باہرِ شعاع
نہ ہو کہ میں کہہ نہ سکوں۔ وہ درحقیقت غیبِ غیب ہو اور اس کو عقل سے مشورہ کہتے ہیں۔ ہمدی ایسی مثال ہو

بجائے کوئی غائب میں دیکھ کر میں جانتا ہوں پس گو وہ اپنے کو مینار کہتا ہو کہ فی کفایت وہ ہنوز غائب میں ہو ۱۳

غالب: ندیم: دیکھ آتی ہو مجھے دوست
شغول حق ہوں۔ بندگی بوثواب میں

حیراں ہوں۔ دل کدوؤں کے پٹوں جگر کو میں۔
مقدور ہو۔ تو ساتھ رکھوں ذرا گر کو میں
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش! جاننا نہ تھے رہ گزر کو میں
ہو کیا؟ جو کنن کے باندھیے۔ میری بکاڑے
کیا جانتا نہیں ہوں؟ تمہاری کمر کو میں
لو۔ وہ بھی کہتے ہیں "کہ یہ بے ننگ و نام ہو"
یہ جاننا اگر۔ تو لانا نہ گھر کو میں
چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر ایک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبہ کو میں

لہ مطلب: جو کہ مشق جس کی خاطر میں ہے سر سامان ہوا جھگڑنے دیتا ہو اگر میں دینا جاننا تو میں اپنے کو
تیار و براؤ نہ کرتا۔

عہ: اس شعر میں ایک پریشانی حالِ سفر کی جو کہتے ہو کہ ہر آنسو کھینچ لینی ہو۔ مگر جوڑے ہوئے ابھی زیادہ
وقت نہیں گزری۔ دُشمنِ غریب میں! وہ بیانی کی شہر آشوبِ معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے جیتیز و دشمنِ مٹا ہوئے ہوئے

خوابش کو محنتوں نے پرستش دیا قرار
 کیا پوچھا ہوں اس بُت بے داد گر کو میں؟
 پھر بے خودی میں بھول گیا راؤ کوئے یار
 جاتا و گز ایک دن اپنی خبر کو میں
 اپنے پے کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
 سمجھا ہوں دل پذیرِ متلع ہنر کو میں
 غالب۔ خدا کرے کہ سوارِ سمندر ناز
 دیکھوں علی بہادرِ عالی گھر کو میں

ذکر میرا۔ بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
 وعدہ سیرِ گلستاں ہے۔ خوشا طالع شوق
 مردِ قتلِ مقدر جو جو مذکور نہیں
 شاہِ مہستی مطلق کی کر جو عالم
 لوگ کہتے ہیں کہ "ہی" پر ہیں منظور نہیں

ساتھ ہو رہا ہے اگر منزلِ مقصود پر جلد پہنچے اور مسافرت کی تکلیف کا خاتمہ ہو۔ مصروفِ ثانی میں "ابھی" کے
 لفظ سے شاعر کو یہ ظاہر کہ "مقصود" ہو کر ابھی اس وقت میں قدم رکھے ہوئے تصویر ہی مدت گزار رہی ہے اور
 اس لیے اسے اپنے دہریے انتخاب کی صحیح قابلیت محال نہیں ہوئی جیسے تیز رو دیکھا ہو اسی کے لیے یہ ہنر
 ہے۔ عمران بن سہروردی سے بھی من کو لوگ نے سنی کہتے ہیں۔ ایک تلخ نے اس شکرِ غالب کی طرف خوب کرنے

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہو دیا۔ لیکن
 ہم کو تقلیدِ نیکِ فلسفہ فی مصدر نہیں
 حسرت۔ اے ذوقِ خرابی۔ کہ وہ طاقت نہی
 عشقِ پُرعہد کی گوں تن رنجو نہیں
 ظلمِ کَظلم۔ اگر لطیف در طبع آتا ہو
 تو قاتل میں۔ کسی رنگ سے معذہ نہیں
 میں جو کہتا ہوں۔ کہ ہم لیں گے قیامت میں تیں
 کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں
 صاف دُوی کشِ پیاؤں جم ہیں ہم لوگ
 دوائے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 ہوں۔ خدواری کے مقابل میں خائفِ غالب
 میرے دعوے پہ محبت ہو کہ مشور نہیں

میں بھی شک کیا ہو وہ اس کو کھاتی سمجھتے ہیں۔ الفاظ سے جو کچھ مطلب لیا جاسکتا ہو وہ صرف اس قدر جو کلام
 نے اس شخص و نیکے سوہم ہونے کو ظہور پا کر کیا ہو۔ مصدر ثانی میں لفظ خود کے معنی ہونے کے لیے ہیں مثلاً
 ما بعد اسم مفعول ہی
 لہٰذا وہ یہ۔ ردِ غویٰ اور جنگِ بدن۔ شاعروں شعریں اپنے گزشتہ ہم قدم کہ جس طرح بات کیا ہو اور کہتا ہو کہ اب جہاں
 تین رنجو عشق جیسے چنگِ جو دشمن کے مقابلے کی گوں دریا یعنی قابلِ دریا
 وہ شاعر کہتا ہو کہ اگر تو ہم سے قاتل ہی مزہ دی گئی تو تو ظلم کی کر کہ وہ بھی قاتل کی ایک ادا ہو اور وہ تو
 قاتل کی ہوا ہوتے پہ قادر ہو۔

نالہ - جز حین طلب اسے ستم پہچان نہیں
 ہر تقاضائے جفا - شکوہ بے داد نہیں
 عشق سو - مزدوری عشرت گدے خسرو کیا خوب
 ہم کو تسلیم - کو نامی مسدود نہیں
 کہ نہیں وہ بھی خرابی میں - پست معلوم
 دشت میں ہر جگہ وہ عیش کر گھراؤ نہیں
 اہل بنیش کو ہر طوفانِ حوادث - کتب
 لعل موج - کم از سیلی استاد نہیں
 دے عودِ تسلیم - و بہا - حال وفا
 جانا ہو کہ ہیں طاقتِ فریاد نہیں
 زنجب تکین گل دلال - پریشاں کیوں ہی؟
 گر چراغانِ سیرہ گزرو باد نہیں؟

یہ شاعر نے فریادِ جہنم کی نسبت کیا تاں کہ اس نے شہر کے محل کی خاطر ہاٹ سے جسے شیر خانی اور پھر
 صرہ پڑ کر گیا اور شہر کا محل خسرواٹس کے قریب کو قصبہ جو اس شہر میں ہی کی جودہ کتا ہو کہ اس وقت سے
 جات سے میں فریاد کی تک نای کی کیا بات ہے کہ اس نے قصبہ کے لیے عشرت کر دلا کر اس نے عشرت کر د
 تعمیر کر کے میں نے اس کی خدمت دلا کی ہے۔

یہ لعل موج : صبح کا قہر - طلب ہے ہو کر الیٰ بنو شہر کو دنیا کے حوادث کا طوفانِ قہر کا رہنا تا جو یعنی دنیا میں جتنے
 حادثے انسان پر پڑتے ہیں اتنی ہی اس کی آنکھیں ملتی ہیں۔

یہ باد و سہ میں صوفی الف تہہ کا زایہ کیا گیا ہو جیسے باد و سہ میں شہر اس شہر میں تسلیم کی عود کی اور وفا کی چٹان
 پر انھوں نے کتا ہوا - کتا ہو کہ ہم جو تسلیم و رضا اور آجی و فاکے ہو کہ اس کے سبب نالہ و فریاد نہیں کر سکتے تو

سب بگل کے تلے بند کرے ہی گل میں
 ترہ ۱۷۷ مرغ بلکہ گل زاد میں صیا و نہیں
 نفی سے کرتی ہو۔ اثبات۔ تراوش کو یا
 دی ہو۔ جانے دہن۔ اُس کو ہم ایسا تو نہیں
 کم نہیں جلوہ گری میں توے کو چپے سے بہشت
 یعنی نقشہ ہو۔ ولے اس قدر آبا و نہیں
 کرتے کس منہ سے ہو۔ غربت کی شکایت غالب!
 تم کو بے مہری یا ران وطن یاد نہیں؟

دونوں جہاں دے کے وہ بکھے۔ یہ خوش رہا
 ہاں آہٹ ہی یہ مشدم کہ تکرار کیا کریں
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
 تیرا تپا نہ پائیں۔ تو ناچار۔ کیا کریں؟
 کیا غم کے نہیں ہیں ہوا خواہ۔ اہل بزم
 غم ہی جاں گیر تو غمزار کیا کریں؟

ہو گئی ہو غیر کی مشیریں بیانی کا رگر	عشق کا اُس کو گناہ ہم بے زنا تو نہیں
--------------------------------------	--------------------------------------

مشوق کو کہاری دنا داری اور تسلیم قبول کرنے کے کہلے بہن جو کہ ہمیں صاحبِ زنا تو نہیں ہے

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
 تعجب سے وہ بولائیں بھی ہوتا ہو نٹانے میں
 دلِ نازک پہ اُس کے ہم آتا ہو مجھے غالب
 نہ کر مرگرم اُس کا فرکِ اُلفت آ ز مٹانے میں

دلِ لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا
 بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی اہیل
 ہیں نہالِ آمادہ - اجزا آفرینش کے تمام
 سرگردوں جو چراغ رہ گزرا باد - یاں

ہم جو بھریں دیوارِ ویر کو دیکھتے ہیں
 کبھی صبا کو - کبھی نامر بر کو دیکھتے ہیں
 وہ آسے مگر میں ہمارے خدا کی قدرت ہوا
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے مگر کو دیکھتے ہیں
 نگر گئے نہ کیس - اُس کے دستِ دباؤ کو
 یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

تسے جو اہر طہرین کلمہ کو کیا دیکھیں
ہم اپنی طالع لعل دگر کو دیکھتے ہیں

<p>شب فراق سے رونے لگا دینا نہیں بلا سے تیرا گروں کو ابرو باد نہیں جو جاؤں وال سے کہیں کو تو نہیں کہ "تیرا زرم میں کچھ فتنہ خوف دینا" گدا لے کو چہ محو خاطر نامہ مراد نہیں دیا ہی ہم کو۔ خدانے وہ دل کرنا نہیں</p>	<p>نہیں۔ کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں کوئی کہے کہ "شب میں کیا برائی ہو" جو اکوں سامنے اُن کے تو مرجان نہیں کہیں جیاد بھی آتا ہوں میں۔ تو کہتے ہیں علاوہ عہد کے ملتی ہو اور دن بھی شراب جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہمیں کیا کام</p>
--	--

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن جیکوں کو وغالب
یہ کیا ہے کہ تم کہو۔ اور وہ کہیں کہ "یا نہیں"

<p>ہم بھی مضمون کی ہوا باز تھے ہیں ہم بھی ایک اپنی ہوا باز تھے ہیں</p>	<p>تیرے تو سن کو صبا باز تھے ہیں آہ کا کس نے اثر دیکھا ہو</p>
--	---

لے اس شعر کی ترکیب عقل نہایت پر مطلق ہو تا حرکتا ہو کہ وہ فتنہ نہیں کہ مجھے قیامت کا یقین نہیں ہو قیامت
برحق ہو لیکن ساتھ ہی اس کے اعتقاد و غور ہو کہ اس کے خدا پر شب فراق کی سختیوں سے زیادہ نہیں ہو۔ ۱۳
شہ ہوا باز تھا۔ ۱۴۔ دھبہ چھٹا تھا ۱۵۔

برق کو باہر خاباندہ تھے ہیں
اشک کو بے سرو پا بند تھے ہیں
سست کب بند قیاباندہ تھے ہیں
لوگ نامے کو رسا باندہ تھے ہیں
آبوں پر بھی خاباندہ تھے ہیں

تیری فرصت کے مقابل سے عمر!
قیدِ مصلحتی سے رہائی معلوم
نشہ رنگ سے جو دوا خدِ محفل
خالی ہائے مفاہیں۔ مت پوچھ
اہلِ تدبیر کی دوا ماند گیاں

سادہ پر کار ہیں۔ خواباں۔ غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندہ تھے ہیں

دگر نہ ہم تو زیادہ توقع رکھتے ہیں

زناہِ منت کم آزاہِ جو بجا نہ آتا

دامِ ٹپا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں ؟
خاک ایسی زندگی ہے کہ پتھر نہیں ہلے میں

لے حاضر اپنی صحبت سے تنگ اگر قیاحیات سے راجوئے کسے لے کہ وہاں ہی کرتا ہو خفا کرنا جو کرہا
نہیں جو سکنا کہ کس کو سنش میں اس کی آگہوں سے جو اسنو غفلتِ یوسفِ صالحی کا سر پہ نہیں غلو اظہار کی شکل مد
ہوئی جو اور عالموں میں وہ غریب میں ہوتا ہے تنگ کا سر پہ آگاہاں اس سے جس کی قیدِ ہستی سے رانی پانے کے
میں بے سرو پا ہیں اس میں کامرانی معلوم
تو بھان بھدہ اس کی جان کی قسم شاعر نے اپنی جان کی قسم کہ اگر کتا جو کہ زانے کے ہاتھ سے ہیں میں تو مار
پتھر تو بہت کم ہو

کیوں گردشِ دام سے گھبرانے جلے دل ؟
 انسان ہوں۔ پیار و ساغر نہیں ہوں میں
 یارب! زادِ مجھ کو ثناء ہو کس لیے ؟
 لوحِ جاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
 حد چاہیے۔ سزا میں۔ حقوت کے واسطے
 آخر گناہ نگار ہوں۔ کافر نہیں ہوں میں
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے ؟
 لعل و زرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
 رکھتے ہو تم قدمِ مری آنکوں سے کیوں دریغ ؟
 رتبے میں مرداء سے کم تر نہیں ہوں میں
 کرتے ہو مجھ کو بیخِ قدمِ ہوس کس لیے ؟
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
 غالب۔ ولیفہ خوار ہو۔ دو شاہ کو دعا
 وہ دن گئے کہ کہتے تھے تو کر نہیں ہوں میں

سب کہاں۔ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہاں ہو گئیں !
 یاد تھیں ہم کو بھی زنگِ بزمِ آراستیاں
 لیکن اب نقشِ زنگِ رقاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات انفسِ گردوں دن کو پرزے میں بناں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عیاں ہو گئیں؟
قید میں - یعقوب نے لی - گو - نہ دست کی خبر
لیکن آنکھیں - روزانہ دیوارِ زنداں ہو گئیں
سب رقیبوں کے ہوں ناخوش - پر - زنانِ مصر سے
ہو زلیخا خوشش کہ مجھ کو کنساں ہو گئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو - کہ ہر شامِ فراق
میں - سمجھوں گا کہ تمہیں دو - فروزاں ہو گئیں
ان پر ہی زادوں سے لیں گے خلیہں ہم انتقام
قدرتِ حق سے ہی حدیں اگر واں ہو گئیں
نیز اُس کی ہو - داغ اُس کا ہو - راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

لغات انفس اور آسمان پر شمال کی طرف سات ستارے ہیں چار ستارے ان میں سے جاناہ ہر ماہ
قرن جاناہ کے ، ٹھانے والے بات کے لفظ کا یہ مفہوم تھا کہ عرب اُن ستاروں کو لوگوں سمجھتے ہیں کہ
عرب جاناہ ، ٹھانے والے کہ ان انفس کہتے ہیں اور عربی کا وہ سے میں انفس کی صحیح لغات انفس آتی ہے
تھانہ عربی مع ابجد اس پر گئیں جی ہے نو رہ گئیں ۔

تک سب رقیبوں سے ہوں ناخوش ، ایچ ، اے صہبہ شاق کہنے اپنے رقیبوں سے ناخوش ہوں تو ہوں لیکن زلیخا اپنے
رقیبوں سے اداوارہ جو اُن عداوت کی طرف جو حضرت ہوسن علیہ السلام کو دیکھ کر اس پر چڑھ گئی تھیں کہ انھوں نے
اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے ، اناوش نہیں ہو ۔

میں چمن میں کیا گیا۔ گویا۔ دبستاں کھل گیا
 بلبلیں سُن کر مرے نلے۔ غزل خواں ہو گئیں
 وہ چھکاپس کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار؟
 جو مری کو تاہی قسمت سے ترکاں ہو گئیں
 بس کہ۔ روکامیں نے اُد سینے میں ابھری ہڈی۔ چوڑی
 میری آؤں بخنیہ چاکِ گریباں ہو گئیں
 داں گیا بھی میں۔ تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ دہاں ہو گئیں
 جاں فزا ہوا وہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
 سب لکیوں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں
 ہم سوختے ہیں۔ ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
 ملتیں جب مٹ گئیں اجڑے ایماں ہو گئیں
 بچے سے خورگہ ہوا انساں۔ تو مٹ جاتا ہے رنج
 شکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
 یوں ہی گردِ تارِ باغِ غالب تو اے اہلِ جاں
 دیکھنا اِن بستیوں کو ترم۔ کہ ویراں ہو گئیں

۱۔ اس شعر میں مستفہم استغنیٰ ہے جو وہ لوگوں میں ایک ماسکتی ہے۔ لیکن مجلس نہیں جاسکتی تھا ہاں وہاں
 ہو گئیں سے شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کہہ دو گئیں میں مشہد سے میری جانب نہیں آتیں۔ اور میری طرف سے
 بار ہوئی جاتی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مستجاب ہے چھتا ہو ۱۱

۱	دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں	۱	یہی۔ ہمارے حبیب کی گناہ بھی نہیں
۲	دل کو نیازِ حسرت دیدار کر چکے	۲	دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
۳	مٹاتا اگر نہیں آساں۔ تو سہل ہو	۳	دشوار تو یہی ہو۔ کہ دشوار بھی نہیں
۴	بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہو۔ ادھیڑاں	۴	طاقت۔ ہر قدر لذت آزار بھی نہیں
۵	خو بردگی کے باقی سے جو سردیاں دوش	۵	صحرایں اے خدا! کوئی دیوار بھی نہیں
۶	کچھ بیشِ عداوت اختیار اک طرف	۶	یاں لیں۔ صنف سے ہوں یہ بھی نہیں
۷	ڈرنا لہائے زاوے میرے۔ خدا کو مان	۷	آخر ذلے مرغ گرفتار بھی نہیں
۸	دل میں ہو یا رکی صفِ مژگاں ہو روکشی	۸	حال آں کہ طاقتِ غلشِ خار بھی نہیں
۹	اس سادگی پہ کون نہ مہربانے اے خدا	۹	رٹتے ہیں لہذا توں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار
دیوانہ گر نہیں ہو تو ہمیشہ رہ بھی نہیں

مذہبِ غالب کے اس مشہور شعر کا مطلب کھنے میں سب نے قریباً قریب ایک نوع اور نام کی بات
کہہ دینا ہے۔ ہر ایک صاحبِ فکر نے اس میں نہیں گناہ کیا کہ مذہبِ غالب کی شے سے جو درد نے اپنے ایک
خط میں بھی بڑا ظاہر ہوا ہے۔ "مذہبِ غالب" میں "تیرا لہا اگر آساں نہیں ہو تو یہ امر جو کہ آساں نہ ہو۔ مگر تیرا لہا آساں
نہیں نہ سہی نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکیگا۔ مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا لہا دشوار بھی نہیں ملے گی جس سے تو
چاہتا ہو مل بھی سکتا ہو۔ مگر تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا کہ رنگ کر پنے اور آساں نہیں کر سکتے۔" تم

نہ روکشی :- "مقابلہ ایک شاعر صاحب نے روکشی کو "روکشی لکھ کر مطلب کو سمجھا دیا" "روکشی" تمام
شعروں میں موجود ہے جس کے سنی مقابلے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مل میں اگر یہ غلش طاقت جس طاقت موجود ہیں کہ

نہیں ہو زخم کوئی بجھنے کے دغور مے تن میں
 ہوا ہو تارِ اشکِ یاس۔ برشتہ چشم سوزن میں
 ہوئی جو مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
 کفِ سیلاب باقی ہو بزمِ پنہ۔ روضن میں
 دو بیت خانہ بے داد کاوشِ لائے ترگاں ہوں
 جگمگین نام شاہ ہو۔ مے ہر قطرہ نول۔ تن میں
 ریاں کس سے ہو طلت گسری میرے بستان کی
 شب مہ ہو۔ جو رکھ دیں پنہ دیوار و کس روضن میں
 گم ہوش مانعِ بے ربطی شورِ جنوں آئی
 ہوا ہو خندہ احباب۔ بخیمہ حبیب ودا من میں

لیکن بار کی صفت ترگاں۔ سے متباد کرنے کا حوصلہ ہو ۱۲
 مانعِ بجھنے کے دغور اس بجھنے کے فانی۔ مطلب یہ ہو میرے تن میں کوئی زخم بجھنے کے فانی نہیں جو
 میرے زخموں کی حالت دیکھ کر سوئی کو اس ہوئی تو اس کا آگاہ تارِ اشکِ یاس بن گیا ۱۳
 کفِ سیلاب۔ یہ سیلاب کے جھاگ۔ اس سیلاب کے جھاگ میں سے خانہ ویرانی ہوئی دیواروں کے
 سوراخوں میں آئی۔ وہ گئے ہیں جھاگنے کے مانع ہیں۔ چو کہ صفا گز مسبب کو سبب قرار دیتے اس لیے
 شاعر نے اس موقع پر خانہ ویرانی کو مانعِ تماشا خانہ ہو ۱۴
 مے ہر قطرہ نول۔ میرے تن میں ایک گیند ہو جس پر ترگاں مستحق نے اس کا نام لکھ دیا ہو اور میں گریا مستحق
 کی کاوشوں کے ظلم کا دو بیت خانہ بنا ہوا ہوں۔ مطلب یہ ہو کہ میں اس کی کاوشوں کے ظلم کا مانت ۱۵ اور ہمیں
 وہ خاصہ جو کہ مانت پر مہر لگاتے ہیں اور اسی لیے اس کو افشا نہیں کرتا ۱۶
 جہ شاعر کہتا ہو کہ اس کے گھر میں اس قدر تاریکی ہو کہ گیس کی دھار کے روضن میں پنہ رکھ دیا جائے تو یہ سلوک
 ہو کہ جائز محل ۱۷۔ شاعر احباب میرے جو تن جنوں کو مانع ہوئی یعنی چند احباب کے خیال سے میں نے

ہوئے اُس مردوش کے جلوہ مثال کے آگے
 پرفشاں - جو ہر آنستہ میں بشل ذلہ رولن میں
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں - چہرہ مت مخالفہ
 جو گل ہوں - تو ہوں گلشن میں - جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
 ہزاروں دل دیے جو میں جنونِ عشق نے مجھ کو
 سسہ ہو کر سویدا ہو گیا - ہر قطرہ خون - تن میں
 اسدہ زخمائی تا شیر لعلت بائے خدایا ہوں
 خیم دست نوازش - ہو گیا ہو طوق - گر دل میں

مڑے جان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 سوائے خونِ جگر - سو - جگر میں خاک نہیں
 گر غبار ہوئے پرہ - ہوا اڑا لے جاے
 وگر نہ تاب و توان بال و پر میں خاک نہیں
 یہ کس بہشت شمالی کی آمد آہ ہے؟
 کہ غیر جلوہ گل - راگزریں - خاک نہیں

حبیب و احسن چاک نہیں کیا اس بے دست کرتے واسے احباب کا خندہ و مذاں غائبانہ اگر بیان ہو گیا
 خندہ و مذاں خاک کو بچنے سے جو نسبت ہو وہ ظاہر ہو ۱۲
 اس خسو کے نظر گدھ سے اس کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہو - اس مردوش کے جلوہ مثال کے آگے
 جو ہر آنستہ میں (اس طرح) پرفشاں ہوئے (اس طرح) خندہ و مذاں میں (شعاع آفتاب سے) اڑتے ہیں ۱۲

بھلا اُسے نہ سہی۔ کچھ بھی کو جسم آتا
 اُترے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 خیالِ جلوہ کُل سے خراب ہیں محکوش
 شراب خانہ کے دیوار وہ میں خاک نہیں
 ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
 سوائے حسرتِ تیرے کھڑی میں خاک نہیں
 ہمارے شرم میں اب صرف دل لگی کے آئندہ
 کھلا کہ فائدہ عرصہ میں خاک نہیں

دل ہی تو۔ نہ سنگ و نہشت۔ درد سے بھر دے کہوں؟
 روئیں گے ہم ہزار بار۔ کوئی نہیں سستا ہے کیوں؟
 دیر نہیں۔ حرم نہیں۔ درد نہیں آستان نہیں
 بیٹھے ہیں وہ گزر رہے ہم۔ غیبت میں اٹھائے کیوں؟
 جب وہ جمالِ دلِ فردوس صورتِ مسرور نیم روز
 آلیٹ ہی ہو نظارہ سوزِ پردے میں نہ چھپا سکتے کیوں؟
 دشتِ غمزدہ۔ جاں سستاں۔ نادکِ ناز۔ بے پناہ
 تیرا ہی ملکِ صبح سہی۔ سامنے تیرے آئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم۔ اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی۔ غم سے نجات پائے کیوں؟
 حسن اور اس نے حسن ظن۔ رہ گئی بروہوس کی شرم
 اپنے پر اعتماد ہو۔ غیبت کو آزمائے کیوں
 وہ غرورِ غرور نمازیں۔ تھاپ پاس وضع
 ماہ میں ہم ملیں کہاں؟ زم میں وہ بلائے کیوں؟
 ہاں وہ نہیں خدا پرست۔ جاؤ وہ بے وفا سہی
 جس کو ہوں دین و دل عزیز۔ اُس کی لگی میں جائے کیوں؟
 غالب خستہ کے بنیز۔ کون سے کام بند ہیں
 روئے زار زار کیا؟ کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

غنچہ دانِ شگفتہ کو۔ دور سے مت دکھا۔ کہ یوں
 بوسے کو پوچھتا ہوں میں۔ منہ سے بھگو بتا۔ کہ یوں

بروہوس اور بروہوسنگ۔ رقیب کی طرف اشارہ جو۔ دوسرے مصرع میں لفظ غم سے بھی رقیب مراد ہو۔
 منہ سے بچنے ایک خط ہیں اس شعر کو الفاظ ذیل میں صاف کرنا چاہو:-
 حسن جان میں دو مصنفین محبوب ہیں مج میں معنی صورت ابھی جو اصگان اس پہانج نہ بھی خطا نہیں گنا
 اور کہ گناں اس کو اپنی نسبت جو کہ میرا ناگہی پڑا نہیں اور میرا تیر غم خطا نہیں گنا۔ پس جب اس کو ایسا
 بہرہ دے تو رقیب کا استہان کیوں کر ہے اس میں ظن نے رقیب کی شرح کہ لہ نہ رقیب عاشق صادق نہ تھا
 کر کے استہان و ایمان آتا حقیقت کھل جاتی ۱۰۱۔

پرسش طرزِ دل ہی کیجئے کیا؟ کہن کہے
 اُس کے ہر اک اشارے کو کھلے جیہ لاکھوں
 رات کے دفت کو پیے ساتھ رقیب کو لیئے
 کسے وہ یاں خدا کرے۔ پر نہ کر خدا کہ ہوں
 ”غیر سے رات کیا تھی۔“ یہ جو کہا۔ تو دیکھیے
 سامعِ آن بیٹھا۔ اور یہ دیکھتا۔ کہ ہوں
 بزم میں۔ اُس کے رو بہ رویوں نہ خوش ٹھہیے
 اُس کی تو خاموشی میں بھی ہو سی تو عاکہ ہوں
 میں نے کہا کہ ”بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی۔“
 سُن کے ستم طریق نے مجھ کو اٹھا دیا کہ ہوں
 مجھے کہا جو مارنے ”جلتے ہیں ہوش کس طرح؟“
 دیکھ کے میری بے خودی۔ چلنے لگی ہوا کہ ہوں
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضعِ یاد تھی؟
 آئینہ دار بن گئی۔ حیرتِ نقشِ پاک کہ ہوں
 گر ترے دل میں ہو خیال۔ جہلِ شمع کا نال؟
 صبحِ محیوبِ آب میں۔ اس کے جو دست و پا کہ ہوں

نہ شاعر مشرق سے مخاطب ہو کر کہتا ہو کہ نہ ملے دل میں و خیال جو کہ دل میں خوں کیوں کہہ رہا ہے۔
 تو بگے ہی ہو کہ کہہ جاہی کہ وہ دل بھرے عجب ہو کہ کہہ رہے ہر چہ کے لیے دست و پا ارہی ہو۔

جو یہ کہے کہ رنجیتہ کہوں کہ ہر رنگِ فارسی
گنڈہ غالب ایک! پڑھ کے اُسوٹا کہیں

ر د ی ف (و)

شہ سے دل اگر افسردہ ہو۔ گرم تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ۔ شاید کثرتِ نظارہ سے داہو
بہ قدر حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بہرِ دل یک گوشہ دامنِ مگر آبِ ہفت دیا ہو
اگر وہ سر و قد۔ گرم خزامِ ناز آجاوے
کفِ ہر خاکِ گلشن۔ شیکلِ قمری نالِ قمر سا ہو

لہذا اگر متانت ہو، یعنی دماغ کو یک چشمِ تنگ، عاصی کی صفات میں سے ہو عاصی ہمیشہ تنگ چشم
اور تنگ دل ہوتا ہو شاہِ مکتبہ جو کہ میں گذرِ افسان کو دنیا کا زیادہ بھڑا ہو گا اسی قدر عاصی، انظر
وہ عاصی، نظری، اور قرا، خدای ہی میں جس کا ملحق ہو، وہ
لہذا بہرِ دل، آلودہ کر دیں۔ آبِ ہفت دہی، کثرتِ معاصی کی طرف استعارہ ہو۔ تر دامنِ قمر
قاصی میں گنٹا رکھتے ہیں ۱۲
تھہ کون ہر خاک، یعنی ہر حرکت خاک ۱۲۔

کبھی میں جا رہا ہوں۔ تو نہ دو ملے۔ کیا کیس

بھرا ہوں۔ حق صحبت اہل کنشت کو؟

طاقت میں تارے نہ مچھلیں کی لاک

دوغ میں طالع۔ کوئی بے کرہشت کو۔

ہوں منحرف نہ کیوں رہ دو رسم ثواب سے؟

طیر حاکم ہو قط۔ قلم سحر نوشت کو

غالب۔ کچھ اپنی سی سے۔ لانا نہیں مجھے

خرمن بٹے۔ اگر نہ ملے کھائے کشت کو

دارتختہ اس سے ہیں۔ کہ محبت ہی کیوں نہ ہو؟

کیجئے ہمارے ساتھ۔ عداوت ہی کیوں نہ ہو؟

پھوٹا نہ مجھ میں صفت نے رنگ اختلاط کیا

ہو دل پہ بار نقیض محبت

ہی کیوں نہ ہو

ہر کچھ کو تجھ سے تذکرہ غیب کا بٹ

ہر چند بر سبیل شکایت

ہی کیوں نہ ہو

۱۔ اس شعر میں غالب نے اپنے اس فلسفیانہ رنگ کا ہی رکھا ہو کہ گوشت، عاتق و صوف جیسے تو

برہنہ کا رطل میں ذرا وہ غول پیدا ہو جسے اور اس کی عداوت کی محک و حداد و شراب غول کی آواز میں

۲۔ یعنی تقدیر میں ہر کچھ جو کہ غالب کے ہر شعر پر چلیں ۱۲

۳۔ دارتختہ اس سے ہیں ہر دارتختہ دارتختہ ۱۳

”پیدا ہوئی ہے“ کہتے ہیں۔ ”ہر دور کی دوا“

یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
والا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ

اپنے سے کھینچتا ہوں، غمالت ہی کیوں نہ ہو
ہو آدمی بھائے خود اک محشر خیال

ہم انکمن کھتے ہیں۔ خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامہ زبونی ہمت ہو۔ انفصال

حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
دارسگی۔ ہبائے بیجا جلی نہیں

اپنے سے کر۔ نہ غیر سے۔ دست ہی کیوں نہ ہو
ستار ہو فہم فرصت ہستی کا غم کوئی؟

عمر عزیز۔ ضرب عبادت ہی کیوں نہ ہو؟

ملہ بہ میری بے کسی کا احسان ہو کہ مجھے کسی کا منون احسان ہونا نہیں پڑا۔ اپنے سے کھینچتا ہوں یعنی اپنے سے مل کر، ہوں مطلب یہ کہ خیالات بھی مجھے دوسروں سے نہیں اٹھنا پڑیں بلکہ اگر خیالات بھی ہو تو اپنے ہی سے ہو۔“

مجھ مشغل بنائیں دوسروں کا اثر قبول کر لیتا زبونی ہمت یعنی کم ہمتی ہو اس لیے زمانہ کے آثار و حوادث سے جی بھرت نہ حال کر کر نہ رہے بھی بہت جتنی اور مجھ کی دلیل ہو مطلب یہ ہو کہ تو اپنے کیر کڑ اور اخلاقی کو اس قدر اعلیٰ درجہ کا بنائے کہ دنیا کے کسی واقعہ سے تجھے بھرت حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔“

یہ شعر بھی اعلیٰ درجہ کا اخلاقی شعور شاعر کا ہو گا دادی اس کا نام نہیں ہو کہ تو ترک تعلقات کر کے لوگوں سے وحشت کر رہے گئے۔ اگر وحشت کرنا ہو تو اپنے نفس سے وحشت کر نہ کرے یعنی نہ دیکھو نہ سمجھو نہ جوتو جو

اُس فتنہ خو کے دے اب اٹھتے نہیں ہمد

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

تفس میں ہوں مگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہوتا بُرا کیا ہو تو اسخیاں گلشن کو ؟
نہیں مگر ہمدی آساں نہ ہو۔ یہ رشک کیا گم ہو؟
ندوی ہوتی خدا یا آرزوئے دوست۔ دشمن کو

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو شجراحت پر
کیا بیٹنے میں جس نے خوں چکاں شرمگانِ سوزن کو
خدا شرائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو۔ کبھی جاناں کے دامن کو
ابھی ہم قتل کر کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا سنا درجے خوں میں تیرے توسن کو

اُس سے کچھ نہ بڑھ کر بھی انسان حاصل کر سکتا ہو۔ بھر سخن عبادت میں اگر زندگی کو صرف کر دیا جائے
تو اس کا غم مل سے کچھ نہ کر جا سکتا ہو۔

یہ شاعر کہتا ہو کہ جس تو تفس میں ہوں اور تو اسخیاں گلشن آنا دہیں اس کے لطف چمن میں میں کا حصہ
نہیں بن سکتا۔ جس تفس میں بند تھا ہوا نکلے کرتا ہوں اور وہ آزاد ہی میں تو کبھی یعنی تازہ سرسبز گلستاں
ہیں اور میرے ہاتھ سے مرغان چمن کے لیے نقصان رساں نہیں بلکہ میرے تالوں سے کچھ نہ کچھ ان کے
چمن کی مدد ہی ہو۔

ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر سنبھلنے کا
 کیا قیاب کاں میں جُنبش جو ہرنے آہن کو
 خوشی کیا ہر کمیت ہر میرے اگر سو بار بار آوے
 بگھتا ہوں کہ ڈھونڈھے ہو ابھی سے برق خرمین کو
 دغا داری پر شرط استواری اصل ایماں ہو
 مرنے بُت خانہ میں تو کہے ہیں گاڑ و برہن کو
 شادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خوشی مجھ کو
 جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو
 نہ نشاد نہ کو۔ تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ہوں
 رہا کھٹکانہ چوری کا۔ دعا دیتا ہوں رہن کو
 سخن کیا کہہ نہیں سکتے ہر کہ جو ہیں ہوں جو اہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے ہر کہ کھو دیں جا کے مدد نہ کو
 ہرے سناؤ سینماں جاوے نسبت نہیں غالب
 فریاد و جھوم کو خسرو و داراب و بہمن کو

دعوت ہوں۔ جب میں پیئے کو اُس سیم تن کے پاؤ
 رکھتا ہوں صند سے کیچ کے باہر لگن کے پاؤ

۱۔ بہمن کو بت خانہ میں مرزا اس کی استواری عبد اور دغا داری کی دلیل ہوا ہے چونکہ سنواری

دی سادگی سے جان - پڑوں کوہ کن کے پاؤ
 چھات اکیوں نہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پاؤ؟
 بھاگے تھے ہم بہت - سوائسی کی سزا ہو یہہ
 ہو کر اخیر دلتے ہیں راہ زن کے پاؤ
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
 تن سے ہوا فگار ہیں ساس خستہ تن کے پاؤ
 اندر سے ذوقِ دشتِ فردی کہ بعدِ مرگ
 جلتے ہیں خود بہ خود - مرے - اندر کن کے پاؤ
 جو جوشِ گل بہار میں یاں تک - کہ ہر طرف
 اڑتے ہوئے اُٹھتے ہیں - بچہ چمن کے پاؤ
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 دُکھتے ہیں تجھ اُس بہت نازک بدن کے پاؤ
 غالب مرے کلام میں کیوں کر سزا نہ ہو؟
 پتیا جوں دھوکے حشر و شیریں سخن کے پاؤ

علامہ اور دکاندار سی پچی اہل ایمان جو اس لیے ایسا نہ کر سکتے تھے کہ جو اس
 لے بیچا چمن میں پرندہ نواز اور پرے اور تار پھر پاؤں کچھا کچھا لیکن یہ کہنا کہ جو اس طرف نہ دیکھ
 اس قدر جوشِ گل اور ہمارے جو کہ درخان چمن اُس پر سے گزرتے ہیں ان کا دل آگے بڑھنے کو تیر چاہتا
 اور وہ وہیں ٹکڑے ہیں ۱۱

سر اڑانے کے جو وعدے کو کر رہا ہا۔
دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ؟ لیکن چار
تم وہ نازک۔ کہ خوشی کو تھاں کہتے ہو

ہنس کے ہلے کہ: "تمہ سر کی قسم ہی ہم کو"
پاس بے رونقی دیدہ سا، سہم ہی ہم کو
ہم وہ عاجز کہ تھاں بھی ستم ہی ہم کو

قطعہ

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا پستی
مقلعہ سلسلہ شوق نہیں ہر ہر شہر

ہو بس میر و تماشا۔ سو وہ کم ہی ہم کو
عزم میر بخت و طوطِ حرم ہی ہم کو

یہ جاتی ہو کہیں۔ ایک توقع غالب
جادو رہ۔ کشش کا کرم ہی ہم کو

تم جانو تم کو غیر سے جو کسم و راہ ہو
بچتے نہیں مواخذہ روزِ مشرے سے
کیا وہ بھی بے گز کش دحقِ اشاس میں
اُبھرا ہوا نقاب میں جو ان کے ایک تار
جب محکمہ چٹھا۔ تو پھر اب کیا جگہ کی قید؟
ستے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دہشت

مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گستاہ ہو
قاتل اگر رقیب ہو۔ تو تم گواہ ہو
اُن کہ تم بشر نہیں۔ خورشید و آہ ہو
مرا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
مسجد ہو۔ مدرسہ ہو۔ کوئی خانقاہ ہو
لیکن خدا کو سے وہ سرا جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گرنے جو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یا رب ! اور مراد شاہ ہو

کب سے کچھ نہ ہوا پھر کہو۔ تو کیوں کر ہو
گر گرنے ہو۔ تو کہاں جائیں ہو۔ تو کیوں کر ہو
حیا جو اہر ہی گو۔ گو۔ تو کیوں کر ہو
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو۔ تو کیوں کر ہو
جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیوں کر ہو
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیوں کر ہو
نہ مانے دیدار جو تو کیوں کر ہو
یہ بیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیوں کر ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو۔ تو کیوں کر ہو
ہماری ذہن میں اس فکر کا جو تمام وصل
اب جو ادھیڑ کشمکش۔ تو کیا کچھ
تقیس کہو۔ کہ گزرا وہ صنم پرستوں کا
اُٹھنے جو تم۔ اگر دیکھتے ہو اکہٹ نہ
جسے نصیب ہو روز سپاہ میرا
بہیں پھر ان سے امید۔ ادھنیں جا ہی تہ
غلط نہ تھا جس خط پر گناہ لستلی کا
بتاؤ اس مژدہ کو دیکھ کہ ہو مجھ کو قرار

مجھے جنوں نہیں غالب۔ دے۔ دلِ خنجر
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو؟

کسی کو دے کے دل کوئی فواجِ خفاں کیوں ہو؟
نہ ہو جب دل ہی بیٹھے میں۔ تو پھر سنیں زبان کیوں ہو؟

لے یہ مصرعہ بادشاہ ظفر کا ہے مرزا نے بادشاہ کی فرمائش سے یہ غزل لکھی تھی۔

وہ اپنی خون چھوڑیں گے۔ ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
 ٹھیک سرزمین کے کیا رہیں؟ کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟
 کیا غم خوار نے دھوا گئے آگ اس جہت کو
 نہ لادے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو؟
 وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر چھوڑنا ٹھیرا
 تو پھر اسے شبِ دل اختیار ہی سنگ آستان کیوں ہو؟
 قفس میں مجھ سے رونا دہن کہتے نہ ڈر ہم دم
 گری ہو جس پہ کل بھلا۔ وہ میرا شیاں کیوں ہو؟
 یہ کہہ سکتے ہو؟ "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ تھلا
 کہ جب دل میں تھیں تم ہو۔ تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟
 غلط ہو جذبِ دل کا شکوہ۔ دیکھو جرم کس کا ہو؟
 نہ کینچو گر تم اپنے کی کشاکش درمیاں کیوں ہو؟
 یہ فتنہ آدمی کی غارت دیرانی کو کب کم ہو؟
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسمان کیوں ہو؟

پہلے سفرے میں استفہام نکلا ہی ہو۔ مطلب یہ کہ کہ بات تم کہہ نہیں سکتے کہ تم میرے
 دل میں نہیں ہو یعنی یہ کتنا بڑا کہ تم میرے دل میں ہو لیکن دریافت طلب یہ ہو کہ جب میرے دل
 میں تم نہ صرف تم موجود ہو تو آنکھوں سے پرستیدہ ہونے کی کیا وجہ ہو؟
 کہ یہ فتنہ برا خدا ہو۔ معشوق کے دوست ہو جانے کی حوت؟

یہی ہو آزمائش۔ تو ستا کس کو کہتے ہیں ؟

عدو کے ہو لیے جب تم۔ تو میرا امتحان کیوں ہو ؟
 کہا تم نے۔ کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی"

بجا کہتے ہو۔ سچ کہتے ہو۔ پھر کہتے کہ "ہاں کیوں ہو"

انکا لا چاہتا ہو کام کیا طنزوں سے تو غالب ؟

ترے بے سہر کہنے سے وہ تجھ پر سراں کیوں ہو

رہیے اب ایسی جگہ چل کر۔ جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو اندھ ہم زباں کوئی نہ ہو

بے درد دیوار سا ایک گھر بنا یا چاہیے

کوئی ہم سایہ نہ ہو امداد پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گھیراؤ کوئی نہ ہو تیسرا دروازہ

امداد اگر مر جائیے تو نہ خواں کوئی نہ ہو



رویف (ہ)

اڑ مہر تا بہ ذرہ - دل دل ہو آئینہ

طولی کو کشش جہت سے مقابل ہو جائے

یہ ہنرہ زار ہر در و دیوارِ غم کہہ
ناچار بے کسی کی ہی حسرت اٹھائیے

جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خزاں ہو چھ
دشوازی رہ دستم ہمراہ نہ ہو چھ

رویف (ی)

صد جلوہ رو بہ رو ہو - جو شرگاں اٹھائیے

طاقت کہاں کہ دیکھا احساں اٹھائیے

لے آفتاب سے لیکر دتے تک دنیا میں ہر چیز دل کے شل ہو اور دل چٹکل آئینہ ہو۔ پس گویا ہر طولی کو پھر آئینہ مقابل نظر آتا ہو۔ طولی سے مراد انسان ہو جو مشیہ اپنے آئینہ دل ہو۔

عہ میرے غم کہ کہ وہ وہاں ہنرہ زار ہیں نہ ظاہر کو کہ وہ وہاں بہ ہنرہ صرف افسانہ وقت آگے ہو جب بے غوری اور بے مصلحتی کی حالت میں اٹھ کر ٹھار پڑے ہوئے ہوں۔ شاعر نے اپنے غم طائفے کی حالت کی اس شعر میں تصویر کھینچی ہو اور یہ کہ ہنرہ بہاریں آگے ہو اس لیے مصرعہ ثانی میں انہی اس دیرانی کو بہار کہہ کر آئندہ اس کے بارے میں نہ توجہ جانے کا خیال ظاہر کیا ہو۔

۱۱۳ منزلی مقصود تک پہنچنے کا درست ایک توہن ہی دشوار گزار تھا پھر اس پر مانتیوں کا سترم مرہ جو

<p>ہو رنگ پر براتِ معاشِ جنوںِ عشق دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہو خم یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجئے</p>	<p>یعنی ہنوز منتِ طفلان اٹھائیے او خاندانِ خرابِ حسان اٹھائیے یا پردہِ بستہ ہنس اٹھائیے</p>
<p>سجور کے زیر سایہ خرابات چاہیئے عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک شخص پر یکے ہیں مہِ رخوں کے لیے ہم مقدری تو سے عرضِ نشاط ہو کس رو سیاہ کو؟ ہو رنگِ لالہ کل و نسریں جدا جدا</p>	<p>بھول پاس آنکہ قبلہ حاجات چاہیئے آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے ✓ قریب کچھ تو ہر ملاقات چاہیئے ✓ اک گوند بے خودی مجھ دنات چاہیئے ✓ ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے</p>
<p>نہیں مجھ کو کچھ جگہ فی ذاتِ حرام ہے</p>	<p>نہیں مجھ کو کچھ جگہ فی ذاتِ حرام ہے</p>
<p>سر پہ خم چاہیئے ہو گا ہم بخودی یعنی چسپ گردنش چمکانہ صفات</p>	<p>روحو سے قبلہ وقتِ مذاہبات چاہیئے عارف ہمیشہ مستِ محو ذات چاہیئے</p>
<p>نشو و نما ہو اصل سے غالبِ فرع کو خاموشی ہی سے نکلے ہو جوبات چاہیئے</p>	<p>نشو و نما ہو اصل سے غالبِ فرع کو خاموشی ہی سے نکلے ہو جوبات چاہیئے</p>
<p>ہو کہ ہمارے ساتھ ہم سفر چاہیئے بے کس بھی نہیں کہہ سکتے ظہورات ۱۔ ہفتی قرآن میں کے ہوجب قرآن سے روپیہ ملے مطلب ہے ہو کہ جو نکر جن جن عشق کے لیے</p>	<p>ہو کہ ہمارے ساتھ ہم سفر چاہیئے بے کس بھی نہیں کہہ سکتے ظہورات ۱۔ ہفتی قرآن میں کے ہوجب قرآن سے روپیہ ملے مطلب ہے ہو کہ جو نکر جن جن عشق کے لیے</p>

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں - وہ بھی
 سو رہتا ہو با اندازِ چکیدن - سرنگوں وہ بھی
 رہو اُس شمع سے آزدہ ہم - چندے تکلف سے
 تکلفِ برطرف - تھا ایک اندازِ جسنوں وہ بھی
 خیالِ مرگ - کب تسکینِ دل آزدہ کو بخشے
 مرے دایمِ تنہا میں ہو اک صیدِ زبوں وہ بھی
 شکرِ کاششِ نالہ بچھ کو کیا معلوم تھا؟ ہمدرد
 کہ ہو گا باعثِ افزایشِ دردِ دروں وہ بھی
 نہ اتنا برتسِ تیغِ جنابِ نازِ منہ ماؤ
 مرے دیائے بے آبی میں ہو اک سچِ خوں وہ بھی
 محوِ عشرت کی خواہش - ساقی گردوں سے کیا کیجے؟
 لیے بیٹھا ہو اک وہ چار جامِ واژگوں وہ بھی
 مرے دل ہیں ہو غالبِ فوقِ وصلِ مشکوہِ بھراں
 خدا وہ دن کرے جو اُس سے ہیں یہ بھی کونج - بھی

جو نرمِ تپاں میں - سخن آزدہ - لبوں سے
 تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامدِ طلبوں سے

نشانِ سنگِ حناں ہونا لازمی ضروری ہے گو اجزاں میں بھی انگوٹوں کی مشابہت کی کہ غیر سخن نہیں ہے۔
 وہ خوشامدِ طلبوں سے مشوق کی طرف اشارہ ہو مطلب یہ ہو کہ مشوقوں کی خوشامد کرنے کے لئے

ہو دور متوجہ پریشانی صہبا
 یک بار لگا دو حسیم مے۔ میرے لبوں سے
 زبانِ درِ مہکدہ۔ گسٹخ ہیں۔ زابہ
 زہار نہ ہونا طرقت۔ ان بے ادبوں سے
 بے داد۔ وفادار کی۔ کہ جاتی رہی آخر
 ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
 سن لیتے ہیں۔ گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
 غالب۔ ترا احوال شاید گم ہم ان کو
 وہ سن کے بلا لیں۔ ہا جا مارا نہیں کرتے

کھر میں تھا کیا کہ ترا غم سے غارت کرتا
 وہ جو رکھتے تھے ہم۔ اک حسرتِ تمیز سہو

بروں سے آکر وہ ہی خوشام کی ہو گئی اب بات کرنے کو ہی نہیں چاہتا
 شہ حریف ہوا۔ پھر نا کا ورہ ہو۔ پہنچنے مند گنا ۱۲

تہ جاتی۔ جاتی جاتی۔ جان کو لبوں سے ربط تھا۔ یعنی جان لبوں پر را کر لی تھی ۱۲

غم دنیا سے گر پائی بھی فزست سر اٹھانے کی
 فلک کا دیکھنا۔ قریب تیرے یاد آنے کی
 کھلے گا کس طرح مضمون سے مکتوب کا یا رب! ^{مع}
 قسم کھائی ہو اُس کا کرنے کا غم کے جلانے کی
 بیٹیا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہو
 دے شکل ہو۔ حکمت۔ دل میں سوز غم چھپانے کی
 انہیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھ آنا تھا
 اُٹھے تھے سہر گل کو۔ دیکھنا شوخی بہانے کی
 ہماری سادگی علی۔ انتہاتِ ناز پر مڑنا
 ترا آنا نہ تھا۔ ظالم۔ مگر تمہید جانے کی

ہے جو کہ فلک بھی سنگسار ہو رہا تو جس ظالم کو اس نے قدرتی طور پر فلک کو دیکھنے ہی نہ دیا
 یاد آتی ہو ۱۱
 غم کے جلانے سے میرے سوز غم کا حال مشرق پر ظاہر ہو جاتا تھا۔ لیکن جب تک اس نے غم کا
 جلانا بھی موقوف کر دیا ہو اس لیے میرا مطلب مائل نہیں ہو سکتا۔ اس شعر کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا
 ہو کہ عشق اپنے غلو طبعی طرح سے ہو کر اگلا ہوتا ہے جس سے افکار اور کافور باقی نہ رہے
 اور اس لیے وہ کسی ایسی روشنی کو استعمال کرتے ہیں جس کے حروف باہمی انحراف میں غائب ہوں
 لیکن آگ کو دھکتے ہیں آپہنچنے یا آگ میں پیدا کا فرق میں اس مطلب کے لیے استہلال کیا جاتا ہو
 کے لکھے جوئے حروف کا غم کو آگ پر رکھتے ہیں روشن ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہو کہ شامل بھی ہیں۔
 اسی روشنی سے اپنے عشق کو غم کو آگ اور عشق اس کو آگ پر رکھ کر پھر لپکتا ہے۔ لیکن
 اب جو کہ عشق نے کاغذ کے جلنے کی قسم کھائی ہو اس لیے اسے غم کو کلاب عشق پر اس کے غم کا
 مطلب کس طرح واضح ہوگا ۱۲

کہہ کو پ حادوث کا تحمل کر نہیں سکتی
 مری طاقت۔ کہ ضامن تھی تہوں کے اتار اٹھا سکی
 کہوں کیا خوبی اور ضلع اپنا سے زماں غالب؟
 بدی لکی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بددلیکی

جمل سے ہاتھ دھو بیٹھ سدا آرزو خرامی اُس شخص کی طرح سے جس کو کوئی بچھاوی	دل جوش گر میں ہو۔ ڈوبی پہٹی سما میں بھی چلے ہو ڈوبی نایغ نامائی
کیا تنگ ہم ستمزدگاں کا جہان ہو! ہو کا کٹنا سے کو حرکت تیرے ذوق سے	جس میں کہ ایک بیچیدہ سورا آسمان ہو پرتو سے آفتاب کے ذوق سے میٹان ہو

لہ حاصل رہے پس حصول۔ ہاتھ دھو بیٹھ۔ آرزو خرامی سے مراد خرام حسب آرزو ہو۔ سما
 جسے کہتے ہیں کہ ستم زدگان میں رہنا پس کا ستمکار بہ طور مفرد استعمال ہوتا ہے ڈوبی ہوئی سما جس کا ستمکار
 کہہ کہتے ہیں وہ ستم دہنی! سما ہی سے مراد جو چلنے والا ملک اور اپنی کو اس سے گمان وصول ہونے کی امید
 باقی رہی مطلب یہ کہ اگر یہ دوزاری سے کوئی ایسا تجربہ حاصل نہ ہو گا کہ اپنے حسب مراد خرام کم کو کم کہہ کر جی گئے
 نے دل کو ڈوبی ہوئی سما ہی بنا دیا جو یعنی اس سے ایس کر دیا ہو ۱۲
 لہ میں دماغ نامائی ہوں۔ یعنی مجھے اپنے تمام وہ چلنے کا دماغ ہو ۱۳
 سہ مطلب یہ کہ ہم اس ستم گستردہ میں کہ جو بیٹھی کا ایک بے حس و حرکت آدمی بھی ہم پر ظم کرنے کو آسمان
 دتا ہوا ہو ۱۴۔

نافل کو میرے پیشے پر ہی کا گمان ہو
 آوے نہ کیوں پسند ہے کہ ٹھنڈا مکان ہو
 بس چپ رہو ہمارے بھی منہ نیلن ہو
 فرماں روا کے کشور ہندوستان ہو
 کس سے کون کہ دماغ جگر کا نشان ہو

مالاں کہ ہر پستیلی خوارے الڑنگ
 کی اس نے گرم سٹینڈا ہل ہوس میں جا
 کیا خوب تم نے پیر کو بوسہ نہیں دیا
 بیٹھا ہو جو کہ سا یہ دیوار یا ر میں
 ہستی کا اعتبار بھی علم نے ہٹا دیا

ہو بارے اعتماد و قیاداری اس قدر
 خائب۔ ہم اس میں غش ہیں نہ نامہبران؟

درد سے میرے ہی بچہ کو بے قراری ہے ہے:

کیا ہوئی غالم تری عقلت شعاری ہے ہے

تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ غم کا عرصہ

تو نے بھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہے ہے

کیوں مری غم خوار کی کا بچہ کو آیا تھا خیال

دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہے ہے

ملے سبیل خانا: ہر ضرب سنگ: اگر اس شعر میں سبیل خانا کو حادثہ کے تجربوں اور شے کو خیر

دل سے تعبیر کیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہو۔

تہہ: ہر ہی غزل مصنف کی وفات پر بطور مرثیہ لکھی گئی تھی۔

عمر بھر کا تو نے پیمانہ دیا ہاں نہ حسرت کیا؟

عمر کو بھی تو نہیں ہو پائے داری ہے ہے
زہر گنتی ہو مجھے آپ دہرائے زندگی

میں تجھ سے تھی اسے سازگاری ہے ہے
کل نشانی ہے تازہ جلوہ کو کیا ہو گیا؟

خاک پر ہوتی ہو تیری لالہ کاری ہے ہے
شرم رسوائی سے جا چھٹنا نقاب خاک میں

ختم ہو الفت کی تجھ پر پردہ داری ہے ہے
خاک میں ناموس پیمانِ محبت مل گئی

اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم داری ہے ہے
اتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جانا رہا

دل بچے رک گئے نہ پایا زخم کاری ہے ہے
کس طرح کاٹے کوئی شب ہے تار برشکال

ہو نظر - ہو کردہ اختہ شمار ہی ہے ہے

کوش بھری پیام - چشم محروم جمال
ایک دل تیرا بیہوشاں سیر داری ہے ہے

عشق نے پروا نہ تھا - غالب - ابھی الفت کا انگ
رہ گیا - تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خوری ہے ہے

سرکشکی میں عالم ہستی سے پاس ہو
 لیتا نہیں مرے دل آئندہ کی خبر
 کیجے بیاں سر و تپ غم کہاں تلک
 ہو وہ غرور حسن سے بنے کاٹھ و فاقہ
 جی جس قدر طے شبِ متاب میں شلاب

شکلیں کو دے نوید کہ مرنے کی تہ ہو
 اب تک وہ جانتا ہو کہ میری جی پاس ہو
 ہر سو مرے بدن پہ زبانِ پاس ہو
 ہر چہ پاس کے پاس۔ دلِ خطا اس ہو
 اس یعنی مزاج کو گرمی ہی اس ہو

✓ ہر گھمکان کہ ہو کہیں سے شرف آمد
 مجنوں جو مر گیا ہو۔ تو جھگل اُداس ہو

گر خاشی سے فائدہ۔ اخلا سے حال ہو
 خوش بول کہ میری بات سمجھنی محال ہو
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
 دل۔ فرو جمع و خج زباں لمے لال ہو

نہ میرے ہی پاس جو سخی عاشق کے پاس ہو ۱۱
 نہ دل غن مشائس سے خود عاشق کا حق مشائس دل عاویہ ہی موشوق نے سے دیا ہو ۱۲
 نہ اس شعر میں شبِ اہ کے ساتھ یعنی مزاج کو اس رعایت سے اخلا ہو کہ شبِ اہ کے مزاج کو
 بھی محبوب کہا جاتا ہو ۱۳

سمجھت حرکت ہو کہ میں بہتہ بیان حال کی حسرت کا شکوہ کس کے سامنے کروں۔ میرا دل گونگی
 زبانوں کے جمع خج کی فرہ۔ یعنی اُن احباب کے شکوہ کا دفتر نہ ہوا جو فرستے ہیں نہ جواب
 دیتے ہیں ۱۴

کس پہ سے میں ہوا آئینہ پر دانا سے خلا
 رحمت کہ خذر خواہ لب بے سوال ہو
 ہو ہو خدانہ خواستہ ہو دشمنی!
 اے شوقِ منتقل! یہ تجھے کیا خیال ہو؟
 شکلیں لباسِ کعبہ۔ علی کے قدم سے جان
 ناپِ زمین ہو نہ کہ ناپِ غزال ہو
 دشت پر سیری عرصہ آفاق تنگ تھا
 دیا زمین کو عسریٰ انفعال ہو
 ہستی کے مت فریب میں آجایو اسد
 عالم تمام حلقہٴ دامِ خیال ہو

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کہو دکھو دکھو
 خذر کہ در سے دل سے کہ اس میں لگ دلی ہو
 دلا یہ دردِ عالم بھی تو مختتم ہو کہ آخر
 نہ گریہ سحری ہو نہ آؤ نیم شبی ہو

لے اس شعر میں آئینہ پر دانا کی فاعل و محنت ہو اور اس کی اثر ہے جو اسے خدا تیری رحمت کس پر سے
 میں آئینہ پر دانا یعنی اپنی آرائش میں مصروف ہو کہ لب بے سوال خذر خواہ ہو کہ میں نے سوال
 اب نہ کہوں نہ کیا۔
 لباس کعبہ کو شکلیں اس کے خلاف سمیاد کی نسبت سے کیا اور یہ رہایت بھی طوفان ہو کہ جس طرح

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا

ظاہر کا غذ ترے خط کا۔ غلط برادر ہو

مجی جلے ذوقِ خاک کی نامی سی پردہ کیوں؟

ہم نہیں جلتے۔ نفس ہر چند آتش دار ہو

آگ سے پانی میں بجتے وقتِ آشتی جو صدا

ہر کوئی نہ مانگی میں نالے سے ناچار ہو

جو وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ

جس کے جلوے ہیں تا آسماں سرشار ہو

بلکہ سے سہکتے تو ہیں کتنا تھا اپنی زندگی

زندگی سے بھی مرا جی اندھیل بندہ ہو

آنکھ کی تصویر سزا سہ پہ کیپنی ہو۔ کہ تا

تجھ پہ کُل جادوے کہ اس کو حسرتِ دیر ہو

شک کی خوشبو چلتی ہو اسی طرح کی بکثرت دعا میں جیل بھی ہو۔ دوسرے سطر میں نیکی کی رعایت سے ناچنے والے کا غفلت استعمال ہوا ہے۔

یہ خطا برادر لکھی کا اٹھنے والا مطلب یہ ہے کہ مشرق نے اپنے خط میں ایک جگہ جھوٹ جھوٹ حرفِ وفا لکھا تھا وہ مٹ گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرے خط کا کاغذ وہ چیز ہو جس سے کتابِ حرفِ غلط آٹھا لپٹھی

تو اس شرمِ مذمتی سے دوامِ خون کی شرح کچھ ہو۔ وہ کہتا ہے کہ ہر نفس سے میں مشتعل ہوں گراؤ۔ وہ دیکھ بھلائی انسانِ زندگی کے تمام کا بعض ہو گیا غور تاہر انسانِ دینی نہ کہتا ہو کہیں شاعر اپنے ذوقِ خاک کو اقصیٰ جا کر

کہتا ہو کہ میں ہوں راجی جتنا کہ تم ہوں جو اپنے نفس کی آفت میں رہا ہو گیا ہو کہ میں کوئی گناہ نہیں کرتا ہو
خطا کو ناچار ہونا ہے غلطی کا عذر خواہ کا عذر ہو جی۔ تاہم میں کی خاموشی سہل ہو نہ مانگی میں بچاؤ آشتی ہو

پینس میں گزرتے ہیں کو چھ سے وہ سیر
کندہ جابھی کہا دل کو بدلنے نہیں دیتے

مرئی ہستی - فضائے حیرت آباد تھا
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا علقا
خزاں کیا؟ فضل گل کہتے ہیں کسی کو کوئی موسم ہو؟
مہی ہم ہیں - قفس ہو - اور ما قہ بال و پر کا ہو
دفا سے دلبراں ہو اتفاقی - ورنہ اسے جہم!
اثر خدا و دل ہائے عزیں کا کس نے دیکھا ہو؟
نڈا سے شوخی اندیشہ - تاب بیخ فوسیدی
کف انوس لکنا عہد تجدد پر تھا ہو

لہ اس شخص سے کہتا ہوں کہ کلام کے کوئی تخیل نہیں ہو بلکہ اس کے ساتھ کندہ جابھی ہے
اور دینے کے ساتھ کا نہ صاحب خیال کے اعتبار سے یہ شعر کلام غالب کے پایہ سے ملتا ہوا ہو اور سارے
دوران میں صورت میں ایک شاعر ہوا ہو۔

تہ شاعر نے اپنی اپنی کو حیرت آباد تھا اور چونکہ حیرت کے عالم میں انسان کے منہ سے آواز نہیں
نکل سکتی اس لیے اسے کہیں سے کلام حیرت کا علقا قرار دیا ہو۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی قضا میں ایسا لکھتا
کہ نازک منہ سے نہیں نکل سکتا۔

یہ شاعر کہتا ہو کہ میری فکر کی طرح سے اسید ہی ہے اور کسی کا صدر نہیں آتا سکا گزرا امید ہی کے
جہد کے انوس بھی ماقہ وہ گواہ تجدد تھا کا چہاں ہو گیا میں میں صورت کا انوس کیا ہر امن کی تشکیک - حاضری کا
اجتہاد اور انوس کا بیان ہو کہ انوس نے اس کے ساتھ تجدد علقا تھا اس لیے میں زیادہ پر لطف ہو گیا ہو کہ
عہد تجدد کے وقت انوس میں آتا دیتے ہیں۔

✓ قلع کیجئے نہ قسائی ہم سے	✓ کچھ نہیں ہو۔ تو عداوت ہی سہی
✓ میرے ہونے میں ہو کیا رسوائی؟	✓ اودھ مجلس نہیں خلوت ہی سہی
✓ ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے	✓ غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
✓ اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو	✓ آگہی گز نہیں۔ عفت ہی سہی
✓ عز ہر چند کہ ہو۔ برقی خرام	✓ دل کے غل کرنے کی نصرت ہی سہی
✓ ہم کوئی ترک دنا کرتے ہیں؟	✓ نہ سہی عشت۔ مصیبت ہی سہی
✓ کچھ تو ہے۔ اے خاکِ نالضات	✓ آہ و فریاد کی نصرت ہی سہی
✓ ہم بھی تسلیم کی غوٹ الیس گے	✓ بے نیازی تری عادت ہی سہی

✓ یارے پیٹھ چلی جاے اے
گر نہیں وصل۔ تو حسرت ہی سہی

✓ جو آرمیدگی میں نکو ہش بجا تجھے	✓ صبح وطن ہو خذہ و مذاں نما بجے
✓ ڈھونڈھے جو اس سستی آتشِ نفس کی جی	✓ جس کی صدا ہو جلوہ برقی نما بجے

مناہت عقل کی حسرت دکھانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

لہذا شرعیتاً مرد کے ان اخلاقیات سے بچنا چاہئے جو عقل پرست کے لیے ناجائز ہیں اسی وجہ سے اباب سنا ایسے ہندو کی دوا کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ واقعی یہ شرعیتاً عرفانی کا ایک آئینہ جو اولیائے حق کے ایک ٹوٹے سلسلہ کو مراد لے کر مل جل گیا ہو۔ ہر فیضِ مولیٰ علیٰ علیہ السلام صاحبِ اختیار پرانی نے اس کا عجب اسرار دکھایا ہو۔ اپنی اہستی سے آگاہی کا حقِ حدیثِ نبوی (من عرف نفسه فقد عرف ربه) کے موافق وہ اس کا

۱۰۔ بازگشت سے نہ پہچانے جاتا ہے
آنے لگی ہو نکبتِ گل سے جیا ہے
شروں کے انتخاب نے دیکھا ہے

مستازِ مکر و ہوں رو وادی خیال
کرتا ہوں کسبِ غم میں تو بے جایاں
کھٹا کسی پہ کیوں مے دل کا سا ملہ؟

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ حذار کتنے تھے

اُس بزم میں مجھے نہیں بُنتی جیّا کیے
بیٹھا رہا۔ اگرچہ اشارے ہو اکیسے
دل ہی تو ہو سیاستِ دریاں سے ڈر گیا
میں۔ اور جاؤں در سے ترے بن صد کے
رکھتا پھروں ہوں خرقہ و ستارہ رہن کو
مُقت ہوئی ہو دعوتِ آب و ہو ا کیے
تجے صفہ ہی گزارتی ہو۔ ہو اگرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے؟

نہجہ اور اپنی ہستی سے غافل ہونا بھی تمام احادیث اور اقوالِ صوفیہ کے موافق وحدتِ ذاتی کا اعلان ہے جیسا
کہ کسی صوفی کا قول ہے: "خود ہی مثلِ حبیبِ علیِ خدا کی صفتوں پر مبنی آنکھوں میں"۔ نتیجہ یہ کہ مبالغہ کو ہمیشہ گوارا ہے
اور غفلت کا تعلق بھی ہستی سے رکھنا چاہیے۔

۱۱۔ میراں بہمنِ خیرت استقال ہوا کو ۷۰۰ ہے صرفہ و بقول ۱۲

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ : اولیٰئم ؟
 تو نے وہ گنج ہائے گراں ماہ کیا کیے ؟
 کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو ؟
 کس دن ہمارے سر پہ نثار سے چلا کیے ؟
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں ؟
 دینے لگا ہو بوسے بنیر البقی کے
 صد کی ہو اور بات - مگر غریبی نہیں
 بھولے سے اُس نے سیکڑوں دھندلے
 غالب - تہیں کس کو کھلے گا جواب کیا ؟
 لانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہو
 بال تدر و جلوہ موج شراب ہو
 نے بھلنے کی گوں - نہ اقامت کی تاب ہو

رختا و عمر - قطع - رہ اضطراب ہو
 یسے کی ہو سرو نشاط بہا سے
 زخمی ہوا ہو پاستہ پائے ثبات کا

یہ شاعر نے اس شعر میں اپنے تئوں کے اس مسئلہ کو کہ جن افعال کی انسان کی عدت چلے وہ اس سے اضطراب
 مند ہوتے رہتے ہیں ان کو کیا ہے ؟ یہ ماہ و اضطراب - یہ وہ بہت جو حالت اضطراب میں آتی ہو کلی - جو سال
 اور مطلب - جو میں غم کو کہیں آفتاب سے سال کا حساب کیا جاتا ہو - غالب کہتا ہے کہ میری وہاں کا حساب برق کی
 رفتار سے کرنا چاہیے گو اگر انسان کی مقدار چمک برق کے برابر ہو مگر وہ بہت جلد فنا ہو جاتا ہے -
 یہ شاعر کہتا ہے کہ مستوں کو صحبت شراب میں جا بیخ کا طعنت آتا ہو - جس کے لیے فیصلے ہنر سر ہو اور
 جو ہر صبح شراب بال تدر ہو وہاں سے مال تدر کو کہہ کر کہتے ہیں ۱۲ -

جا داو بادہ نوشی رنداں پر کشش جہت
نظارہ کیا حریت ہوا اس قیصر کا
بس نامراد دل کی قسلی کو کیا کروں

غافل تھاں کسے ہو کہ گیتی خراب ہو
جوش بہار۔ جلوے کو جس کے نقاب ہو
نما۔ کہ تیرے رخ سے نگہ کا یہاں ہو

گزنا۔ سترت پنیام پار سے
قاصد پہ مجھ کو رشک سوال و جواب ہو

دیکھنا قسمت۔ کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہو
میں سے دیکھوں بھلاکب مجھ سے دیکھا جائے ہو
اتھ دھول سے۔ یہی گرمی گزاندیشی میں ہو
آب گینہ۔ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہو


لہ جا داو بادہ نوشی جائے داو۔ جو لوگ جلیو حقیقت سے بے خبر ہوئے۔ گمان کرتے ہیں کہ عالم خراب ہو
ویران ہو جائے گا۔ بادہ نوشی کے لیے رنداں کے حق میں کشش جہت یک وسیع جائداد ہو جس میں
آزادی اور تاریخ انسانی کے ساتھ ہر خوشی کے مزے اڑاتے ہیں ۱۲
تھ جس کے جس کے جلوے کے لیے جوش بہار نقاب ہو نظارہ اس برقی صحن کے دیکھنے کی کیا
آب اسکا ہو۔ مطلب یہ ہو کہ جب نقاب کی حالت ہی میں اس کا صحن دل بھشتی پر پہلی گزرتا ہو تو یہ
حس کی تاب دلاقت ہو کہ بے نقاب ہوئے برائے کا نقارہ کر سکے۔ معرفت سے بھرا اس مشر ہو جوش
ہاں گلوں کا کی طرف اشارہ ہو ۱۳

نکھ مل کی قسلی کو دیریلان پر کہ ۱۴ صوفی کے لیے ۱۵ استغاثاں ہوا جو ۱۶ مراد نقاب سے بے مرادانی
بجائے استغاثاں کیا ہو ۱۷ آہ آب گینہ کو دل سے لہر گری از پیشہ کو تندی صہبا سے مشابہ کہ ہو۔

غیر کو۔ یا رب! وہ کیوں کر منہ گستاخی کرے
 گر جیابھی اس کو آتی ہو۔ تو شراب جلے ہو
 شوق کو پالت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائے
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبر جائے
 دہر چشم بہ۔ تری بزم طرب سے۔ واہ واہ!

نغمہ ہو جاتا ہواں۔ گرنالہ میرا جاے ہو
 کرچے ہو طرزِ قافل۔ پردہ دایرہ رازِ عشق
 پر ہم۔ ایسے کھوئے جاتے ہیں مکہ پاگلے ہو
 اس کی بزم آماںیاں سن کر۔ مہلِ رنجور۔ یاں
 شل نقشِ مدعائے غیر۔ بیٹھا جاے ہو
 ہو کے عاشق وہ پری منج۔ اور ناؤگ بن گیا
 زنگ گھلتا جاے ہو۔ جتنا کہ اڑتا جاے ہو

لہ طرزِ قافلہ۔ یعنی عاشق کا قافل جو پردہ دارِ عشق کی نغم سے جڑا جائے شاعر کہتا ہے کہ ہم اپنے
 مشرق کے سامنے اس طرف سے رہتے ہیں کہ اس پر ہمارا عشق افشا ہو رہی عاشق کا قافل ہو
 لیکن ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ اپنی از خود رفتہ ہو جاتے ہیں کہ وہ فوراً ہمارے عشق کو اٹھاتا ہے
 تھ "بیٹھا جاے ہو" کے اس شعر میں دو معنی دکھائے گئے ہیں۔ نقشِ مدعا کا بیٹھا۔ یعنی مطلب
 برآنا۔ دل بیٹھا۔ اس میں بیٹھا پہ صیب ہے طاقی۔ مگر خزانہ کر معنی زیادہ قرین قیاس اور با محاورہ
 ہیں۔ ۱۲۔

نقش کو اُس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز ہیں !
 کھینچتا ہو جس قدر - اٹھا ہی کھینچتا جائے ہو
 سا یہ میرا چہرے سے مثلِ دو دہاگے ہو 
 پاس مجھ آتش بہ جاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہو ؟

<p>گرم فریاد رکھا - شکل نہالی نے مجھے نسیمِ تقدیر دو عالم کی حقیقت معلوم کشتِ آرمائی وحدت ہو - پرستارِ نبی ہم جو میں گل کا - تصور میں بھی کھٹکانا دیا ✓</p>	<p>تب ااں ہجرِ مین ہی برویا لی نے مجھے لے لیا مجھ سے مری بہتِ عالی نے مجھے کر دیا کا فر - ان اسنامِ حیا لی نے مجھے عجب آرام دیا - بے پروا لی نے مجھے</p>
<p>کارگاہِ ہستی ہیں - لالہ - طغِ سماں ہو</p>	<p>برقی خیزِ احت - خونِ گرمِ دماغ ہو</p>

لے کھینچتا جائے ہو - رکڑا جائے ہو (جو ہوتا ناز)
 لے شکلِ خالی کو دیکھ کر مجھے مشقِ کن یا دانی امد میں گرم فریاد ہو گیا اور اس گرمی فریاد کے سبب مجھے
 شبِ بے جگر کی سرزدی سے امان ملی -
 لے مطلب یہ ہو کہ میری محنت اس قدر بلند ہو کہ اُس نے تقدیر دینا اور نسیمِ حسی کے عوم میں مجھے
 فروخت کرنا گوارا نہ کیا اس لیے میں اپنی محنت عالی کے پاس رہا یعنی عالی محنت کے سبب میرا تفسیر
 مددوں عالم سے بالاتر ہو -
 مجھ مرزا غالب نے ان تئوں شعروں کی شرح لکھتے ہوئے عودِ ہندی میں لکھا ہو کہ "قبلا چند
 فکر سخن میں بیدل" بہرہ مشرک کے طرز پر ہیئت لکھا تھا - چنانچہ ایک غزل کا مطلع یہ تھا -
 مرزا بیدل میں رخت لکھا + اسدؔ غاں فہاست ؟

باوجود کجی - خواب گل پریشاں ہو
داغ - پشت دست بجز خطہ غم نخل ہو

خفہ - شگفتن با - برگز عافیت معلوم
ہم سے پنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے

ہم یا بال میں ہیں امگر میں ہمارا آئی ہو

اگ رہا ہو درد دیوار سے بنزہ غالب

سادگی پر اس کی مٹانے کی حسرت دل میں ہو
بس نہیں چلتا کہ پھر خیر کف قاتل میں ہو
تو کہنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی سیر دل میں ہو
گرچہ ہو کس کس برائی سے دے لے یا میں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہو کہ اس نخل میں ہو
بس بوجھ ناما سیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو ایک لذت ہمارے ہی سے حاصل میں ہو

پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مطالعہ خیالی کیا میں۔ پڑا میں کچھ ہو گیا۔ بہتر جب عزیز
اکائی قواسم و بان کو دیکھا اسی ایک قلم کہ کچھ دس چند رہ شعرا اسے نوٹنے کے وہی حال میں رہتے
جس پر ایک قینچی شرمی نہیں دس چند رہ اختصار میں سے ہر جن کی طرف مطالعہ ہا میں اشارہ کیا گیا ہو
ان کا صاحب مرزا نے ایک خط میں مولوی عبدالرزاق شاہ کے نام میں لکھا کہ میں چھپا ہوا اس طرح کہ ہوا
کو کہہ دیتی میں انچہ داغ سلاں شکل بکھر بکھر وہ شخص کہ داغ میں کا سواہ و سلاں ہو۔ سو جو بیت لاکھ کی خیر
تھا نش داغ ہر دو رنگ توہ بھولوں کا بھی دل ہوتا ہو پھر کچھ لکھے کہ بھول کا دوست باغ جو کچھ ہوا جانو
وہ بھول کو جوتے ہوئے پانی سینے میں شقت کرتی پڑتی ہو اور راحت میں لوگرم ہو جاتا ہو قصود خاطر کا

بچ رہ کیوں کہتے ہیں؟ واما ان کی کو عشق ہو
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم۔ منزل میں ہو
 جلوہ زارِ آتشِ دہخ۔ ہمارا دل سہی
 قندِ شہرِ قیامت کس کی آب و گل میں ہو
 ہو دلِ شوریدہ غالبِ حلیمِ بیچ و تاب
 رحم کر اپنی تنہا پر کہ کس مشکل میں ہو

دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی
 تکلیف پر وہ دلدی زخیم جگر گئی

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
 شوق ہو گیا جو سینہ۔ خوشا لذتِ فراغ

یہ جو کہ وہ دھن رنج دہنا جو مزاج کا وہ لہو جو کشتِ کار میں گرم ہوا ہو وہی اسے کی راحت کی خیر کا
 برقی ہو۔ حالِ صبح ویتِ صبح اور صبحِ خلعت راحت اور صورتِ رنج و شہرہ ماہ صبح۔ کلاب نئی نگاہ
 بصورتِ قلب صبح پر ہی نظر آئے۔ عجیب رنگ بھل سہے برگِ حاجتِ معلوم بیانِ معلوم بہ معنی معلوم ہو وہ۔
 برگِ حاجت بہ معنی لایہ آدام صبح۔ "برگ جھٹے جو ز غروبِ فرست" برگ اور سرور برگ بہ معنی ساز و ملان
 خواب گلِ شخصیت گلِ اعتبارِ خوشی و ہر حال کی پریشانی ہر ہو میں شگفتگی وہی بھول کی بکھر پڑی کا گھر ہوا ہوا
 غریب جو روت دل تلخ ہو۔ "اصف جہیت دل گل کی خواب پریشان ہو۔

اشتر سویم، ہم سے تلخ ہو۔ پشتِ دست صورتِ بزمِ ادب سے وہ ذرا دکا ہو۔ وہ ذرا گزشت بھی اٹھا نظر ہو۔
 ہیں جس عالم میں کہ وہ نے پشتِ زمین پر رکھ دی ہو وہ بھٹلے نے شکا آنتوں میں لایا جو ہم سے تلخ و مضطرب
 کا تھل کس تلخ ہو "مطلب یہ کہ اس تلخ کے برداشت کرنے کی ہم میں تاب و طاقت نہیں جو وہ ہم سے
 ہلک کر رہے ہو۔

لے شاعر نے کہ وہ ان کی کہ ہمارے قدم سے عشق ہو گیا ہو اس سے ہمارے قدم جو منزل کے رہتے ہیں جو
 و منزل سے وہ منزل پر ہو، ان کے نہیں جڑ سکتا اس سے ہم رہے کی تکلیف کیڑ کو تھا ہیں۔ "عالمی نے اس

وہ بادہ مشہاں کی سرستیاں کہاں؟
اٹنی پھرے جو خاک مری کوٹے ہیں
دلجو تو دل فری اذ انہ نقش
ہر ہوس نے حسن پرستی شمار کی
نفاذ نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا
فرود ہی کا تفرقہ یک ! ر مٹ گئی

اُٹھے ہل ب کہ رتِ خواب سحر گئی
بجٹا ب۔ اے ہوا۔ ہوس ہاں و پر گئی
سج خرام یا رب بھی کیا گل کتر گئی!
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی
سستی سے ہر نگہ تھمت پر بکھر گئی
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

اما زمانے نے اس اندھاں تمہیں
وہ دلوے کہاں؟ وہ جوانی کدھر گئی؟

شعر میں مشرق سے اپنے ارمان نکالنے کی درخواستِ ضابطہ ان کے طریقے سے کی جو وہ کہتا ہے کہ تمام
کا شو رہہ دل میر میں تیری تھا بھنی ہوئی ہو کبھی و اب کا ظلم و تو انہی تھا پر دم کا اور میرا ارمان
نکل چائے ۱۲

لہ بادہ مشاں سے جوانی مر رہی اور میر سے پری کی طرف اشارہ ہو مطلب یہ جو کہ بڑھاپے میں جوانی کی ہوس
بکاؤ ہو ہی ہو ۱۳

۱۴ کل کرنا دہشتی شکوہ مرزا میں کوئی فساد کی بات کہے کہ آپ بیہوش ہو جانا ۱۵

۱۶ شاعر مشرق کو مخاطب کہہ سکتا ہے کہ تیرے سچ پر پہنچ کر کچھ ایسی مست و خود رفتہ ہوئی کہ دیکھنے والے
وقت و صبر سے محروم ہو گئے ۱۷

۱۸ دہشتی میں کل کو مشقت۔ فرما میں کل آنے والا ملن اور زمانے حشر سے بھی مراد لی جاتی ہو قیامت گزارنے
ضابطہ صحتی گزارنا اُخرو قیامت کا آجانا۔ مطلب یہ ہو کہ کل کو مشقت کہیں وقت تم جہان سے پاس سے رخصت
ہوئے ایسی خود فراموشی اور خود فراموشی ہوئی کہ کچھ اور کل (یعنی اُختری و مستقبل) کی نیز باقی

نہ رہی ۱۹

تسکین کو ہم نہ روئیں۔ جو ذوق نظر لے

حورانِ خلد میں تری صورت گر لے

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعد قتل

میرے پتے سے خلق کو کہیں تیرا گھر لے

ساقی گری کی شرم کرو کیج۔ درد نہ ہم

ہر شب پایا ہی کرتے ہیں۔ تجھ میں قدر لے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اسے ندیم

میرا سلام کہتو۔ اگر نامہ بر لے

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ بھڑوں نے کیا کیا

فرصت کشاکشِ غم نہاں سے گر لے

ازم نہیں۔ کہ خضر کی ہم پیر دی کریں

جاتا۔ کہ ایک بزرگ ہیں ہم سفر لے

اے ساکنانِ کوچہ دلدار و کینا!

تم کو کہیں جو غالب آشفۃ سر لے

۱۔ تسکین کو ہم نہ روئیں۔ ۲۔ تسکین مل کا غم نہ کریں۔

۳۔ میرے پتے سے۔ ۴۔ میرے خلق کے پتے سے۔ ۵۔

۶۔ ساقی گری کی شرم کرو۔ ۷۔ جھکا کر دعا کرو۔ ۸۔

۹۔ کچھ کلام نہیں۔ ۱۰۔ کچھ شکایت نہیں۔ ۱۱۔ سلام یعنی سلام شکوہ، آمین۔ اس شعر کا مطلب خود مراد نے
ایک خلد میں کتا جو م نہایت دلچسپ ہوا، غریب، انیس کے اندھا کلاں، اس کو غلط کریں۔ ۱۲۔ شاعر کو ایک

اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہو
سوزِ غم لائے نہانی اور ہو
پر کچھ اب کے سہرگانی اور ہو
کچھ تو پینام ترز بانی اور ہو
دو بلائے آسمانی اور ہو

کوئی دن گردِ زنگانی اور ہو
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں
بار بار دیکھی ہیں اکن کی ریشیں
پسے کے خطہ منہ دیکھتا ہوا نہر
کالے اعمار میں اکشدِ نجوم

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگسانی اور ہو

کوئی صورتِ نقشہ نہیں آتی

کوئی اسیدِ بنسین آتی

تھامد کی ضرورت ہوئی گر کھلے کہ تھامد کی مشرقی بہا شوق نہ ہو جائے ایک دوست اس عاشق کا ایک شعر کہ
لا ابرامح نے عاشق سے کہا کہ تھی دوسرا اور سوتو طیر پیوس ختام ہوں کہ میںی حرکت نہ کر چکا خبر اس کے
ناتھ خط بھیجا گیا تھا را عاشق نگہاں پیچ ہوا تھامد کو تب خبر کہ وہ کہہ کر حال و مشیت ہو گیا کیا خاکسار
وہاں بن پڑے تھا تو محفل کو چلا اب عاشق اس واقع کے وقوع کے بعد نرم سے کہتا ہو کہ غیبِ دل تو خدا کو کچھ
بلی کی کسی کو کیا طیر سے نرم تھ سے کچھ کام نہیں ملے اگر پھر نہیں ملے جانتے تو اس کو پیرِ مسلم کہہ کر کیوں صاحب
نرم کیا کیا جو ہے عاشق خود سے کہہ گئے تھے اور انجام کا رکھا ہوا ہے
لے میرزا اپنے ایک خلیں اس شو کے مستحق تھے ہیں اس کوئی شکل نہیں لیتے ہیں وہی سوزی شاعر اپنا نصیب
کوں جانتے کہ میں کیا کروں گا بہم کتا ہو کہ کچھ کروں گا خدا جانتے شعر میں باغ و خرم میں نگہ بنا کر شعر ہو کہ نتیجہ ہے
یا میں پھر پڑا میں چلا جئے ۱۲

نقد یہ گرمی کہاں استعمال نہ گاوی ہو ۱۳

نقد اعمار اور عطر مطلب یہ جو کہ نجوم کے مستاروں کے اثر سے بھی عطر بننے پہنچاتی ہیں لیکن

خینڈ کیوں رات بھر نہیں آتی
 اب کسی بات پر نہیں آتی
 پر طبیعت اوجھڑ نہیں آتی
 ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
 میری آواز گر نہیں آتی
 پوچھی سے چارہ گر نہیں آتی
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 موت آتی۔ ہی۔ نہیں آتی

سوت کا ایک دن مسیتن ہو
 آگے آتی تھی حال دل پہ نہیں
 جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
 ہو کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
 کیوں نہ چیخوں کہ باد کرتے ہیں
 داغ دل گر نظر نہیں آتا
 ہم دہاں ہیں۔ جہاں سے ہم کو بھی
 مٹاتے ہیں آرزو میں مرنے کی

کہے کس منہ سے جاؤ گے غالب
 شدم تم کو مگر نہیں آتی

آخر اس درد کی دوا کیا ہو؟

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہو؟

بلجئے آسمانی اس سے کہیں بڑھ کر ہو۔ آسمانی کے تباہیوں غم کی طوفان اشارہ ہو ۱۲
 طہ دوسرے صفر میں تینہ کے لفظ کو دور سے کر چڑھنے سے مطلب صاف ہو جاتا ہو ۱۳
 عہ دوسرے صفر میں مستقام اقراری ہو چاہہ گر کی ناخوشی پرستش کی گئی ہو کہ اگر تجھے داغ دل نظر
 نہیں آتا تو کیا بوائے سوخت بھی نہیں آتی۔ یعنی ہوسے سوخت کو مزہ آنا خوب ہے ۱۴
 عہ صفر اول میں مرتے ہیں بہمنی دل دہاں سے چاہتے ہیں آنا ہو۔ دوسرے صفر کا مطلب ہے ہو
 کہ موت ہمارے پاس تک تو آتی ہو لیکن ہم پہنچا مل نہیں کر آتی یعنی ہماری جان نہیں بیتی ۱۵

یا الہی یہ ماجسا کیا ہو ؟
 کاش پوچھو کہ " دعا کیا ہو ؟
 پھر یہ ہنگامے خدا کیا ہو ؟
 غمزد و عشوہ واد کیا ہو ؟
 نگہ چشمِ سدا کیا ہو ؟
 ابر کیا چیز ہو ؟ ہوا کیا ہو ؟
 جو نہیں جانتے - وفا کیا ہو ؟
 اور وہ ویش کی صدا کیا ہو ؟
 میں نہیں جانتا - دعا کیا ہو ؟

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
 جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
 یہ پڑی چہرہ لوگ کیسے ہیں ؟
 شکن زلفِ عنبریں کیوں ہو ؟
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ؟
 ہم کو ان سے وفا کی ہوا پسند
 ہاں بھلا کر - ترا بھلا ہوگا
 جانِ تم پر نشانہ کرتا ہوں

میں نے اناکر - کچھ نہیں - غالب
 صفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہو ؟

کہتے تو ہو تم سب کہ بہتِ غالیہ مواتے
 اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وواتے
 ہوں کشمکشِ نزع میں - ہاں جذبِ محبت
 کچھ کہہ نہ سکوں - پردہ مرے پوچھے کو آئے
 ہر صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
 آنا ہی - مجھ میں مری آنا نہیں - گو آئے

ظاہر ہو کہ گھر کے نہ بھائیں گے نیکہ دین

ہاں منہ سے گرا بادہ دوشینہ کی ہو آئے

جلاد سے ڈرتے ہیں۔ نہ دھڑکے بھگڑتے

ہم کچھ ہوئے ہیں اے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہل طلب کون سنے طعنہ دلیا منت

دیکھا کہ۔ وہ ملتا نہیں۔ اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ مشیوہ کہ آرام سے نہیں

اُس در پہ نہیں بار۔ تو کیسے ہی کو ہو آئے

کی نیم نضوں نے اثر گرہ میں نعتیر

اپنے رہے آپ اُس سے گرجہ کو ڈھو آئے

اُس انجمن ناز کی کیا بات ہو اقبال

ہم بھی گئے وال اد تری تقدیر کو روا آئے

پھر کچھ ایک دل کو بے قراری ہو

پھر جگر کھودنے لگا تا سخن

قبلہ مقصد ہنگامہ نیا نہ

سینہ جو یائے زخم کا رسی ہو

آید فضل لالہ کار سی ہو

پھر دہی پردہ عمار سی ہو

لے شام نے اس شخص اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ دنیا اندھیل سب خدا کی طرف سے ہو رہی ہے (عالمی)
اس شخص کے سرمدانی میں بھیس کی جگہ رنگ کاغذ مقدس دیوان عالمی میں مستعمل کیا ہو مگر یہ کہ یہی بھی
تک اثر گرہ : اثر گرہ کے باب میں محمد کو ڈھوئے : میری ذلت کر آئے ۱۲۔

ق

دل خریدار و ذوق خواری ہو
 دہی صدر نگ نالہ فرمائی ہو
 محشرستان بے قراری ہو
 رونہ بازار جاں سپاری ہو
 پھر وہی زندگی ہماری ہو

چشم و آل جنسِ رُسوائی
 دہی صدر نگ نالہ فرمائی
 دل ہوائے خرام ناز سے پھر
 جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہو
 پھر اُسی بے وفا چہ مرتے ہیں

ق

گرم بازارِ فوج داری ہو
 زلف کی پھر شہ داری ہو
 ایک فریاد و آہ و زاری ہو
 اشک باری کا حکم جاری ہو
 کج پھر اس کی رو بکاری ہو

پھر کھٹا ہو درِ عدالتِ ناز
 ہو رہا ہو جہان میں اندھید
 پھر دیا پارہ جسک نے سوال
 پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب
 دل و شرکال کا جو مستند تھا

بے خودی بے سبب نہیں غالب
 کچھ تو ہو جس کی پردہ داری ہو

جنوں بہت کشش تھیں نہ ہو۔ گر شادمانی کی
 نیک پاش خراشِ دل ہو۔ لذتِ زندگانی کی
 کشش ہاے ہستی سے کرے کیاسی آزادی
 ہوئی زنجیرِ بیچ آب کو۔ فرصتِ روانی کی
 پس از مردان بھی دیوانِ زیارت گاہ و مغللاں ہو
 شرابِ رنگ نے تربت پہ میری گلِ فشانے کی

نکو ہمیشہ یوسفِ فریادی بے داؤدِ دل بر کی
 مبادا خندہ و دندان نہا ہو صبح۔ محشر کی
 رگِ بیل کی۔ خاکِ دشتِ جنوں۔ رنگِ بخت
 گر بوسے بجائے دانہ۔ دہقان۔ نوکِ شتر کی

لے شادمانی کی ۱۔ شادمانی حاصل کی۔ یہ حرکت ہو کہ اگر غمخواری سے دیر کو دل نے خوشی حاصل کی تو اسے
 ہمارے جوں پر تکسین حاصل کرنے کی ہمت نہیں لگ سکتی کیوں کہ اس عارضی خوشی نے تو زخمِ دل پر ابھ
 بھی نیک چھڑک دیا۔ شاعر نے اس شعر میں اس کلیہ کو نظر کیا ہو کہ تکسین کی حالت میں اگر غمخواری ہو کہ رست
 ل جائے تو انسان کو تکسین و رست کے متباد کرنے کا مستقل جانا ہو اور اس وجہ سے اس کو تکسین کا احساس
 اور بھی زیادہ ہو جائے ۲۔

عہ آدھی کیسی ہی کہ کشش کہے کہ ہستی سے آج کوئی آزاد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً صبح آب ہو کہ اس کی روانی
 سے بظاہر اس کی آزادی کا خیال ہوتا ہو۔ لیکن فی الواقع اس کے پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی ہو۔ شاعر نے اس کی
 لہریں کو زنجیر سے جھٹکتی ہی جو مطلب یہ ہو کہ دنیا کے تعلقات کی کشش سے جس قدر آزاد ہوئے گی کہ کشش
 کی جائے۔ اتنی ہی گرفتاری برہتی جاتی ہو ۳۔

عہ دیکھیں ہستی اگلے نہ کہ زخمی ہوا۔ اس شعر میں مصنف نے اس مشہور قصے کی طرف اشارہ کیا ہو کہ بیل کی

پُر پرواز۔ شاید بادبانِ کشتی مڑ سکتا

ہوئی۔ مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی

کڑوں بے دادِ ذوقِ پریشانی عرض۔ کیا قیامت ہے؟

کھٹاقت اڑ گئی۔ اڑنے سے پہلے کیے شہ پر کی

کہانِ کمر و دول اس کے خیمے کے چھپے۔ قیامت ہے

مری قیامت میں ارب۔ کیا نہ تھی دیوارِ شہر کی

بے اعتدالوں سے۔ جبکہ سبیں ہم سے

تجنے زیادہ ہو گئے۔ اتنے ہی کم ہوئے

پہاں تھا دامِ تختِ قریب آشیان کے

اڑنے نہ پایا۔ ہے تھے گرفتار ہم یوں

قصہ کے ساتھ مجنوں کی قصد خود پہ خود کسل گئی تھی مطلب یہ جو کہ اگر خاکِ دشت مجنوں میں کسان داسنے کی
جگہ فرسوسے تو صحنِ ہنسی کے اتنی دکان پر اور جو کہ اس سے رنگِ بلی آئے ۱۲

شہ جب مجلس گرم ہوئی تو شمعِ حقیقیہ اور شمعِ کسبے پر دسے گا ہوا لادھی جو مجلس کی گرمی روانی ساغر کا سبب ہے

اس لیے کشتی کا بادبان پر پرواز کر شہرِ بانجھ پر نکلو مجلس میں دورِ ساغر کشتی کی پرواز سے ہی کی پرواز ملتی ہے

عہ یہ شہرِ جبلِ نیش جو شاعریات کو کہ اڑنے سے پہلے ہی سببِ شہ پر کی کوئی پرواز گئی و زائل ہو گئی

اب دعویٰ پریشانی کی ہے ادیان سے باہر جو کہ ٹھکرنا چاہتا ہوں لیکن بڑاں میں سکتا ہے

تہ جننے زیادہ ہو گئے۔ دیکھتے ہم اپنی حد سے بڑھے ۱۳

یہ سہنتِ قریب۔ زیادہ قریب۔ اس شعر میں شاعر نے نشان کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا جو
کہ آدمی نے جہاں ہو مل سنبھالا اور تعلقات و ذیلی میں بھنس گیا ۱۴

بستی ہماری۔ اپنی فاپر و سیل ہو

یاں تک بٹے کہ۔ آپ ہی اپنی قسم ہوے

سنتی کشانِ عشق کی پوچھے ہو کیا خبر؟

وہ لوگ رفتہ رفتہ سدا پا الم ہوے

تیری دفا سے کیا ہو سکا فی ہ کہ دہر میں

تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے تم ہوے

کہتے رہے جنوں کی حکایاتِ غول چکاں

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوے

اقتدری تیری تندیِ خوبس کے بیم سے

اجزائے نالہ۔ دل میں کے رزقِ ہم ہوے

بہلِ ہوس کی فتح ہو۔ ترکِ نبردِ عشق

جو پاؤں اٹھ گئے۔ وہی اُن کے علم ہوے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے

جرمِ اس نہ کھنچ سکے۔ سو وہیاں ان کے دم ہوئے

۱۱۔ شاعر اس شعر میں اپنی بستی کو بے حقیقت ظاہر کرتا ہے کہ ۱۰۔ ہمارے نام صرف قسم کھانے کو ہے ورنہ
فی حلقہ رضا فی بستی خاک کو براہِ تو ۱۲

۱۳۔ رزقِ ہم۔ ایک وہ سب سے کارِ رزق ۱۴

۱۵۔ دلِ ہوس۔ رقیب۔ پاؤں اٹھنا۔ جاگ اٹھنا۔ قلم ہوے۔ رزق کا بھینٹا ہوے ۱۶

چوڑی اس۔ نہ ہم نے گدا ئی میں لگی۔

سائل ہوئے تو۔ عاشقِ اہل کرم ہوئے

جو نہ نقدِ داغِ دل کی۔ کرے شلہ پاسبانی

تو فرسِ رگی نہاں ہو۔ بہ کمینِ بے زبانی

مجھے اُس سے کیا توقع ہے؟ زمانہ جوانی

کبھی کو دل میں جس نے۔ نہ سنی مری کمانی

نہیں دیکھ کسی کو دینا نہیں خوب۔ وہ نہ کتنا

کرم سے عدد کو یارب! لے میری زندگانی

ظلمت کرے میں بہرے شبِ غم کا جوش ہو
نے مرثوۂ وصال نہ نظارۂ جمال

اک شمع ہو دلیلِ سحر۔ سو خاموش ہو
مُدت ہوئی کہ آشیِ چشمِ دگوش ہو

اسے کہتے ہیں کہ شلہ (شلہ صحبت) جو میرے نقدِ داغِ دل کی محبت کا فرس نکلتا ہو چونکہ داغِ دل کو شرفی سے صاحبِ مہبت دیتے ہیں۔ اس لیے نقدِ داغِ دل کمانا اگر ایسا نہ کرے یعنی اسے نقد ہو جانے دے تو افسردگی اور خاموشی جو عمر دہی سے پیدا ہوتی ہو اسے شلہ سے۔ شلہ کی رعایت سے بے زبانی کا لفظ کر گیا ہو ۱۲۔
عدہ نہیں، اس لفظ کا وہ بعض بول رہی اور بعض پوچھیں گتھے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ جو لہجے میں لکھا جائے۔ "نہیں" گتھے ہیں اس کے معنی نکادے سے اس لیے صاحب کے ہیں ۱۳۔

اسے شبِ غم کا جوش دار اندھیرا ہی اندھیرا اس شعر کی طرح بھی خود مرثوۂ غالبہ ہی کر گئے ہیں میں کو ہمچہ خیر
عمرِ ہندی سے نفس کیے دیتے ہیں۔

وہ مرثوۂ خیر کو پہلا مصرعہ جتنا "شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا (ظلمتِ ظلمت) سحرنا پہنچا گویا

کئے کیا ہے۔ حسنِ خود آرا کو بے حجاب
 اسے شوق۔ یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے
 گوہر کو عقدِ گردنِ خواہاں میں دیکھن
 کیا ان پرستارِ گوہر فروش ہے
 دیدارِ بادہ۔ حوصلہ ساقی۔ بنگاہِ مست
 بزمِ خیال۔ موکہ: بے فروش ہے

قطعہ

اگر تازہ داروانِ بساطِ ہوا سے دل
 دیکھو بگے جو دیدارِ عبرت نکلا ہو
 زہار! اگر تمہیں ہوش سے دوش ہو
 میری سُنو جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے

خلق ہی نہیں ہوئی اس دلیلِ محاک کی بود پر ہوئی بھی ہوئی شیخ اس راہ سے کہ شیخ و چمنِ محاک کو سمجھ جایا کرتا
 ہیں۔ لطف اس معنوں کا کہ جو کہ جس کو کہ دلیلِ محاک شہزادہ خود ایک سبب ہے جو بھلا سبب آؤ کی کے
 پس دیکھا پائیے کہ جس مگر میں علامت کا موثر غفلت ہو گی وہ مگر کثرتِ تار یک ہو گا ۱۱۔

یہ محفلِ خیال کو ایک کفر و ہوش نے موکہ کہ کہ گشتِ کائنات و کلاہ کو کہ اس دربارِ شہزادہ جو حوصلہ ساقی جو انداز
 کو طرہ جو۔ حوصلے کو ساقی اس لیے کہ کہ تصورِ مصروفی کی حالت میں عاشق کو اختیار ہو کہ وہ رہنے چلنے کے اپنی
 نگاہ و شوق کو دیا رہا ہے ۱۱۔

لے ہوا: خواہش۔ تازہ داروانِ بساطِ ہوا سے دل: وہ نوجوان جنہیں خواہشاتِ انسانی میں مبتلا ہوئے تھے
 زہار گزرا: زہار گزرا تا کہید جو: تھکے و غمش سے، تو کا مستعارِ شہزاد کا پتا مراد ہو اس قطعہ میں مصنف نے
 پناہ حال پیش کر کے لوجوانوں کو پرہیزگاری کی نصیحت کی کہ اور بعض حدود کی حقیقت کا نقشہ دکھایا ہو ۱۱۔

ساتی - جلوہ - دشمن ایمان مانگی
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بباط
 لطفِ خرامِ ساتی - وہ ذوقِ صلہ چنگ
 یا صبح دم جو دیکھتے - اگر - تو بزم میں
 باغِ فراقِ صحبتِ شب کی جل ہوئی
 کتے میں غیب سے یہ سفر میں خیال میں

مضطرب پر نغمہ - ہنسن تکین دہوش ہو
 دامنِ باغبان و کفِ گلِ فروش ہو
 یہ جنتِ نگاہ - وہ فردوسِ گوش ہو
 نے وہ سرور و شور نہ جو شجہ خوش ہو
 اک شمع رہ گئی ہو سودہ بختی خوش ہو
 غالب - سرِ رخامہ - نوے ہوش ہو

نہ ہونی اگر مرنے سے تسلی نہ سہی
 خارِ خارِ المِ حسرت دیدار تو ہو
 تو پرستانِ غم کو منہ سے لگا ہے ہی بنی
 نفسِ قیس کہ ہر چشم و چراغ صفا
 ایک ہنگامے پہ قوف ہو گھر کی رونق
 نہ سنا کش کی تنہا - نہ صلے کی پروا
 عشرتِ صحبتِ خراباں ہی غنیمت سمجھو

امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
 شوق - گل چینِ گلستانِ تسلی نہ سہی
 ایک دن اگر نہ ہوا بزم میں ساتی نہ سہی
 گزشتیں - شمعِ سیاہ خانہ لیلی نہ سہی
 نورِ غم ہی سہی - نغمہ و شاد ہی نہ سہی
 گزشتیں ہیں مرے اشعار میں مٹی نہ سہی
 نہ ہونی غالب - اگر غیرِ طبعی نہ سہی

عجب نشاط سے جلا دے چلے ہیں ہم آگے

کلاچے سے سے سحر پانوں سے ہو دو قدم آگے

فضل نے تھامے جا با خراب بادۃ الفت

فقط "خراب" لکھا - بس نہ چل سکا ظم آگے

غم زمانے جھاڑی نشا عشق کی سستی
 مگر ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے
 خدا کے واسطے۔ داد اس جنونِ شوق کی دینا
 کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامبر سے ہم آگے
 یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
 تیار سے آئیں۔ اے کڑواے غم، غم آگے
 دل و جگر میں پرفاشاں جو ایک موجِ لُخوں ہو
 ہم اپنے زلم میں بکھے ہوئے تھے ایک دم آگے
 قسم خاز سے آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
 ہمیشہ کھاتے تھے جو ہری جان کی قسم آگے

شکوے کے نام سے بے مرخا ہوتا ہو
 یہ بھی مت کہہ۔ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہو
 پڑھوں میں۔ شکوے سے یوں۔ دل سے جیسے ہوا ✓
 اک ذرا پیڑیے۔ پھر دیکھیے کیا ہوتا ہو
 گیتِ سخن نہیں۔ پر حسنِ ملائی و لکھو
 شکوہ جو سے سرگرم جفا ہوتا ہو

غم زمانے جھاڑی نشا عشق کی سستی: یہ سب نسخے آوارہ ہیں۔ مطلب یہ کہ جب سے دنیا کا غم ہمارا ہو گیا
 ہے۔ گما ہو غم عشق کا مزہ بھول گئے ہیں۔ اس لیے جب ہم مستحق سے اس کے جوڑ کا شکوہ کرتے ہیں اگرچہ

عشق کی راہ میں ہر چہ کو کب کی وہ چال
 سست رو جیسے کوئی ایلہ پا ہوتا ہو
 کیوں نہ ٹھہریں ہفت ناوک بے داد و گم
 آپ اٹھاتے ہیں مگر تیر خلا ہوتا ہو
 خوب تھا۔ پہلے سے ہوتے۔ جو ہم اپنے بدخواہ
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہو
 مل جاتا تھا پسے عرش سے میرا۔ ادب
 لب تک آتا ہو۔ جو ایسا ہی رسا ہوتا ہو

قطعہ

شاہ کی صبح میں یوں نعمت سرا ہوتا ہو
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہو
 تو وہ لشکر کا ترے۔ نعل بیا ہوتا ہو
 آستان پر ترے۔ منہ نامیسا ہوتا ہو
 بے لگی تیرا ہی کرم۔ ذوق فزا ہوتا ہو

خامد میرا۔ کہ وہ جو بار بزم سخن
 اکی شہنشاہ کو اکب سپہ۔ ذ۔ مہرظم
 سات اقلیم کا محل جو فراہم کیجے
 ہر سینے میں جو یہ پردے ہوتا ہلال
 میں جو گستاخ ہوں تائین غل خوانی میں

بہن نہیں مگر جس نانی کا بلی دیکھو کہ وہ ظلم راہ بھی آتا وہ ہو جاتا ہو۔

عشق کو کب۔ آسان ستا۔ وہ چچا کو کب کہ کس کو آبلہ پا ہر گاہ وہ استعاروں کو آجوں سے تشبیہ

دی ہو۔

رکھو غالب۔ مجھے اس تلخ ذائقے میں مسافت
کچھ درد دے دل میں سوا ہوتا ہو

ہفتیں کو دیکر یہ انداز گفتگو کیا ہو؟
کوئی بتاؤ کہ وہ شیخ تند خو کیا ہو؟
وگرنہ خوفِ ہد آموزی عدو کیا ہو؟
ہمارے جیب کو۔ اب حاجتِ نو کیا ہو؟
کہہ دیتے ہو جواب را کہ جیتو کیا ہو؟
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا۔ تو پھر ہو کیا ہو؟
سوائے بادِ گلِ نازمِ شک ہو کیا ہو؟
یہ شیشہِ وقح و کز زہ و سب کو کیا ہو؟
تو کس اسد کہتے کہ "آرزو کیا ہو؟"

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہو؟"
نہ شعلے میں پیکرِ شمع نہ برق میں یہ ادا
یہ رشک ہو کہ وہ ہوتا ہو ہم سخنِ تم سے
چپک رہا ہو بدن پر لہو سے پیرا ہن
ہلا ہو جسم جہاں۔ دل بھی جل گیا ہو گا
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
وہ پیر جس کے لیے ہم کو بہشتِ عزیز
ہوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں وہ چار
ہی نہ طاقتِ گفتار۔ اور اگر ہو بھی

ہوا بیکشہ کا مصائب پھرے ہو اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آہ و کیا ہو؟

چل نکلتے جوڑ پے جوڑے
کاسکے۔ تم مے لیے ہوتے
دل بھی یارب! کئی دے ہوتے

میں انہیں پھیر دوں۔ ادکچہ نہ کہیں
قر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
میری قسمت میں غم مگر استغنا تھا

آہی جاتا۔ وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی بچے ہوئے

طاقت بے داد انتظار نہیں ہو
نقشہ ہ اندازہ حسرت نہیں ہو
ہائے باک روئے پہ اختیار نہیں ہو
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہو
غیر گل آئینہ ہمارا نہیں ہو
دلے! اگر عہد استوار نہیں ہو

آ۔ کر مری جان کو قرار نہیں ہو
دیتے ہیں جنت۔ حیات دہر کے بدلے
گریہ نکالے ہو تری نرم سے مجھ کو
ہم سے بحث ہو۔ گمانِ بخش خاطر
دل سے اٹھا! لطفِ جلوہ ہائے صافی
قتل کا میرے عہد تو کیا ہو بارے

تو نے قسم کو کشی کی کھائی ہو غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہو

ملکہ حیات دہر میں شاعر نے ان تکلیفوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو انسان کو اس دنیا کی زندگی میں اٹھانا
پڑتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ ان سخت تکلیفوں کے بدلے جنت کا عذاب انسان کے حق میں، ایسا ہے جیسے کسی کو
جہاں کی زیادہ تکلیف اٹھانے کے بعد تھوڑی سی شہادت مل جائے،
یہ لطف اٹھا، لطف حاصل کرو۔ اس شعر میں شاعر نے ہمارے دنیا کی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ
دل سے جلوہ ہائے صافی کا مزہ یعنی لطف حق حاصل کرو جو یہ سزاؤں ہیں، کیونکہ آئینہ ہمارے گل کے سوا
کچھ نہیں ہے اور ان کی ناپاؤاری ظاہر ہے۔ ۱۳۰

ہجوم غم ہے۔ یاں تک سرگونی مجھ کو حاصل ہو
 کہ تاہم دامن و تار و نظر میں فرق مشکل ہو
 رفو سے زخم ہے۔ مطلب ہو لذت و تنہم سوزن کی
 سمجھو مت۔ کہ پاس درو سے دیوانہ خاں ہو
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
 چٹکنا غنچہ دل کا صدائے خندہ دل ہو

پاہو دامن ہو رہا ہوں بس کہ میں صوفی نور و
 خارِ پا۔ میں جو ہر آئینہ زانو مجھے
 دیکھنا حالت مرے دل کی۔ ہم آغوشی کے وقت
 جو نگاہ آشنا۔ تیرا سہ ہر سو مجھے
 ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ ✓
 ہو یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھڑے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
 جاں کا لہر صورتِ دیو ا ر میں آوے

لے گفتار میں آوے زرِ خارجی کا درجہ کا ترجمہ ہو۔ اور وہ میں نہیں بولتے۔ اس کے معنی ہیں پانچویں
 کرے ۱۲۔

سنے کی طبع ساتھ پھر یہ سرود صنوبر
 تو اُس قدر دل کش سے جھگل زائیں آوے
 تب نازکراں مانگی اشک بجھا ہو
 جب نعتِ جگر دیکھ خونِ بار میں آوے
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ سنگترا
 کچھ تجھ کو خزاں بھی مرے آزار میں آوے
 اُس چشمِ فوں گر کا اگر پائے اشارہ
 طوطی کی طبع آئینہ گفتار میں آوے
 کانٹوں کی دباں سو کھٹکی پیاس سے یاب
 اک آبلہ پا دادی پر خسار میں آوے
 مرجاؤں نہ کیوں رنک سے؟ جب وہ تن نازک
 آغوشِ خیمِ خلعتِ زُتار میں آوے
 محارت گزنا موس نہ ہو گر ہو کس زر
 کیوں شاہِ گُلِ باغ سے بازار میں آوے
 اب چاکِ گریباں کا خزاں ہو۔ دلِ نالاں
 جب۔ اک کُتسُ الجھا ہوا ہزار میں آوے
 آتشِ کدہ ہو سینہ مرا۔ رازِ نہاں سے
 اے دے! اگر مرضِ اظہار میں آوے

گنجینہٴ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ - غالب - مرے اشار میں آوے

مُن نہ - گرچہ یہ ہنگام کمال - اچھا ہو
اُس سے میرا مدِ غور شیدِ جمال اچھا ہو
بوسہ دیتے نہیں - اور دل پہ ہو ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ "مفت آئے تو لال اچھا ہو"
اور بازار سے لے آئے - اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ خم سے مرا جامِ شفال اچھا ہو
بے غلب دیں - تو مر اُس میں سوا جلتا ہو
وہ گدا - جس کو نہ ہو غلے سوال - اچھا ہو
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہو مُنہ پر رونق
وہ بکھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہو
دیکھئے - پاتے ہیں عشاقِ تہوں سے کیا فیض؟
اک برہمن نے کہا کہ یہ سال اچھا ہو
ہم سخنِ تپیش نے فریاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال - اچھا ہو
قطرہ دہلایا میں جو لے جانے تو دہلایا ہو جائے
کام اچھا ہو وہ جس کا کہ نال اچھا ہو

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
 شاد کے باغ میں یہ تازہ سال اچھا جو
 ہم کو معلوم جو جنت کی حقیقت۔ لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال تھو

<p>غیر نعل نعل میں بوسے جام کے خستل کا تم سے کیا شکوہ؟ کہ یہ خط لکھیں گے۔ گرچہ مطلب کچھ نہ ہو رات بے روزم پہلو۔ اور صبح دم دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا؟ کہ شاہ کے جو غسل صحت کی خبر</p>	<p>ہم رہیں یوں تشناب پیغام کے ہتھکنڈے ہیں چنچ میسلی خام کے ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے دھوے دھبے تیار! احمد ام کے یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے دیکھیے کب دن پھریں حسام کے؟</p>
---	---

عشق نے غالب نکمت کر دیا
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۲۔ خضر سلطان شاہ ابو ظفر کے شہزادے کا نام جو ان کے لیے شاعر نے اس شعر میں دعا دی ۱۲
 ۱۳۔ شاعر نے اپنے فلسفہ زحید سے کے مطابق دوزخ اور جنت کے وجود کو خارجی سمجھا جو اس کا
 مطلب یہ ہے کہ جنت کا اعتقاد مکھنا احمقان قلب کے لیے ضروری ہے ۱۴
 ۱۵۔ نعل سے مشق کی نعل میں مراد جو اور پیغام سے پیغام مطلب ۱۶
 ۱۷۔ دن بھر ۱۸۔ رات قدر کا موافق ہونا ۱۹

کہ ہے سہ وسہ تماشا فی

پراس انداز ہے بہار آئی

ق

اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
روکش سلچسہ رخ بینائی
بن گیا رو سے آب پر کائی
چشم نگس کو دی ہو بینائی
بادہ نوشی ہو باد پیا فی

دیکھو اے ساکنانِ خطہ خاک
کہ زمیں ہو گئی ہو سہتا سر
سبزے کو جب گئیں جگہ نہ ملی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے
ہو ہو ایں شراب کی تاثیر

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیں دار نے شفا پانی

تفاخل دوست ہوں - میرا داغ بجز عالی ہو
اگر پہلو تہی کیجے - تو جا پیری بھی خالی ہو
ربا آباد عالم اہل بہشت کے نہ ہونے سے

بھرے ہیں جس قدر جامہ و ستبو - مہ خانہ خالی ہو

ملکہ بہار کی وجہ سے جب ہوا میں غراب کی آئیریا ہو گئی تو غراب بیٹا غصہ لڑو ہوا کھانے ہی سے غراب کا
لطف مٹا ہو ۱۲ عہد کفاح کو دوست رکھنا ہوں یعنی میرا غریب و ناتواں ہونا اس قدر بڑھا ہوا ہو کہ مجھے بے توکل ہو
پسند ہو اگر آپ مجھ سے پہلو تہی یا بے التفاتی کریں گے تو گویا میرے لیے جگہ نہ ملی کریں گے کیونکہ انعام حق کو
میں التفات سمجھتا ہوں بلکہ اہل بہت ملا ہوں دل اہل اللہ سے ہوا بلکہ نیا مضمون پوشا کرتا ہوں کہ صرف

اور پھر وہ بھی۔ زبانی میری
دیکھ۔ خوں تا پاشا فی میری
گور آشفته بسا فی میری
بھول جانا ہونش فی میری
ٹھیک گیا۔ دیکھ روانی میری
سخت ارزاں ہو گانی میری
صرصر شوق ہو با فی میری
کھل گئی ہر سچ مانی میری

کب وہ سنتا جو کس فی میری
خلش غمزدہ خوں ریز نہ پوچھ
کیا بیاں کر کے مراد میں گئے بار؟
ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال ✓
مقابل ہو مقابل میرا
قدرِ شگابِ سہرہ رکھتا ہوں
گردِ باورِ بے تابانی ہوں
دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا

اہلِ بہت کے نہ ہونے سے اس دنیا کی پہل پہل پانی ہو کہیں کہیں بہت دنیا کو فانی سمجھ کر اس کی جانب متوجہ
کرتے اور تیار ہوا ہوتا۔ ۱۰ سرے سرے میں اسی مفہوم کو شال سے بکھیرا گیا ہو ۱۱
لہذا اُس کے غمزدہ کی خوں ریزی نے بخلش دل میں پیدا کر دی جو اس کا اندازہ میرے خوں کے آنسوؤں سے
بخوبی ہوتا ہو ۱۲
لہذا اس شعر میں کیا کہ بہر وصف کا لفظ محذوف ہو اور بہر حذف نہایت پر لطف ہو ۱۳

لکھ بیدارِ الفتاح یعنی بیاں بدشت۔ بیدائے خیال، مصحح نے خیال میں مصحح نے خیال کا زخود رفتہ
ہولِ بین دوستوں کے خیال سے نکل جانا ہوں اور احباب کے خیال سے فراموش ہو جانا اسی میری پہچان ہو
لکھ اس شعر کے متن مصنف نے خود اپنی زندگی میں مولوی عبدالرزاق صاحب شاکر اپنے ایک شاگرد کو
ایک خط میں لکھ کر بھیجے تھے جو انہیں کے الفاظ میں ۱۰ ہیں ۱۱۔ مقابل و قضا کو کوئی نہ جلتے گا۔ ۱۲۔ قور و
ظلمت۔ شادی و ظلم۔ راحت و غم و جو وہ عدم۔ لفظ مقابل اس شعر میں یعنی مرجع ہو جیسے مرجع کر
یعنی دوست کے بھی مستقل ہو۔ مفہوم شعر یہ ہو کہ ہم اور دوست از روئے خود عادتِ ضد ہم دگر ہیں ۱۳
میری طرح کی روانی کو کہہ کر لک گیا ۱۴ خود ہندی ہے کہ گراؤ و گرہ ۱۵۔

لکھ دہن معشوق کو شاعرِ برج جانتے ہیں ۱۶ مصنف بھی یہ شخصیت شاعرِ برج نے کبھی جج جاننے والوں کے

کردیا صنف نے عاجز غالب
تنگ پیری ہو جوانی پسری

نفسِ نازیبتِ طار۔ ہر آغوشِ رقیب
پائے طافِ پُر خامہ مانی مانگے
تو وہ بد خو کہ تھیکہ کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفہ بیانی مانگے
وہ تپ عشقِ تما ہو کہ پھر صورتِ سخن
شعلہ۔ تانہیں جگر۔ ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت۔ ادب کہ خوش آتی ہو
ہر غنچے کا گل ہوتا۔ آغوشِ کشائی ہو
واں گلگیرِ استغنا۔ ہر دم ہو بندی پر۔
یاں نالے کو اور اُٹا دعوے رسانی ہو

زمرے میں ہر اس بے اپنے کو بیچاں خاں کا ۱۲
علی شاعر کو اس شعر میں رقیب کی جھوٹا منظور ہو وہ کہتا ہو کہ رقیب ایسا بد صورت ہو کہ جب عشق کی
تصویر اس کی ہر آغوش کی حالت میں گنجنی جائے تو وہ بھی باوجود عشق کے صبر کرنے کے بدلتا سلوم
ہوئی ہو وہ سنے قلب کی جگہ مصور کی یہ خواہش ہوتی ہو کہ اس کے ہاتھ میں پائے طافِ پُر خامہ اس کی وجہ
نہ ہو کہ طافِ پُر خامہ کے سب اعضا صبر کرنے میں لگیں اس کے پاؤں بہت بد صورت ہوتے ہیں۔

از میں کہ سکھاتا ہو غم۔ ضبط کے اتنا ہے

جداغ نظر آیا اک چشمِ نمائی ہو

لکھ دیکھو یارب! اُسے قسمت میں عدد کی
دل میں نظر آتی تو ہو۔ اک یونہی ہو کی
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی
خبر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

جس زخم کی ہو سکتی ہو تہِ بیرِ فو کی
اچھا ہو سرِ انگشتِ حنائی کا تصور
کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے
دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو

صد حیف! وہ ناکام۔ کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں ہے ایک بُتِ عربہ جو کی

سیمابِ پشتِ گرمی آئینہ دے ہو۔ ہم
حیراں کیے ہوے ہیں دلِ بے قرار کے
آغوشِ گل۔ کشوہِ برائے وداع ہو
اے عنذلیب! چل کر چلے دنِ بہار کے

لے غمِ عشقِ منہ کی تعلیم کر دیا ہو۔ دل میں جو نیا نوعِ نظر آتا ہو وہ ہے جن غمِ عشق کی طرح سے چشمِ نمائی ہوئی ہو
راز کو آگ سے نسبت دینے کی وجہ ظاہر ہو۔

لے سرِ انگشت۔ سادگی کے پورا۔ اس شعر میں شاعر نے عشق کی انگشتِ حنائی کی خوبصورتی اور نزاکت میں
کچھ دہریوں کو لو کی ہنہ دہریوں سے مشابہت سے کڑا بات کی جو عجیب و غریب تشبیہ ہو۔ لے پشتِ گرمی۔

مشتوق شوق و عاشق دیوانہ چاہیے
شوقِ قبول و جراتِ رندانہ چاہیے

ہو وصل - ہجر - عالمِ نکسین و ضعیفیں
اُس لب سے مل ہی جائیگا برکتی تو ہاں

یہ اگر چاہیں - تو پھر کیا چاہیئے ؟
جلے ٹھاپنے کو کھینچا چاہیئے
بارے اب اس سے بھی کچھ چاہیئے
کچھ اور صبر کا بھی اشارہ چاہیئے
منہ چھپا ناہم سے چھوڑا چاہیئے
کس قدر دشمن ہو؟ دیکھا چاہیئے
بارہی ہنگامہ آرا چاہیئے
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے

چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے
صحبتِ رنماں - سے واجب ہو حذر
چاہنے کو تیرے کیا کچھ تھا دل ؟
جانِ مت کر جیب بے اتا بہ نعل
دوستی کا پردہ ہو بیگانگی
دشمنی نے میری - کھو یا غمیر کر
اپنی - رسوائی میں - کیا چلتی ہو سنی
شعور مرنے پہ ہو جس کی اُمید
غافل - ان مہ طلعتوں کے واسطے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو - ا
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیئے

ہمسن بہت بانی و اعانت میں جس طرح بارے کی تلقین شیشے کو آبلہ بانا دیا ہو - اسی طرح ہمارے دل
بے قرار ہے ہماری حیرانی کو پیدا کر دیا جو اس شعر میں ظاہر ہے اپنے دل بے قرار کو سمجھا ہے اور اپنی
حیرانی کو اُن سے تشبیہ دی ہو -

لہ غالب نے اس شعر میں کچھنا وہ معنی میں لکھا جو ایک کو کچھنا جو کشیدہ کا ترجمہ ہو - معنی شربِ دنیا
اس معنی میں کچھنا استعمال کرنا غالب کے لیے مخصوص تھا - اردو میں علویا ایسا نہیں بولا جاتا - دوسرے
معنی احتراز کرنا - لہ اُدھر کا خلاصہ - اردو - ص ۱۲۰ کے اختار سے سے مطلب ہو - ۱۲ -

ہر قدم دوری منزل کو نمایاں مجھ سے

میری رفتار سے بھاگے ہو یا باں مجھ سے

دورس عنوان تماشا۔ بہ تغافل خوش تر

ہونگے۔ رشتہ شیرازہ فرماں مجھ سے

دشمت آتش دل سے شپ تنہائی میں

صورت دور دہا سایہ گریزاں مجھ سے

غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بہتاں

کس قدر خاندانہ آئینہ دوریاں مجھ سے

اثر آبلے۔ جادہ صحراے جنوں

صورت رشتہ گوہر چرخاں مجھ سے

ملہ اس شعر میں شاعر نے اپنی ناکامی کا جان بولک کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں جس قدر چلتا ہوں
اُنکی قدر منزل بعد ہوتی جاتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں منزل کے دور ہوتے جاتے کا سبب
یہ بیان کیا ہے کہ میری رفتار ایسی ہوتا ہے کہ وہاں اس سے ڈر کر آگے کو بھاگتے ہیں۔

تیسرے مصرعے میں مولف مصنفوں سے شاعر نے ہمدردی کا اظہار کیا ہے یہ خواہش کی ہے کہ خدا نہ کرے
کہ وہ غم عشاق میں مگواری ہو کہ خدا دشمنانہ حرکت کر دیں دوسرے مصرعے میں اس واقعہ کا بیان ہے جس سے
شاعر کو اس کے دل میں ہر جذبہ ہمدردی پیدا ہوا ہے۔

چوتھے مصرعے میں جو کہ پاؤں کے آبلے کے اثر سے مٹی آبلوں سے ہو لہو پیکا ہو اس سے جادہ صحرا رشتہ گوہر
کی طرح چراغاں ہو گیا۔ جادہ کو رشتہ سے تشبیہ دی ہے۔

بنے خودی بستر تہید فراغت ہو جو
 پڑے ہی۔ سائے کی چھ میرا شبتاں مجھے سے
 شوق دیدار میں گرتو مجھے گردن مارے
 ہونگہ شل گُل شمع۔ پریشاں مجھے سے
 بے کسی دے شب ہجر کی حسرت ہو جو
 سایہ خورشیدِ قیامت میں ہی نہاں مجھے سے
 گردشِ سانپِ صمد جلوہ رنگیں تجھ سے
 آئینہ داری یک دیدہ جیسے اں مجھے سے
 گھر گرم سے اک اگل چکتی ہے۔ اسد
 ہر چراغاں جس دشا شاگِ گلستاں مجھے سے

نکتہ چیں ہو۔ غمِ دل اُس کو سناے نہ بنے
 کیا بنے بات۔ جہاں بات بنائے نہ بنے
 میں بناتا تو ہوں اُس کو۔ گرم سے جذبہ دل
 اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کر بن آئے نہ بنے

۱۔ ہو جو۔ ہو جو کا مختلف اور مطلب ہے جو کہ میں چھ شبتاں، تاریکی سے جہر ہو جو، تاریکی میں چھ میرا
 شبتاں میرے وجود سے رہی اب یہ اہل بزم کے خودی تہید فراغت کا بستر ہے یعنی میں عام ہے سونسی
 میں آہ سے پڑا ہوں۔ فراغت کے نوبی میں خالی ہونے کے ہیں بھلاں میں راحت مراد ہو۔ اتنی جگہ فراغت کی کہ
 ظاہر ہو وہ جلوہ رنگیں سے جلوہ من اصدیہ چیزوں سے حسرت عشق کی فطرتاں، جو وہ جگہ بت کا ہے۔ تاریکی کی
 بات کا تھا، اس بات کو تو فراموش کر کے سب مطلب الفاظ میں کہتا ہے کسی نے نہ مانتا، مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے

کہیں بھجا ہو۔ کہیں چھوڑ دے۔ بھول نہ جا
 کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر بھڑتا ہو۔ لیے یوں۔ ترے خط کو کہ۔ اگر
 کوئی پہچنے کہ یہ کیا ہو؟ تو چھپاے نہ بنے
 اس نزاکت کا بُرا ہو۔ وہ بھلے ہیں۔ تو کیا
 ہاتھ آئیں۔ تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 کہہ سکے کون۔ کہ یہ جنوہ گری کس کی ہو؟
 پر وہ چھوڑا ہو وہ اُس نے کُٹھلے نہ بنے
 موت کی راہ نہ دکھیں؟ کہ بن گئے نہ رہے
 تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلاے نہ بنے
 بوجھ وہ سرے گرا ہو کُٹھائے نہ اٹھے
 کام وہ آن پڑا ہو کہ بتائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں۔ ہو یہ وہ آتش غالب
 کہ لکھے نہ لگے۔ اور بھجائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر دشت بہ عریانی کرے
 صبح کے مانند زخمِ دل۔ گریبانی کرے

اسے شاعری کہتے ہیں کہ وہ کہیں نہ کہیں کا وہی نظم کو کہیں چاہوں کہ اگر تم نہ اُن سے ملے گی بھی
 جرات نہیں کہ تم نے اس شعر میں عشقِ سنہن پر موت کو قیام دی ہے۔ عہ عریانی کی حالت میں اگر دشت کو

جلوے کا تیرے وہ عالم ہو کہ گر کیجے خیال
 دیدہ دل کو۔ زیارت گاہ و حیرانی کرے
 ہو شکستن سے بھی دل نوید۔ مار بکب تک
 آب گینہ کوہ پر عرضِ گراں جانی کرے
 ہو کہہ گر چشمِ مستِ ناز سے پائے شکست
 موسے شیشہ۔ دیدہ ساغر کی شرابی کرے
 غلطِ عارض کو نکلتا ہو۔ زلف کو الفت نے عمد
 یک قلم منظور ہو جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تشکین اضطراب تو دے
 دے لے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

چاک کریں کی آواز و پیدا ہو تو میرا زخمِ دل صبح کی شل چاک ہو کر گریاں میں جاے گا یعنی حالتِ عروانی کی
 وہ ہے جب چاک کر لے کوئی پکڑا نہ ہوگا تو قدرتی طور پر غواہش دوسرے طریقہ سے ہوگا۔ کئی پٹے کی ۔
 ہے آب گینہ ایشیہ دل سے مراد ہو کہ وہ استعارہ ہو مشرق کی مسکن کی طرف۔ احباب یہ ہو کہ ہم کب تک یہ
 غواہش کریں کہ مشرق مسکن دل ہمارے والی کو توڑا لے جس سے اسے سید ہو کہ وہ ہمارے دل کی کنجی ہو جو
 ہو گا ۔

ہے سے شیشہ۔ شیشے میں جمال پہناتے ہیں۔ وہ ساغر کی شرابی کرے۔ وہ ساغر کی لگیں ہو جائیں ۔
 حدِ عالمی و اہم خطِ طور ہو۔ ایک حد مرید و استغناء کے زلف کے نام تھا جو اوس میں کاٹا ہے کہ میرے عزیز
 جو کچھ پریشانی کرنا ہو کہے مجھے سب منظور قبول ہو ۔

ہے تشکینِ اضطراب تو دے۔ یعنی اضطراب میں اس کا تشکین، یا نکلے جو مجالِ خواب تو دے یعنی خواب کا آواز ہی
 است ہو ۔

کہے ہو قتل۔ گھاٹ میں تیرا زو دینا
 تری طع کوئی تیج نگہ کو آب تو دے
 دکھا کے جنبش لب ہی۔ تمام کہ ہم کو
 نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کیس جاتی دے
 پیادے اوک سے ساتی جو ہم سے نفرت ہو
 پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے۔ شرب تو دے
 اسد۔ خوشی سے سرے اتہ پاول پھل گئے
 کما جو اُس نے "ذہابیرے ہانوں دا تباہ گئے"

تپش سے میری۔ دقہ کشکش۔ ہزار بستر ہو
 ماسرینچ بالیں۔ مہاتن بار بستر ہو
 سرکھک سرب صحرادادہ۔ نورالین دامن ہو
 دل بے دست و پا افتادہ۔ برخو ز فادہ بستر ہو
 خوشا اقبال رنجوی۔ عیادت کو تم آئے ہو
 فروغ شمع بالیں۔ طالع بیدار بستر ہو

۱۔ کہیں جواب تو دے۔ کسی نہ کسی طع جواب تو دے ۱۲۔
 ۲۔ اس شعر میں شاعر نے اپنی ناکامی اور ناچاری کا بیان کیا جو کہ اس کا آنسو اس کا نورالین ہو
 اس کا دل مجھ بستر مرض کا برخو ز فادہ یعنی آنسو کو دامن سے ہو دل کو بستر پر ڈالے رہنے سے محنت ہو گئی

ہست دونوں میں متنازل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نمک کہ بظاہر نگاہ سے کم ہو

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں۔ وے اُن کی تمنا نہیں کرتے
در پردہ اُنھیں۔ غیر سے جو ربط سنا فی
ظاہر کا یہ پردہ جو کہ پردہ نہیں کرتے
یہ باعثِ نوسعدیٰ را باب ہو کس ہو
غالب کو بُرا کہتے ہو۔ اچھا نہیں کرتے

گرتے ہو بادہ ترے لب سے کسپِ ننگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گل ہیں
کبھی تو اس دل شوریہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہو
بچا ہو۔ گرنے سننے نامہ اس بلبلِ زار
کر کو مشربِ گل۔ زمِ شبنم سے نہ آئیں ہو

نو پھر تو بتا دیکھ کر جو کچھ چہرہ

لہو را بابِ جوس : سر قہقروں کی جھونک : اشارہ ہو ۱۱

عہ شرب کو گل ہیں۔ لبِ معشوق کو بھول۔ خط و قلم و قلم و قلم ہیں سے نسبت دی گئی ہو۔

اسد ہر نرسا میں چلے بے وفا ! براے خدا
مقام ترکِ حجاب و وداع تمکیں ہو

کیوں نہ ہو؟ چشمِ تجاں مجھ قافلہ کیوں نہ ہو؟
یعنی اُس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہو
مرتے مرتے۔ دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
حائے ناکامی کہ اُس کا زکا خفہ تیز ہو
عارضی محل دیکھ روے یا یاد آیا اسد
جوشِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہو

دیا ہو دل اگر اُس کو۔ بشرِ جو کیا کیسے ؟
ہوا رقیب تو ہو۔ نامہ بر ہی کیا کیسے ؟
یہ ضد کہ آج نہ آئے۔ اور آئے ہوں نہ رہے
تھکے تنکوہ ہیں کس قدر ہو؟ کیا کیسے ؟
رہے ہی ہیں کہ بے گھر کوئے دوست کو اب
گھر نہ کہتے کہ دشمن کا گھر ہو کیا کیسے ؟

ملا دیکھ۔ دیکھ کر۔

ملا دیکھ نہ ہو ملے اس کا حال نہ رہو۔ اسی کو صبر کو

نہ ہو کر شکر کہیں دے رکھا ہو ہم کو فریب
 کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہو۔ کیا کیسے؟
 سمجھ کے کرتے ہیں! زاریں وہ پرستشِ حال
 کر یہ کہے کہ "سورہ گز رہی۔ کیا کیسے؟"
 تمہیں نہیں ہو سر رشتہ و فدا کا خیال
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہو، مگر ہو۔ کیا کیسے؟
 انہیں سولل پہ زعم جنوں ہو کبوں (ٹپے؟)
 ہیں جواب سے قطع نظر ہو۔ کیا کیسے؟
 حسد۔ سزا کے کمالِ سخن ہو۔ کیا کیسے؟
 ستم۔ ہلے تلخ ہنر ہو۔ کیا کیسے؟
 کہا جو کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن
 سوائے اس کے تو آشفٹہ سر ہو کیا کیسے؟

دیکھ کر وہ پردہ گرم دامنِ افشانی بچھے
 کر گئی وابستہ تن میری عریانی بچھے

نے مگر جو کیا ہد کیا چیز ہو۔ سرور شہدہ فکونشا، ایک محسوس شو فزض کر کے کہتا ہو۔ ہمارے اندر میں کچھ ہو۔
 یعنی سرور شہدہ فکونشا۔ اس شعر میں یہ شوقی ہو کہ شاعر جو چھتا بھی ہو کہ ہماری شقی میں کیا چیز ہو اور پھر منوں
 سنوں میں، جس چیز کا "م بھی لے وا"۔
 عہد افشانی اس کے تعلقات دیوہی مطلب یہ ہو کہ تعلقات نہ دنیا سے چھٹکا یا ممکن ہی نہیں۔ اگر انسان مرنائی

۱۷
 بن گیا تیغ چھاوڑ کا سنجب فناں

مرجائیں کیا مبارک ہو گراں جانی مجھے !

کیوں نہ ہو بے اتفاقی اس کی خاطر جمع ہو

جاخانہ عجب پرکش اسے پناہی مجھے

تیرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی

کھدوایا من جملہ اسباب ویرانی مجھے

ہنگام ہوتا جو وہ کافر نہ ہوتا کاشٹے

اس قدر ذوق تو اسے میخ بستانا ہی مجھے

داسے واس بھی شور و محشر نے دم لینے دیا

لے گیا خانگوار میں ذوق تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ ایک انداز ہو

تم نے کیوں سوہنی ہی میرے گھر کی دہانی مجھے

۱۸
 متا کرے تو ہمالی یا ہندی ذاتی رہتی ہو

۱۹
 سب فناں ۱۔ وہ تیرے پرکار و جزو گو گھس کر دھڑکتے ہیں

۲۰
 شہ پرکش اسے پناہی سے سوا اس مطلب کے جہاں عیاں ہے اپنی شے میں کھدوایا کچھ تو نہیں تیار

۲۱
 کہتے ہیں کہ پرکش اسے پناہی سے مصعب کا یہ جو کہ کبھی تصور میں اگر کبھی خواب میں آکر وہ صورت دکھا

۲۲
 جاتا تو اس کی بنے لگا کر سے جو اسے میری جو دہی جو میں اس کی میں گھوڑوں دھڑکی سے اس کی خاطر جمع ہو جو اس کا

۲۳
 میر کر ۱۔

۲۴
 جہاں بادل میں میرے گھر کی قسمت کا حال دکھا جا رہا تھا اس وقت تقدیر نے خود گئی کو میرے گھر کی دہانی کا سبب

۲۵
 قرار دیا تھا ۱۔ وہ میرے گھر کی دہانی سے وعدہ سے ہے ۱۱

ہاں نشاطِ آدمی فصلِ باری، واہ! واہ! واہ!

پھر ہوا ہوتا زہِ سہو سے غزلِ خوانی مجھے
دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
میرزا یوسف جو غالبِ یوسفِ ثانی مجھے

یادِ جوشِ آدمی میں بھی ہنگامہٴ یارب مجھے
سُجھنا زائد ہوا جو خندہٴ زیرِ لب مجھے
ہو کٹ و خاطرِ وابستہ - در رہن سخن
تھا تسلیمِ قفلِ ابجد - خانہٴ کتب مجھے
یارب! اس آشفگی کی داد کس سے چاہیے؟
رُشک، آسائش پہ ہو زندانیوں کی ب مجھے

لے ہنگامہٴ یارب سے مراد ہنگامہٴ فراہ جو کہو کہ "یارب" کے معنی فارسی محاورے میں خدا کی دعا کی
اسنے کہیں۔ "خانہٴ کتب" سے مراد ہے کتاب خانہ جو کہو کہ "یارب" کے معنی فارسی محاورے میں خدا کی دعا کی
دی جو مطلب یہ کہ خدا ہی میں بھی مجھے یارب! یارب! کا نام پڑا نہیں ہے اس سے مجھے زائد کچھ کچھ کہنے پر
یارب! یارب! پڑھنا کسی کی بات معلوم ہوتا ہو

تھا اس شعر میں "خانہٴ کتب" کا مطلب یہ کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ
کی قدس میں جو کہیں ہوا وہ وابستہ رہتا ہو کہ اگر اشکِ حقیقی ہو تو اس سے جس میں قفلِ ابجد کے قلم کے
یہ مراد ہی ہوتا ہو کہ اشکِ حقیقی میں ہر شخصِ حریف کتبہ ہوتے ہیں گھر گھر اس وضع پر کہ وہی جائز کہ وہی
نہر بہہ رہتا ہے جو کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ
سہ کس سے چاہیے، دیکھ لے۔ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ "یارب! یارب!" کا مطلب یہ کہ
صورتِ خودی کا شوق ہے وہی صورتِ نفسِ ذاتِ آدمی کا شوق ہے وہی صورتِ نفسِ ذاتِ آدمی کا شوق ہے وہی صورتِ نفسِ ذاتِ آدمی کا شوق ہے

لٹیج ہو شائق لذت اسے حسرت۔ کیا کروں؟

آرزو سے ہو شکست آرزو و مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب بھی سے ہو گئے

عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

حضور شاہ میں ادب سخن کی آزمائش ہو

چمن میں خوش نوابان چمن کی آزمائش ہو

قد و گیسو میں۔ قیس و کوہ کن کی آزمائش ہو

جہاں ہم ہیں وہاں دار و درسن کی آزمائش ہو

کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحاں آخر

ہنوز اس خستہ کے نیروے تن کی آزمائش ہو

لعل میری طبیعت کو حسرت و افسوس کی لذت کا مزا پڑا ہو۔ اس لیے آرزو کرنے سے میری غرض ہوتی ہو کہ وہ لکھا نہ ہو کہ نگار، دو کے قلع ہو جانے سے لذت حسرت، محال ہوتی ہو ۱۲

۱۳ آپ بھی، خود بھی۔ میرزا صاحب سے غالب مراد ہو۔ اس شعر میں دوسرے کا زبان سے مضمون شعرا ۱۱

کیا ہو ۱۴

۱۵ شہر و فرما کے مشہور قلعے کی چون افشار ہو۔ مطلب یہ کہ اگر بھی تو اس کی طاقت جہان کی امتحاں ہو کہ کبھی پہاڑ کاٹ کر بے شیر نکال سکنا ہو یا نہیں اس کے بعد وہ وقت بھی آنے والا ہو جبکہ ایک بڑھیا شیر کا کے مرجائے کی خبر سننے لگی ہو کہ اس کے حوصلے کے امتحاں وہ وقت ہوگا اور وہ ایسا کم حوصلہ نکالے گا کہ سر ہم بڑھیاں دیں بچا

نسیم مصر کو کیا پیر کسناں کی ہوا خواہی؟

اُسے یوسف کی بوسے پیر ہن کی آزمائش ہو
وہ آیا بزم میں، دیکھو! نہ کہتو پھر کہ غافل تھے

تسکب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہو
رہو دل ہی میں حیرا اچھا۔ جگر کے پار ہو۔ ہتر

غرض شستہ بُتِ نادکِ نکل کی آزمائش ہو
نہیں کچھ شجرِ زنا کے پھندے میں، گیرانی

وفا داری میں شیخ و برہن کی آزمائش ہو
تیار۔ اسے دل و ابستہ، بے تالی سے کیا ملے؟

مگر بھڑاپ زلفِ پُرکھن کی آزمائش ہو
لگ و پے میں جب اترے نہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو؟

ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہو
وہ آئیں گے مرے گھر؟ وعدہ کیسا؟ دیکھنا غالب

نخنہ قتل میں اب چنچے کس کی آزمائش ہو

لے پیر کسنا۔ حضرت یعقوب سے مراد ہے۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہو کر حضرت یعقوب نے کوسوں سے
حضرت یوسف علیہ السلام کو بوسے پیرا ہن کو تیز کر لیا تھا۔

وہ آیا۔ مشرقی کی طرف اشارہ ہو۔ دیکھو جو مشہور روایات
سے استفادہ کیا ہے۔ یہ وہ ہرگز خائش گئے نہ انھیں وعدے کا کچھ خیال ہے۔ اب دیکھیے اس کے نہ گنے سے
چرخِ قسم و از ہم کیا نئی صحبت ازل کی ہے۔

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گرا جائے ہو مجھ سے
 جفا میں کر کے اپنی یاد شرمنا جائے ہو مجھ سے
 خدا یا جذبہ دل کی۔ مگر تاثیر اُلٹی ہو کہ
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہو مجھ سے
 وہ بدخوا اور میری داستانِ عشق طویلانی
 عبارت مختصر۔ قاصد بھی گمراہ جائے ہو مجھ سے
 ادھر وہ پرگمانی ہو۔ ادھر یہ ناتوانی ہو
 نہ پوچھا جائے ہو اُس سے نہ بولا جائے ہو مجھ سے
 سننے والے مجھے نامیدی کی کیا قیامت ہو؟
 کہ دامنِ خیال یا چھوٹا جائے ہو مجھ سے
 تکلف برطرف تھا رنگی میں بھی سہی۔ لیکن
 وہ دیکھا جائے۔ کب یہ ظلم دیکھا جائے ہو مجھ سے؟

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اُس کو کبھی رگم بھی آجاتا تو جی اگر کبھی مجھ کو مل بھی میرا تھا ہو وہ بھی میرے بے مشکل
 سے خالی نہیں کیوں کہ اس وقت میں وہ اپنی گزشتہ جنٹل کو ایک کے شرماتا ہوا دوسرے کی شرم و لطف و دل میں
 خلیہ انداز ہوتی ہو ۱۲
 ۲۔ کہ کہیں جائے ہو مجھ سے۔ اچھے سے آدروہ ہوتا جاتا ہو ۱۳
 ۳۔ عبارت مختصر۔ قصہ مختصر۔ افسوس مطلب یہ کہ قاصد میری دل داستان سے گمراہ تھا۔ جو تو وہ داستان
 پر کہ نہ ہو کب نہ گوارا کر گیا ۱۴

۴۔ شاعر کہتا ہے کہ جذبہ اس میں مطلب افسوس سے جاتا رہتا ہو ۱۵
 ۵۔ خدا کی اور کچھ وہ ۱۶ دیکھا جائے۔ یعنی افسوس کا نظارہ کریں۔ کب یہ ظلم دیکھا جائے ہو مجھ سے۔ دیکھ یہ

ہوے ہیں ہاتھوں ہی پہلے۔ نہرِ عشق میں نہی

نہ بجایا جائے ہو مجھ سے۔ نہ ٹھہرا جائے ہو مجھ سے

قیامت ہو کہ ہو دے مٹی کا ہم سفر غالب

وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہو مجھ سے

زہیں کہ مشق تماشا۔ جنوں علامت ہو

کشتا دو بہت شرہ۔ سیلی ندامت ہو

نہ جانوں۔ کیوں کہ مٹے داغِ طعن پر عہدی ہے

تجھے کہ آئینہ بھی درِ طہ علامت ہو

ہر پہنچ و تاب ہو س، سلکِ عافیت مت توڑ

نگاہِ عجز۔ سرِ رشتہ سلامت ہو

وفا مقابل دو عوایے عشق بے بنیاد

جنوں ساختہ و فصلِ گل قیامت ہو

ظلم کہ گویا ہو سکتا ہو

۱۔ جنوں علامت۔ ۲۔ جنوں کی علامت ۳۔ کشتا دو بہت شرہ۔ ۴۔ بکریوں کا ٹھکانا اور منڈا۔ ۵۔ سیلی ندامت۔ ۶۔ ندامت کی طرف سے سزا کا قہر۔

۷۔ تو فاکہ آرائش و زیبائش کے لیکن تیرا داغ پر عہدی مٹنے والا نہیں ہو یعنی تو صوبِ رقیب کی خاطر بناؤ سنگی رک کے آئینہ دکھتا جو خود بھی تیرے لیے وعدہ طاعت بن جاتا جو جی ہی ہم سے پر عہدی کر کے قیام کے پاس جہنم کی تیار ہی پر تجھے نہ دے گا۔

۸۔ اس شعر میں رقیب کے چھوٹے عشق کا ذکر ہو چلا کہ گویا جو کہتا ہو کہ ہر غضب ہو کہ مشرقی آباد ہو غلاموں و غلاموں کا

لاغز آتا ہوں کہ گر تو بزم میں جا۔ دے مجھے
 میرا زور۔ دیکھ کر کہ کوئی تہا دے مجھے
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم
 واں تلک۔ کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے
 منہ نہ دکھلا دے نہ دکھلا۔ پر بہ اندازِ عقاب
 گول کر پردہ۔ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
 یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہو کریں
 زلف گر بن جاؤں۔ تو شانے میں الجھا دے مجھے

از بیچِ اطفال ہو دنیا۔ مرے آگے
 ہوتا ہی شب و روز تماشا مرے آگے
 اک کھیل ہی اور نگہِ ٹیلیاں مرے نزدیک
 اک بات ہی اعجازِ میسا مرے آگے
 جز نام۔ نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
 جز وہیم۔ نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

دہری علی حشر جیو یہ تو وہی مسالہ ہو اگر فصلِ بہار تو وہی آئی ہو اور چنیزن پناوٹی ہو ۱۲
 لفظ آکھ دکھاں۔ سخت ہوا ۱۳۔

ہوتا ہی نہاں گرد میں صہرا مرے ہوتے
 گھستا ہو جیسے خاک پہ دریا مرے آگے
 منت پر چمکہ کیا حال جو میرا ترے پیچھے
 تو دیکھ کر کیا رنگ ہو تیرا مرے آگے
 سچ کہتے ہو۔ خود بین و خود آرا ہوں۔ کیوں نہ
 بیٹھا ہی بُت آئینہ سیما مرے آگے
 پھر دیکھیے اندازِ گل افشا نی گفتار
 رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے
 نفرت کا گماں گزرے ہو میں رشک سے گرا
 کیوں کر کہوں؟ لواں نہ اُن کا مرے آگے
 ایساں مجھے روکے ہو جو کہنے سے بگے کفر
 کعبہ مرے پیچھے ہو۔ کلیسا مرے آگے
 عاشق ہوں۔ پہ مستحقِ فریبی ہو مرا کام
 بھنوں کو بُرا کستی ہو یلا مرے آگے

مرے ہوتے۔۔۔ چھ سترار کے ہوتے، مرے آگے، ایچہ اشکبار کے مقابل میں بھوکا ڈکڑا کھانہ
 صحرانوردی کی قدرت اور ذرا حال کھرا پن، اشکباری کی شدت دکھائی ہو،
 عہدِ فراق میں جو مہری نہ رہتی ہو اس کے پیچھے کی عزت نہیں، صرف اپنی افسانہ کو دیکھ کر جو
 وصل میں پیدا ہوتی ہو تو میری حالت (ان کو قیاس کرے۔ یعنی میں طے تو وصل میں جفا و دشمنی کی
 کے سبب پریشان سا نظر آتا ہو۔ ایسے ہی مجھے ہوا ہے، دل شک و افسوس میں رہتا ہوں۔
 تھکے کعبہ میرے پیچھے ہو۔ کعبہ میرے پیچھے چلا رہا ہو۔ یعنی اصل کو رہا ہو کلیسا۔

خوش ہوتے ہیں پر۔ وصل میں یوں نہیں جاتے

آئی شُبِ چراں کی تنہا مرے آگے

جو سوجزن اک تلزمِ خون۔ کاش ہی ہو

آتا جو ابھی دیکھے کیا کیا مرے آگے

گواہ کو جنبش نہیں۔ آنکھوں میں تو دم ہو

رہنے دو۔ ابھی ساغر و نیامرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہر میرا

غالب کو بُرا کیوں کہو۔ اچھا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو۔ "دعا کیجیے"

تہیں کہو۔ کہ جو تم یوں کہو۔ تو کیا کیجیے؟

تہ کیوں سن سے پھر تم۔ کہ "ہم سنگڑ ہیں"

مجھے تو خُدی۔ کہ جو کچھ کہو "بجا" کہیتے

وہ بیشتر سہی بہر دل میں جب اُتر جاوے

لگاؤ ناز کو پھر کیوں نہ آستانہ کہیے؟

اسے بار بار کہو کہ ادھر آؤ

"تا مرے آگے آئی بہر اہول میرے سنے آیا یہ شرمساری غزل کی جان ہو"

ذہن کے آئینوں کی کثرت کا اشارہ ہو

نہیں ذلیلہ راحت - جراثیم پکیاں
 وہ زخم تنج ہو - جس کو کہ دل کشا کیے
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بیہ
 جونا سزا کیے - اُس کو نہ ناسزا کیے
 کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض کیے
 کہیں مصیبت ناسازی دہا کیے
 کہیں شکایت رنج گراں نشیں کیے
 کہیں حکایت صبر گر نہ پا کیے

رہے نہ جان - تو قاتل کو خوں بہا دیے
 کئے زبان تو خنجر کو مر جا کیے
 نہیں نگار کو گفت - نہ ہو نگار تو ہو
 روانی روش و مستی ادا کیے
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو - بہار تو ہو
 طراوت چمن و خوبی ہوا کیے

۱۔ خوں بہا دیے نہ مراد خوں بہا بخش دینے سے ہو ۱۲

۲۔ روش - رفتار ۱۳

۳۔ فرصت نہ ترقی و استیصال ۱۴

سفینہ جب کہ کنارے پہ آگیا غالب !
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے؟

روئے سے اور عشق میں میناک ہو گئے
دھوئے گئے ہم تنے کہ بس پاک ہو گئے
صرف بہائے محی ہوئے آلاتِ مکی کشی
تھے یہ ہی روحِ حساب۔ سویریں پاک ہو گئے
رسولے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کہتا ہو کون نالا بلبل کو بے اثر؟
پردے میں گل کے لاکھ جگر جاک ہو گئے
پوچھے ہو کیا وجود و عدم۔ اہل شوق کا؟
آپ اپنی آگ کے حس و خاشاک ہو گئے

یہ شاعر کہتا ہے: خدا نے بہت چاہا کہ ہمارے عشقِ ادب جاوے لیکن خدا کا حکم ایسا ارتقا اور باوجودِ غفلت
کی کوشش کے جبکہ ہمارے عشقِ کنا سے آگلی جو تو اب خدا سے اس کی شکایت مقرر ہے جو مطلب یہ ہے کہ اگر
کوئی شخص ہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اور اس کو کامیابی نہ ہو تو اس وقت کو بھول جانا ہے اور
اس کی شکایت نہ کرنی چاہیے۔

مکمل اور تیار پہنچاؤ کی استعمال ہوا ہے۔ دھوئے گئے، شرم و حجاب سب دھو گیا پاک ہو گئے، رنگ
عشقیوں کے گلے پر شمع کے گداورہ یعنی خاموش شمع کے گداورہ ہو کر ایک ایک انسان عشق و محبت کو چھپاتا ہو کر
ہرگز بات کا اظہار نہ کر سکتا ہے جب راز مکمل بن جاتا تو پھر اس کو کسی سے شرم باقی نہیں رہتی نہ مکمل شرم نہ کی

کرنے گئے تھے۔ اُس سے تفاعل کا ہم ملگ
 کی ایک ہی نگاہ۔ کہ بس خاک ہو گئے
 اس رنگ سے اٹھائی کل اُس نے اسد کی نش
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے

نشہ ہا شاہ پ رنگ۔ و۔ ساز ہا مست طرب
 شیشہ می۔ سرو بہر جو سے بارہ نمبر
 ہم نشیں مت کہہ۔ کہ "برہم کرتہ بزم عیش بہت"
 وال تو میرے نامے کو بھی اعتبار نہ ہے

عرضِ ناز شوخی و ذال۔ ہلے خندہ ہو
 دعویٰ جمعیت احباب جالے خندہ ہو

قیمت کی ہم رسائی اور آلات کی کشش کی مخالفت ہی وہ حساب تھے یعنی وہ فکر نہیں سوائے سے ہوں
 چھٹا ہوا کائنات و نشی کوئی کر شراب پانی ۱۱
 ملے اس شعر میں شاعر نے مشرق کی بزم عیش کا سماں دکھا دیا وہاں کہتے جو حالت سرو میں تھے رنگ
 سے شاہد ہیں اندھا بے ہوش ہے ہیں وہ نشہ طرب سے سرشار ہیں اور شیشہ اس جو تیار تھا ہوا ایک سرو
 سرو ہو۔ نشے کو بہ اعتبار وانی آواز جو ہے بارگاہی ہو یہ تشبیہ نئی اصغر لطیف ہو اور سبب نشہ کو بہ اعتبار
 مہر کی آتش جو ہے ہر اک سرو سبز شہلا ہو ۱۲۔

۱۱۔ دانت کو جو چھشت جموی اپنی شوخی و ذالی پر ناز ہو تو اس کا اظہار صرف ہنسی ہی کے موقع پر ہو
 ۱۲۔ جس وہ سستوں کے ایک جہا ہونے کا دعویٰ بھی ہنسی کے قابل ہو۔ کچھ کہ میں جی بکری میں وہ سنت

جو عدم میں غنچہ محو عبرتِ انجاسم محل

یک جہاں زانو بہ آمل۔ در قہلے خندہ جو

کلفتِ افسردگی کو۔ عیشِ بے تابی حرام

ورنہ۔ دغاں در دل افشردن۔ بنائے خندہ جو

سوزشِ باطن کے ہیں احبابِ مُنکرو۔ وندیاں

دل محیطِ گرہِ لب آشنا سے خندہ جو

ایک دوسرے سے علیمہ ہو جاتے ہیں اسی طرح یا رانی محبت میں بھی جبرائی ہو جاتی ہو ۱۰
 طے "جو عدم میں غنچہ" یعنی کھیلنے کے بعد۔ غنچہ غنچہ نہیں رہا بگڑا لگا چوگیا مطلب یہ ہے کہ غنچہ بچنے میں
 کھیلنے کے بعد اس کو نہیں ہو کہ لگا کا انجام کیا ہوگا۔ لیکن اس سوچ کی مفق اور زانی بھر ہو۔ "لی اصل سوچ کا
 چہا نہ مقدار زانو کو ٹھہر لے میں مسکن نے اس بات کو سمجھا رکھا جو کاشاں تالی اور سوچ میں سرہ زانو
 ہو جاتا ہو ۱۱

۱۲ ورنہ یہ دل افشردن نہ یہ نادانی اصطلاح جو اس کے معنی ہیں مصائب کا برداشت کرنا شاعر کا مطلب
 یہ ہے کہ افسردہ دلی کے مطلب میں ہم ایک کلفت جو وہ جتنا ہی عیش کا شرم رکھتی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حجاب ہونا اور
 مصائب کا برداشت کرنا ہی محبت میں پہلے عیش ہو۔ ۱۳

۱۴ حجاب کے فعلی معنی گھیرے والے کے ہرگز خطا سمندر کو اس کے کہتے ہیں کہ وہ برا علم کو گھیرے ہوئے ہو
 حجاب سے پہلے لفظ بھر کھوئے سے نادانی شاعروں نے یہ دھڑکا لیا ہوتا ہے کسی خاص سمندر کا نام لکھنے لگے جیسے
 بحر اسود بحر قزقم بحر اکر و دیز۔ یہی وجہ ہے کہ وہ محیط کو بہ حذف لفظ بھر بھی یاد دہشتے ہیں۔ آشنہ
 پر ایک کو کہتے ہیں اس پہ حجاب کی خاصیت سے آشنا کا لفظ خوب ہو۔ شاعر کا مطلب یہ ہے جو چونکہ
 دل کی اندر دلی میں سے آئینہ خشک ہو جاتے ہیں اور دل کا محیط گرہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا اس پہ
 حجاب کو موقع حاصل ہو کہ وہ جو اس طرح کے کہ میرے دل کی اصلی حالت کیا ہے مجھے نہیں جانتے
 ہیں۔ ورنہ حالت تو یہ ہے کہ دل محیط گرہ ہو اور لب آشنا سے خندہ جو یعنی گرہ بگاڑ خوش نظر آتا ہوں
 لیکن! وطن میں سراپا ظلم تھا ہوا ہوں ۱۵

حسن بے پروا خریدارِ مستلح جلوہ ہی
 آئندہ - زانو سے فخرِ اختراعِ جلوہ ہی
 مانگنا - اسی آگہی! رنگ تماشا باخشن؟
 چشمہ اگر دیدہ - آغوشِ وداع جلوہ ہی

جب تک ابنِ زحمت نہ پیدا کرے کوئی
 مشکل - کہ تجھ سے راوی سخن - داکرے کوئی
 عالم - غبارِ وحشتِ مجنوں ہی سر بہ سر
 کب تک خیالِ طرؤیسا کرے کوئی

لے سن بے پروا جس بے خان - ایک شاخ نے حسن بے پروا کو زانو جو غلط ہو خریدارِ مستلح جلوہ -
 خواستہ جلوہ افروزی - ٹکرا خزان جلوہ دہنے جاؤ سٹھار کی فکر نہ کیجئے کو کرا خزان جلوہ کا زانو
 اس لیے قرار دیا کہ دنیا و سٹھار رکے وقت آئندہ استعمال کیا جائے جو - مطلب یہ ہو کہ حسن بے پروا سے کہ
 بے پروا دیکھنے لیا نہ ہوا ہو - لیکن جاؤ سٹھار راہِ جلوہ افروزی کا وہ بھی خواستہ رو جتا ہو - ۱۲
 عہ آگہی در خبر داری وہو شیا ری صندھ جوشی - رنگ تماشا باخشن - رنگ باخشن رنگ برنگے کے
 سنی میں استعمال ہوتا ہو تماشا سے تماشا سے عالم مراد ہو چشمہ اگر دیدہ - کھلی ہوئی آنکھ - اگر دین
 کہ اس سے علیحدہ کر کے است لکھا جاوے تو یہ خبر نکل فارسی ہو جے گا - مطلب یہ ہو کہ آگہی
 کہ کب تک رنگ تماشا کو بے لگی ہوئی تماشا سے عالم کی موجودہ کیفیت میں کب تک حور بے لگی - ۱۳
 صبر سے کا ترجمہ یہ ہو کھلی ہوئی آنکھ جو بے کے رغبت کرنے کے لیے آغوشِ وداع ہو یعنی عالم
 بے تماشا پر گم کوئی گواہی کی رغبت کرنے کے لیے آغوش کو کھول دے - ۱۴

افسرو کی نہیں۔ طرب انشاے التفات
 اں دردِ بن کے۔ دل میں۔ مگر جا کرے کوئی
 رونے سے اے ندیم! ملامت نہ کر مجھے
 ہنر۔ کبھی تو عتدہ دل داکرے کوئی
 چاکر جگرے۔ جب رو پرکش نہ مابوئی
 کیا فائدہ ہے کہ جب کو رسوا کرے کوئی
 تخت جگرے ہو رگ ہر خار۔ شایخ گل
 تاجند! باغبانی صحرارے کوئی
 ماکا ہی نگاہ ہی برقی نظارہ سوز
 تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 ہر شک دشت ہو صدف گو ہر شکست
 نقصاں نہیں۔ جنوں سے جو سودا کر کوئی

۱۔ طرب انشا: خوشی پیدا کرنے والی، مطلب یہ کہ دل کی افسرو کی کے دکھانے سے مشوق
 کے التفات کی خوشی محال نہیں ہو سکتی۔ مراد یہ ہے کہ اگر مشوق کے دل میں گور کیا جائے
 تو ایسا ممکن ہو گا ۱۲

۲۔ مطلب یہ کہ جب چاکر جگرے پر کوئی پرسان حال نہ ہوا۔ تو اب جیب کو بھاڑنے سے بھڑکانا
 اور کیا حال ہو گا ۱۳

۳۔ تخت جگرے مراد مطلب جگر جو مطلب یہ کہ میرے خواب جگر کی آبیاری سے رگ ہر خار شایخ
 گل بن گئی ہو مصرعہ ثانی میں شاعر کہتا ہے کہ کب تک کوئی صحرائی! باغبانی کرے یعنی خون جگر دے اور
 اس سے آجوا دی کیسے ہر شک کو سرسبز و شاداب بنائے ۱۴ تخت دشت ۱۵۔ اینٹ اور ہنر گو ہر شکست

سر پہ ہونی نہ دعدہ صبر آزمائے۔ عمر
 فرصت کہاں؟ کہ تیری تمنا کرے کوئی
 جو دشتِ طبیعتِ ایجاد۔ یاسِ خیز
 یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
 بیکار رہی جنوں کو جو سرِ پٹنے کا شغل
 جب ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ تو پھر کیا کرے کوئی
 حسنِ فروغِ شمعِ سخن۔ دور ہے اس
 پہنے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
 ایسے قاتل کیا کرے کوئی
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 وہ کہیں۔ اور سنا کرے کوئی

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
 شمعِ دامنِ ہر مار سہی
 چال جیسے کراہی کمان کا تیر
 بات پر وال زبان کشتی ہو

مرا گو ہر شکست سر ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ ہر سنگِ دشت (جو لڑکے دیوانوں کو لاتے ہیں) ایک
 صدف ہو جس سے گو ہر شکستِ سر حاصل ہوتا ہے اس لیے جنوں سے معاملہ کرنے میں
 نقصان نہیں ۱۲

لہٰذا ایسے قاتل کا۔ اس قاتل کی طرف اشارہ ہو جو بے تلوار کے قتل کرتا ہو ۱۳
 عہ کراہی کمان کا تیر۔ بہت تیزی کے ساتھ اٹھنے والا ہوتا ہو۔ شاعر نے معشوق کی بے انتہائی
 کی چال کو اس سے تشبیہ دی ہے وجہ مشابہت ظاہر ہو ۱۴

کچھ نہ سمجھے خدا کرے۔ کوئی
 نہ کہو۔ گر بُرا کرے کوئی
 بخش دو۔ غلط کرے کوئی
 کس کی حاجت رو کرے کوئی
 اب کسے رنجا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنور میں کیا کیا کچھ؟
 نہ سُنو۔ گر بُرا کہے کوئی
 روک دو۔ غلط چلے کوئی
 کون ہو جو نہیں ہے حاجت مند؟
 کیا کیا خضر نے سکندر سے؟

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
 کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟

بت سہی۔ غم گیتی۔ شراب کم کیا ہے؟
 غلام ساقی کو تو ہوں مجھ کو غم کیا ہو؟
 تھاری طرہ روش جانتے ہیں ہم کیا ہے؟
 رقیب پر ہو اگر لطف۔ تو ستم کیا ہے؟
 سخن میں۔ غامہ غالب کی آتش افشانی
 یقیناً ہی ہم کو بھی۔ لیکن اب اس میں کیا ہو؟

۱۔ تو ستم کیا ہو۔ تو ستم اور کسے کہتے ہیں مہنی رقیب پر لطف کرنا ہی کچھ پر ستم کرنا ہو۔

باغ - پارخانی - یہ ڈاتا ہی مجھے
 بجز برتنج ہر شے دیگر - معلوم
 نہ تھا۔ مجھ کو اس شے شکست دل ہو
 نالہ - سراپہ یک عالم - وعالم کتب خاک
 زندگی میں تو وہ مخلص اٹھا دیتے تھے

سایہ شمع گل - افنی نظر آتا ہی مجھے
 ہوں میں وہ سبز - کہ زہر آب کھاتا ہی مجھے
 آئینہ خلتے میں کوئی لیے جاتا ہی مجھے
 آسمان - بیضہ قری نظر آتا ہی مجھے
 دیکھوں اب مرگئے پر کون اٹھا ہی مجھے

رُفوسی ہوئی جو کو کہہ شہر اس کی
 جب اس کے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
 بھوکے نہیں میں سرگستاں کے ہم ملے

اترے کیوں نہ خاک سیرہ گزر کی
 لوگوں میں - کہل تو نہ مولا نہ ترا سکی
 کیوں کرنے کھا بیٹے - کہ ہوا ہی بجا سکی

میں جس طرح کا جو ہر صفت دہر آب میں بکائے ہی سے منور ہوتا تو اسی طرح میں وہ سبز ہوں
 جس کی نشو و نما صرف ظلم اور غصے سے ہوئی جو اپنی میری سرشت میں ظلم و غصہ جو دہر آب سے مراد ظلم
 اور غصے سے ہو۔

یہ فارسی افقوں کو ادھر کہے اس شعر کو مدد شرم اس طرح بڑھ چکا: دیر امداد شکستہ دل کے
 تڑپنے میں مجھ کو - ایسا معلوم ہوتا جو کہ کوئی مجھے آئینوں کے گھر میں لے جاتا جو مطلب یہ کہ حصول دعا
 سے ناامیدی اور اس جو جاننے کے جب - میرا دل ٹوٹ گیا جو اور تو دعا سے دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑیاں
 اتنا شاد کہ رہا جو - دل ناخوش تھا جب وہ ٹوٹا تو بہت سے تڑپنے پیدا ہو گئے اور غمناک بن گیا - طلبا طبائی
 یہ شاعر کو کتا چکے کہ ناگہی ایک عالم کا سراپہ جو اوپر عالم یعنی دنیا ایک مشت خاک جو اسی آسمانی جہیز قری
 مطلب یہ کہ وہ دنیا میں اسے کے سراپے نہیں جو - دنیا دارا میں جو اسی آسمانی سے لکھا گیا کہ تھو انا جیسی دنیا میں
 جو کھا لین پیدا ہوتی ہیں اس کا سرشت آسمانی جو - آسمان کو جہیز قری اس مشابہت سے کہا جو کہ قری
 رنگ خانی ہوتا ہو ۱۲

یہ کہ کو کہہ - رعایت خدا ہی شاہی ۱۳

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
 بہت نکلے مے ارمان یکن بھر بھی کم نکلے
 دوسے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر؟
 وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بہم نکلے
 نکلنا خند سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
 بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے
 بھرم کھل جانے ظالم تیری قامت کی دلازدی کا
 اگر میں قرۃ العین بیچ دھم کا بیچ دھم نکلے
 مگر۔ کھولے کوئی اس کو خط۔ تو ہم سے کھولے
 ہوئی صبح۔ اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
 ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادۂ آشنائی
 پھر آیا وہ زمانہ۔ جو۔ جہاں میں جامِ جم نکلے
 ہوئی جن سے توقع خشکی کی داد پانے کی۔
 وہ ہم سے بھی زیادہ خشک تنج ستم نکلے
 صبت میں نہیں ہو فرق جینے اور مرنے کا
 اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فرج دم نکلے

۱۰۰ زلف کا بیچ دھم نکلے۔ یعنی زلف کھل جانے ۱۰

ڈنکار دور سینے پر کہ تیرا پستم نکلے
 جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
 خدا کے واسطے پر وہ نہ کعبہ سے اٹھا ظالم
 کہیں ایسا نہو۔ یاں بھی وہی کافر ستم نکلے
 کہاں میخانہ کا دوازہ؟ غالب ادکھاں واعظ؟
 پراتا جاتے ہیں۔ نکل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

گوہ کے ہوں! یہ خاطر گر صدا ہو جاوے
 بے تکلف اسے شراب رستہ کیا ہو جاوے
 بیضہ آسا۔ تنگ بال و پر ہی کہنجِ قفس
 از سر نو زندگی ہو۔ گرا ہو جاوے

۱۔ یہ شعر اور شعر ابجد عام بطور ۱۰۰۰۰ میں نہیں ہے۔ قدیم علمی تذکرے سے بے گئے ہیں۔
 ۲۔ یہ شعر شرام سے ہے جو پھر سے لکھا ہو، سوال کرتا ہو کہ اگر ہم صدا ہو جائیں گے تو کون کے اور غلط ہو گئے
 ۳۔ ابغلاطس وجہ سے کہ آواز پہاڑ سے نکلا کر وہیں چلی آئی ہو، تو یہ تو بے تکلف جادے کہ ہم کہا ہو جائیں
 ۴۔ صاحب کو کہ سال پہلے غلامی سے جو سوال کرتا ہو تو یہ لکھا کہ سوال کرتا ہو کہ اس سے وہی دستور لکھا
 ۵۔ جس کا پتھر جو نگہ شراب میں گرفت ہو جانے کا پتھر لکھا ہو۔ اس سے شاعر بھی اس سے ہی جواب کی
 قریح لکھا ہو۔

۶۔ دنیا کو کہنجِ قفس سے نسبت دی ہو، شاعر لکھتا ہو کہ ہم اس دنیا سے تنگ آ گئے ہیں اگر اس کی زندگی ہے
 ۷۔ خوب مل جائے تو گویا از سر نو زندگی مل جائے جس طرح پرند کی فٹ سے پہلے کے بعد نئی زندگی نکل
 ہوتی ہو۔

لستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی - ہلاک ہو
 موجِ شراب - یک شرعِ خواب تاک ہو
 جزدخمِ تیغِ ناز - نہیں دل میں آرزو
 جیبِ خیال بھی تو سے باتوں سے چاک ہو
 جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
 صحرِ ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہو

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہو گوارہ جنبانی
 قیامتِ کشتہ لعلِ تباں کا خوابِ بنگس ہو

آئینہٴ سلابِ طوفانِ صدا سے آب ہو
 نقشِ ہاجکان میں رکنا ہو انگلی - جاہ سے

۱۔ ساقی کی غفلتِ شکاری کے ذوق نے سستی کو بھی ہلاک کر دیا ہو - یعنی مست و بے خود بنا رکھا ہو
 ۲۔ دوسرے مصرعے میں ساقی کی ادنیٰ غفلتِ شکاری کا بھار ڈھکھا ہو کہ موجِ شراب چشمِ ساغر
 کی شرعِ خواب آلود بن گئی ہو یعنی شراب خود مرثا راہِ از خود رفتہ ہو رہی ہو ۱۲
 ۳۔ لعلِ جان : لعلِ لبِ مہرباں - مطلب یہ جو کشتہ لعلِ لبِ تباں کی تیند قیامت کی تیند جو کذب
 عیسیٰ کی جنبش بھی اس کو زندہ نہیں کر سکتی زندہ کرنا تو درگنا اس کی جنبش سے ان کی غفلت اور
 بھی ترقی کرتی جاتی ہو -

۴۔ طوفانِ صلابت آپ کو کٹھن کر نقشِ ہاجا سے دوسرے کافوں میں انگلی دے ہوئے ہو یعنی
 خود زندہ ہو کہ سلاب جب آئے گا تو اس کو قدا کر دے گا - مولانا طیبائی نے اپنی شرح میں

بزمِ نو۔ دشتِ کردہ ہو کس کی چشمِ مست کا؟

شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہو مہجِ ابد سے

ہوں میں بھی تاشائی نیز گہِ تنہا

مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی ہر اک

سیاہی جیسے گرباے دُومِ تحریر کا غد پر

مری قسمت میں یوں تصویر ہو شبِ آج جاں کی

بجھومِ نال۔ حیرتِ عاجزِ عرضِ کیا لقاں ہو

غوشی۔ ریشہ صدِ نیساں کے جس پہ نازاں ہو

مکتفِ بر طرہ۔ ہو جاں سرتاں تر لطفِ بختیاں

نگاہِ بے حجابِ ناز۔ تیغِ تیزِ عریاں ہو

اس شعر کا اصل یہ گویا ہو کہ وہی صحیح معلوم ہوتا ہو کہ عالم میں ہر شخص کو خدا کا لٹکا لگا ہوا ہو۔
تو اس شعر میں مہجِ ابد کو نبضِ پری سے نسبت دی گئی ہو۔ وہ نسبت یہ ہو کہ یہی میں و مست ہوتی ہو
مطلب یہ ہو کہ مستیِ چشم کے آخر سے شیشے میں مہجِ ابد بھی آجھل رہی ہو۔

تو حیرتِ عاجزہ۔ عاجزِ حیرت۔ مطلب یہ ہو کہ بجھومِ نالوں بات سے عاجز ہو کہ حیرت کی وجہ سے
آہ و فغاں نامکن ہو۔ چنانچہ غوشی جو لازمِ حیرت ہو اس غر کا اظہار کر رہی ہو جس سے دماغ ہونے
سے اظہارِ غر ملو ہو۔ لہٰذا شیشہ نیساں اس لحاظ سے آیا ہو کہ نیساں کی بھی بے نیہی یہی حالت ہوتی ہو
باوجود اسے کہ اس سے ہزاروں انسانیاں بن گئیں ہیں اور اس لیے اس کو ہزاروں سالہ لڑنے
کشیہ کا بھی کہہ سکتے ہیں لیکن بصورتِ ظاہر لہٰذا ہر لہٰذا لہٰذا شیشہ ہونے میں ہر غوشی

ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
 کہ صبحِ غید۔ مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہو
 دل و دین نقد لا ساقی سے گرسودا کیا جا ہے
 کہ اس بادادیں ساغرِ تیغِ دستِ گرماں ہو
 غم۔ آنکھوں میں بلا میں پرورش دیتا ہو عاشق کو
 چراغِ روشن اپنا۔ قلمِ مصرعہ کا مرچاں ہو

خوشیوں میں تماشا ادا۔ نکلتی ہو
 بھگاہِ دل سے تری سرا سا نکلتی ہو
 فشارِ رنگِ خلوت سے بنتی ہو شبنم
 صبا۔ جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہو

نیشاںِ خس بہ ونداں نظر آتی ہو ۱۲
 لے شمعِ دستِ گرداں سے وہ دلی مراد ہو جو نقدِ فروخت ہو عکسِ خوب سودا نقد ہے اس اقدار سے کیا
 ہا تہ لے ۱۲۔

عہ خاں کتا ہو کہ اگرچہ بادِ مصرِ چراغِ روشنی کو بھگا دیتی ہو۔ لیکن چونکہ غم سے عاشق کی دانگی ہو
 اس لیے عشاق کا چراغِ روشنی مصر کی آفت میں نہیں نکلتا ۱۲
 سے "تسا سفا" لہذا بھگاہ کی صفت ہو یعنی تماشا دکھانے والی۔ سرسکھانے سے انسانی کی آواز
 بچھڑ جاتی ہو اس لیے سرور کو عاشقی سے نسبت ہو۔ یعنی دسی بھگاہ نکلتی ہو جس میں اشارہ اور کتا بھگت نہیں
 اور یہ دوا بھی عاشق کو بھلی معلوم ہوتی ہو ۱۲۔

تک غنچہ جو گر تلک اور خلوت پسند ہو۔ اس لیے وہ بادِ صبا کو گر تلک میں بکرا لیا بھگتھا ہو کہ وہ غم سے
 پیسنے پیسنے ہو جاتی ہو اور اس پیسنے کا نام شبنم ہو ۱۲

نہ پوچھ سہیہ عاشق سے آپ تیغِ عکاس
کہ زخمِ روزِ نِ در سے - ہوا سہکتی ہو

عجبِ جانسیم - شانہ کشِ زلفِ یاسہو
نافہ - دماغ آہوے دشتِ تاراہو
کس کا سرِ غِ جلوہ ہو حیرت کو؟ اے خدا!
آئینہ - فریش شیشِ جہتِ انتظار ہو
ہو ذہ ذہ تنگی جا سے غبارِ شوق
مگر دام ہے ہو - وسعتِ صحرا شکار ہو
دلِ مدعی و دیدہ بنا تہ عا غلیبہ
نظارہ کا مستندہ پھر رو بکار ہو
چتر کے ہو شبنم آئینہ برگِ گل پر - آب
اے عذیب! وقتِ دواغِ بہار ہو

ملہ جہنی جس دن سے وہ بھاگتا ہو اُس میں روزِ نِ در کھو گیا تیغِ عکاس نے زخمِ زوال دیا ہو
اور زخم بھی ایسا گہرا جس میں سے ہوا نکلتی ہو۔ پھر سہیہ عاشق کی کیا حقیقت ہو جس زخم سے ہوا نکلتے اور
سانس دینے لگے "مزدور ملک ہو یا کو"
عہ عجب ہو کہ نسیم سے ہوئے زلفِ یاسہو کے گرا ہوئے تارا کا دماغ نافہ میں گواہی یعنی آہوئے غبارِ غلیبہ
ہوئے زلفِ یاسہو سے فیض اٹھانے کی احتیاج رکھتا ہو۔ "تہ حیرت کس کے سرِ غِ جلوہ میں سرورِ کون کا شہ
شیشِ جہتِ انتظار میں فریش چاہا ہو عجب ہو کہ عیب نہ حیرت سرِ غِ جلوہ میں سرورِ کون کا شہ حیرت ناہوگا۔
تہ لگے کی لگی کی وجہ سے عاشق کا غبارِ شوق ذہ ذہ ہو کر گڑا ہو اور یہی فنسے صحرانِ یاسہو پر جانتے "تہ ایہی میں

بچ اپڑی ہو دلع دل دار کی مجھے

وہ اکٹے بانہ آئے۔ یہاں منتظر رہی

بے پردہ۔ سوئے دادی عجیبوں گزر نہ کر

ہر ذرے کے نقاب میں دل بے قرار ہو

اے عندلیب۔ یک کفِ خن بہر آشاں

طوفان آمد آمدِ فصلِ بہار ہو

دل مت گنوا۔ خبر نہ سہی۔ سیر ہی سہی

اے بے دماغ ہائے تمثالِ دار ہو

غفلت کفیلِ عمر و اسدِ ضامنِ نشاط

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہو

آئینہ کیوں نہ دونی کہ تماشا کہیں ہے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں ہے

ایک رسم ہو کر شکلوں کے لیے وقت و خدمت کیلئے پرانی طہر کرتے ہیں ایسی رسم ہے آبِ بر

آئینہ رنگینِ تاری بخاور پہنچا ہوا جو جس کے معنی میں کسی کو خدمت کرنا ۱۲

خبر نہ سہی۔ یعنی دل باخبر نہ سہی خبر کے مطلب معرفت الہی سے ہو۔ آئینہ تمثال و تصویر اشارة

جو دل کی طرف سے مسرتوں سے بھر ہوا ہو مطلب یہ جو کہ میرے دل کو ہاتھ سے نہ دے کیونکہ اس میں

بہت سی حسرتیں پھری ہوئی ہیں مگر وہ معرفت الہی سے مصفا نہیں ہو۔ لیکن حسرتوں کی تصور برتو

اس میں موجود ہو۔ اس کی پہچان ہو۔

حسرت نے لا رکھا۔ تری بزمِ خیال میں
 گلِ دستِ نگاہ ہو یا کہیں جسے
 پہونکا ہو کس نے گوشِ محبت میں اے خدا!
 افسونِ انتظارِ تنہا کہیں جسے
 سر پہ جو دم در و غریبی سے۔ ڈالے
 وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے
 جو چشمِ تریں حسرتِ دیدار سے نہاں
 شوقِ عناں گسیختہ۔ وریا کہیں جسے
 دکا رہو شگفتی گلِ بے بیش کو
 غالب۔ بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
 ایسا بھی کوئی ہو کہ سب اچھا کہیں جسے

۱۔ لا نکھا کا سنو! گلِ دستِ نگاہ" جو دوسرے مصرع میں داخل ہوا ہو۔ تری بزمِ خیال
 میں عشق کی بزمِ خیال اشارہ ہو دلِ عاشق کی طرف میں میں شوقِ ہر وقت لیا رہتا ہو۔
 سو عیاں کا سیاہ نقطہ مطلب ہے جو حسرتِ نگاہ نے میرے دل میں ایک گلِ دستِ نگاہ
 لاکر رکھ دیا جو جیسے لوگ سویرا کہتے ہیں دوسرے الفاظ میں سمجھنا چاہیے کہ میرے دل میں سیاہ
 نقطہ نہیں ہے بلکہ حسرتِ آلودہ نگاہوں کا گلِ دستِ نگاہ ۱۲
 ۲۔ شوقِ عناں گسیختہ: یعنی جوشِ انگ ۱۳۔

شبنم - ہر گل لالہ - نہ خالی زیرِ ادا ہو
 داغِ دل بے درد - نظر گاہِ حیا ہو
 دل - خوں شدہ کشمکشِ حسرتِ دیدار
 آئینہ ہر دستِ بہت بدستِ حنا ہو
 شعلے سے نہ جوتی - ہو جس شعلہ نے جو کی
 جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہو؟
 تمثال میں تیری ہو وہ شوقی کہ بیدِ ذوق
 آئینہ بہ اندازِ گل - آغوشِ کُٹ ہو
 قمری کعبہ خاکستر و بلبلِ قفسِ رنگ
 اسے تالہ - نشانِ حشر سوختہ کیا ہو؟

لعلہ شاہ عرکشا جو کہ گل لالہ پر شبنم کے قطرے پڑے ہیں اس میں بھی ایک ادا انگلی ہے یعنی وہ ایک مطلب کو ادا کر رہے ہیں گو یہ وہ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ لعلی میں داغ تو ہو مگر وہ نہیں جانتے کہ اس کے لیے باعثِ شرم ہو۔ اور اس شرم کی وجہ سے شبنم کے قطرے عرقِ شرم بن گئے ہیں ۱۰
 لعلہ مطلب ہے جی جیہا دل کشمکشِ حسرت اور اسے خوں ہو کر بہت بدستِ حنا کے ہاتھ میں آئینہ بن گیا ہو یعنی جیہا دل اس کا مخالف ظاہر کرتا ہو۔ بدستِ حنا - اس شوق سے حنا ہو جو حنا گھسنے کے شوق میں بہت ہو
 لعلہ جو کی - یعنی جو ات کی ہی جو ہو۔ دل کڑھا ہو۔ افسردگیِ دل سے دل کے شعلہِ عشق سے خالی ہونے کی حالت اشعار ۱۲

۱۱۔ اس شعر کے معنی بعض شروحوں میں مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ ایک شاعر نے قفسِ رنگ کو خط بکھلا دیا ہے وہ کہتے ہیں قفسِ رنگ صحیح ہے اور اسی کو صحیح ان کے انھوں نے شریک کی ہے۔ لیکن یہاں سی رائے میں جو معنی مولا ۱۲ حسرتا نے لکھے ہیں وہ فریبہ نہیں وہ کہتے ہیں۔ ہر سوختہ کا کوئی نشان اسے کے باقی میں جو پہلا مصرعہ بطور قید لگا ہے کہ جس طرح قمری عشق سر میں ایک کعبہ خاکستر اور بلبلِ عشقِ گل میں مروتِ رنگی ہے

خونے تری افسردہ کیا دھشتِ دل کو
 مشرقی دے بے حوصلگی - طرفہ بلا ہو
 مجبور سی و دعا سے گرفتاری اُلفت
 دستِ تو سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہو
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
 تیغِ ستم - آئینہٴ تصویرِ منا ہو
 اسے پر تو خورشیدِ بجاں تاب ادھر بھی
 سائے کی فوج ہم پر عجب وقت پڑا ہو
 ناکر وہ گناہوں کی بھی حسرت کی - مے دار
 یارب! گراں کر وہ گناہوں کی سزا ہو
 بے گانگی خلق سے بے دلِ نوحِ غالب
 کوئی نہیں تیرا - تو - مری جانِ خلدی

ازگ رہ جاتی ہو۔ اسی طرح ہمارے بچے سوختہ لاکوئی نشان: جز سائے کے نہیں ہو۔

سند تری خونے، تری بیزبیر ہے۔ دھشت، دلِ دھوا آتش کے سن پاستال ہوا ہو۔

تجہ مطلب: جو کہ چھوٹے بچوں سے محبت نہ ہو۔ ہے ہیں اس کے ہمارے پیمان و ناکہ کی مثال ایسی جو کہ بچہ کے
 بچے ہاتھ سے لگا ہوا اور نہ نکال سکتے ہوں۔

سند مشرق کا تیغ ستم کہ آئینہٴ تصویرِ زمانہ کو دکھائے کہیں کو اس نے اپنے پہلے ہاتھ دھو کر کشید کر دیا
 وہی اب عثمانِ موحّد کے گلے پر چل رہی ہو اور اس کی موحّد غیری کاٹ کر کھینچنے سے وہ بھڑی نراناہ ہوتا ہو کہ
 ہر ناکر اس وقت کے جا رہے ہیں وہی شہیدانِ گزشتہ کو بھینچنے کے ہوں گے۔

مطلوبہ رہی یہ مشکل۔ تجلی کو نور کی
 اک خوش چکان گھن میں کرہوں بنا دیں
 واعظ۔ نہ تم ہیو۔ نہ کسی کو چلا سکو
 روتا ہو مجھ سے عشر میں قال۔ کر کیوں ٹھہرا
 آمد بار کی ہر جو پل پل ہو نفس رنج
 گو۔ وائ نہیں۔ یہ حال کو نکالے ہوئے تو میں
 کیا فرض ہے؟ کہ سب کو لے ایک سا جواب
 گرجی ہی کلام میں۔ لیکن نہ اس قدر

قسمت کھلی ترے قد و رخ سے بطور کی
 پڑتی ہو آنکھ تیرے شہیدوں پر۔ جوہر کی
 کیا بات ہو! تمہاری شراب بطور کی
 گویا۔ ابھی سستی نہیں آواز صور کی
 اڑتی سی اک خبر ہو۔ زبانی بطور کی
 کیسے سے ان تہوں کو بھی نیست ہو وہ کی
 آؤ۔ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
 کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب۔ گراس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 جج کا ثواب۔ نذر کروں گا۔ جنور کی

غم کھانے میں بول اولیٰ اکام بہت ہو
 یہ بیچ کہ کم ہو محو گلفام۔ بہت ہو

۱۔ تجلی سے تجلی اتنی مراد ہو اور یہ شرف نصیب میں کہا گیا ہو ۱۱
 ۱۲۔ شاہ عکس، ہرگز آدمی کو اس قدر متغیر اپنی نہیں چاہیے کہ ہر کوئی شکایت کرے ۱۲

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہو ورنہ
 ہو یوں۔ کب مجھے دُرو تہ جام۔ بہت ہو
 نے تیر کہاں میں ہو۔ نہ سیاد کیس میں
 گوشے میں قفس کے۔ مجھے آرام بہت ہو
 کیا زہ کو انوں۔ کہ۔ نہ ہو گرچہ ریائی
 پادشاه علی کی۔ طبع خام بہت ہو
 ہیں اہلِ خرد۔ کس روشِ خاص پہ نازاں
 پابستگی رسم و رواج عام۔ بہت ہو
 تو زم ہی پہ چھوڑو۔ مجھے کیا خوفِ حرم ہے؟
 آلودہ پہ مژ۔ جامہٴ اسلام بہت ہو
 ہو فکر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہو
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں سے مرگ!
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کاظم ہو
 ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 شاعر تو وہ اچھا ہو پہ بدنام بہت ہو

اے شاعر نے اس شعر میں قفس کے اس کتہ کو مان لیا ہے کہ گوشتِ بشر میں کوئی خلو نہیں ہو وہ کہتا ہے کہ ایسی
 آواز آتی جس میں خلو ہو قفس میں پڑا رہا بہتر ہو۔
 عہ ابرام کہنی صند کر ۱۲۱۔

مدت ہوئی ہو یا رکوسماں کیے ہوے
 جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیے ہوے
 کرتا ہوں حج بھر جگرِ لغت لغت کو
 عرصہ ہوا ہو دعوتِ مرگاہ کیے ہوے
 پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہو دم
 برسوں ہوئے ہیں چاکِ گریباں کیے ہوے
 پھر کرمِ نالہ بے شرابا رہو - نفس
 مدت ہوئی ہو سیرِ چراغاں کیے ہوے
 پھر پیشِ جراتِ دل کو چلا ہو - عشق
 سالانہ صد ہزار نمسداں - کیے ہوے
 پھر بھر رہا ہو خامۂ مرگاہ - بہ خونِ دل
 سانچہ چمن طراز ہی داماں کیے ہوے

۱۰ جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کہہ کر خاعنے شرابِ آتشیں کے جام کو جلیق سے نصبت دی ہے ۱۱
 ۱۲ وضعِ احتیاط اور گریباں پہاڑنے میں احتیاط کرنے کی عادت سے مراد جو
 ۱۳ مرگاہ کا موقوفہ جو ادھونِ دل کی روشنائی ہو اس سالانہ سے صفحہ ۱۸۱ پر گلیاں کرتا
 ۱۴ نظر میں ۱۵

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب

تظارہ و خیال کا سماں کیے ہوئے

دل پھر طواف کسے ملاست کر جائے ہو

پندار کا صنم کردہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہو خریدار کی طلب

عرض متاع عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہو پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال

صدر گلستاں نگاہ کا سماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامہ و لہذا رکھو لٹا

ہاں - تخیروں و فریبی عنوان کیے ہوئے

مانگے ہو پھر کسی کو لب باہم پر ہو کس

زلف سیاہ و رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہو پھر کسی کو مقابل میں آؤ و

سُرمے سے تیز و شہ ترگاں کیے ہوئے

ایک نو بہار ناز کو تاکے ہو پھر نگاہ

چہرہ فریخ و س گلستاں کیے ہوئے

پھرتی ہیں جو کہ در پہ کسی کے پڑے ہیں

سر زریں بادشت درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈھتا ہوں پھر وہی فرصت۔ کرباتِ دل
 بیٹھے رہیں تصورِ جانناں کیے ہوئے
 غالب۔ ہیں نہ چھپرے کہ پھر جو پیشِ اشک سے
 بیٹھے ہیں ہم۔ تہیہ طوفاں کیے ہوئے

نورِ یاسن ہو بے داؤدِ دوست۔ جاں کے لیے
 رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
 بلا سے گرثہ یار۔ تشنہ خوں جو
 کھوں کچھ اپنی ہی شرابِ خوں کے لیے

وہ زندہ ہم ہیں۔ کہ میں روشناسِ خلق۔ اوغیر
 نہ تم۔ کہ چو رہنے عمر جاوداں کے لیے
 رجمِ بلا میں بھی میں مبتلا سے آفتِ رشک
 بلا سے جاں جو۔ ادا تیر سی۔ اک جہاں کے لیے
 فلک! نہ دور رکھا اُس سے مجھے۔ کہ میں جی نہیں
 دراز دوستی قاتل کے استخاں کے لیے

۱۔ مطلب یہ کہ وہ سب نے اس دیر پہلے «ادکی کر» سناں کے لیے کوئی علم باقی نہیں چھوڑا اس لیے
 اب آسمان کے علم و ستر سے جان کو کوئی ڈھرائی نہیں رہا ۱۲
 ۲۔ اس شعر میں رشک کا اظہار کیا گیا ہے کہ ستر کی دوا اگر ہم بلا جو۔ لیکن وہ دوسروں کے لیے بلا بھی
 کیوں ہو ۱۳

شال یہ مری کو مشق کی ہو کہ مرغ اسیر
 کرے قفس میں فراہم خس۔ آشیاں کے لیے
 گناہجو کے وہ چُپ تھا۔ مری جو شامت آئے
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لیے
 بہ قدر شوق نہیں۔ نظر نکلنے غزل
 بکھو اور چاہیے دست۔ مرے بیان کے لیے
 دیا ہو خلق کو بھی۔ تائے نظر نہ لگے
 بنا ہو عیش۔ تجل حسین خاں کے لیے
 وہاں بہ بار خدا یا! ہے کس کا نام آتا؟
 کہ میرے فلق نے بوسے مری زباں کے لیے
 نصیر دولت ادیں۔ اور عین قیمت و ملک
 بنا ہو چنچ بریں جس کے آستان کے لیے

علیہ ایسی کو مشق کی ہو کہ مرغ اسیر کی اصل کو مشق سے جودہ قفس میں آشیانہ بنانے کے لیے کرنا جو مشابہت
 دے کر فضول اور بے قاعدہ ثابت کیا جو ۱۰
 ۱۱۔ اس شعر میں شاعر نے ایک بہت بڑے مضمون کو دو مصرعوں میں اس خوبی سے قلم کیا جو کہ اس کی مثال
 کسی دوسرے شاعر کے کلام میں ملنی مشکل ہو شاعر کہتا ہے کہ جس جو مشق کے مکان پر پہنچا تو اول تو چپ کھڑا رہا
 پس بیان نے سائل کچھ کر کچھ نہ کیا جب خاموش کھڑے ہوئے کچھ نہ رہا۔ یعنی وہ مشق کے شوق نے قیاد کر دیا
 تو بے مبری کے ساتھ اس بیان کے قدموں پر گر پڑا اس وقت ۱۲۔ کچھ کہ اس کا مطلب کچھ اور جو اور اس نے
 میرے ساتھ وہ مسلک کیا کہ میر کا اظہار نہ کرنا ہی بہتر ہو ۱۳

زیادہ عہد میں اس کے۔ ہو محو آرائش

نہیں گے اہل تارے۔ اب۔ آسمان کیلئے

دورق تمام ہوا اور طبع باقی ہو

سفینہ چاہیے۔ اس بحر بے کراں کے لیے

اداسے خاص سے غالب ہوا ہو نکتہ سرا

صلائے عام ہو یا راں نکتہ ہاں کے لیے

غزلیات تمام ہوئیں

لے سفینہ پر من کشش لیکن یہاں یہاں یاد بوائی مراد ہو ۱۲۔

قصائد

قصیدہ اول

منقبت میں

سایہ لالہ بے داغ سوید اسے بہار
ریزہ شیشہ ہو جو ہر تیغ کسار
نازدہو۔ ریشہ آرائیج صفت ہو شرار

سازیک ذرہ نہیں فیض میں سے کیا
نستی بار صبا سے ہو بزم سنو
عجز ہو جاویم زمرہ کی طرح۔ داغ بگ

لہ مطلب ہے جو کہ فیض میں سے جن کا ایک ذرہ بھی بچے اور نہیں ہو یاں تک کہ الہ بے داغ کا سایہ جو
زمین پر پڑا ہے وہ جل نہا رہا سو یا (نظر احوال) میں گیا ہو یعنی "وہ بچے کا نہیں ہو"۔
عہ تیغ کوہ پیا لکی چوٹی کو چھتے ہیں اس لیے سزا کو ہمارا کہہ ہر تیغ کسا ہو مطلب ہے جو کہ ہر جہاں مسیح کے
آفری وہ سبز و جرجہ ہر تیغ کسا رہا خضر و خضرت کوں گیا عین جو ہر کی خا بہت کی وجہ سے ان الفاظ کو
شاعر نے جمع کیا ہو۔

عہ ہمار کی تاثیر سے چھتے کے داغ جو سیاہ ہوتے ہیں، مثل جاویم زمرہ سبز بن گئے ہیں خرا ہو انا
نہیں ہوا کہ سبز لکھ کی طرح تر و تازہ ہو گیا ہو۔

مستی ابر کے گلچین طرب ہو۔ حسرت
کوہ و صحرا۔ ہمہ محمودی شوق بلبل
شہنشاہی ہو فیض ہوا۔ چھوڑت ٹرگا لہجہ
کاٹ کر پھینکیے ناخن۔ تو بہانہ زبانی
کتبت ہر خاک پر گردوں شدہ قمری پروان
کوکہ میں ہو اگر آرزو سے گل چینی
تو گل محل ڈھونڈو بہ خلوت کو خوشچہرہ
کھینچے گرانی اندیشہ۔ چمن کی تصویر
نقل سے کی جو پڑی زمرہ محبت شاہ

کہ اس آغوش میں مکنج۔ وہ عالم فشار
راہ خوابیدہ۔ ہونی خندہ گل کے بیدار
سر زشت دو جہاں ابو پر یک طرفہ
قوت نامید اس کو بھی نہ چھوڑے بھلا
دام ہر کاغذ آتش زدہ۔ طاؤس شکار
بھول جا۔ یک قوج بادہ بہ طاق گل زار
گم کرے گوشہ موم خانے میں گرد ستار
سبز شل خط نوخیز ہو۔ خط پر کار
طلی ہنر کسا رہے پیدا اختیار

لہ آغوش میں دیکھت ہیں۔ مکن جو وہ عالم فشار۔ وہیں وہ نیکے غزل کا فراموش ہو جا مکن جو ۱۱

نہ راہ خوابیدہ وہ راہیں پر کسی کی آواز رفت نہ تھی سسناں بڑی ہوتی تھی ۱۲

تو دو جہاں پر۔ وہاں پر کثیر مراد طلب۔ یہ فیض ہوا سے مثل ضم کے ٹکان خاک آلود کے جس سے دونوں دنیا
شک جا رہی رہتا ہو۔ تھوڑے سے ملہا میں ہیں اور کثیر روم دہو ۱۳

تو طلب۔ یہ جو کہ بارہ ہر چیز میں جان ڈال دئی ہو کہین خاک قمریوں میں جو نہ ہر شہنشاہ میں گیا ہو۔ قمری کا
رنگ خاک کا ہوتا ہو۔ اس لیے کون خاک سے مشابہت دئی ہو اور کاغذ آگ سے جل کر جنگ ہو جانا ہو اس لیے سے
وہ سے نسبت دئی ہو ۱۴

تو کہتا ہو کہ اگر تو باغ کو کوکہ بنانا چاہتا ہو تو باغ میں ایک جام بزم کر کہ بھول جا غرض بنا دے ایک جام کے ہنر
جام پیدا ہو جائیں گے۔

تو غزلت کا غزلہ لہجہ یعنی خود باغ را حاضر غزلتانی ہوا سب گل سے گل کا کثرت سے پیدا ہونا مراد ہو ۱۵

تو اس شعر میں ہنر کو ہمارا کو طوطی اور گل کو ہم ہاؤں سے نکلتا ہو نقطہ طوطی کا گیا ہو۔ درست شاہ گدا
دین حضرت علی کریم اللہ وجہہ ۱۶

وہ شہنشاہ کہ جس کی پختہ تعمیر مسرا
فلک العرش - جہوم خیم دوشیز مزدور
شہرہ چمن ویک خط بہت لب بام
دال کے خاشاک محال ہو جسے یکائے کا
خاک صحرائے نجین - جو ہر سیر عرفا
دورہ اس گرد کا - خورشید کو آئینہ ناز
آفرینش کو ہر وال سے طلب مستی ناز

چشم جبریل - ہوتی - قالب خشت ویرا
رشتہ فیض ازل - سازہ ظناب مہر
رفتہ ہمت صد عارف ویک الفج حصا
وہ رہے مروحہ بال پری سے بے زار
چشم نقش قدم - آئینہ بخت بیدار
گرد اس دشت کی - امید کو احرام بار
عرض نمایا زہ ایجاد ہی ہر تیج غبار

مطلع ثانی

دل پروانہ چراغ خال - پر طبل گل ناز

فیض سے تیرے ہو اسے شمع شبت اب سجا

جہوم کا لقا کثرت تمیدگی کا ہر کہنے کے لیے آیا ہو - دوسرے مصرعے میں ساز پر سوسنا ان طیار
سما کی دھڑکی جس سے سحر دہر کی کچی رہا سستی کو اٹھتا ہو - اس شوق روغن کی فندی ہر سستی کا
نیا ہی ہو ۱۲

تک مروحہ بال پر ہی نہ وہ جگہ جو ہی کے بانٹوں سے بنایا گیا ہو ۱۲
تک بخت کے گرد کہ ہونے سے قباب کو اڑھو اور اس کے شکل کی گرد امید کے لیے فصل مبارک کا مائے دعا
تک ہر تیج غبار - ایجاد کی انکوائی ہو - یعنی شمس کے انرجی نے پر خراب خود ناز کی جو طلب ہو - مطلب یہ کہ
سرخ میں بخت پیدا ہو کے آفرینش کو بار بار ناز پڑتا ہو ۱۲

شکل کا دس کرے آئینہ خانہ - پرندہ از
تیری اولاد کے غم سے ہو برصے گزول
ہم عبادت کو ترا تھیں قدم - چتر ناز
دع میں تیری - سناں - زفر نہ نعت نبی
جو ہر دست دعا آئینہ یسینی تا شیر
مرد اس سے جو عزا خانہ اقبال چکھا
دشمن آل نبی کو بھربا خانہ دسر

ذوق میں جلوے کے تیرے - ہو یاد
سلک اختر میں - مدد - شرف گو ہر بار
ہم ریاضت کو ترے جو صلے انتظار
جام سے تیرے - عیاں - بادہ جوش سر
ایک طرف نازش شریکان و دیگر سو غم خانہ
خاک دم کی تری جو چشم نہ مید آئینہ دار
عرض خیا نہ سیلاب ہو - طاق دیو

دیشہ تادل ہمد آئینہ یک پر تو شون
نفین معنی سے خط ساغر باقم سرشار

۱۵ اس شعر میں مدد کو غزوہ اوستاروں کو سلک اشک قرار دیا ہو گو ہر بار یعنی گو ہر بار
دلی - اشک کو کہ ہلے کیے کہ غم حسین علیہم السلام میں آنکھوں سے جو آنسو نکلتے ہیں وہ موقی
کا رتبہ رکھتے ہیں ۱۲۔

۱۶ مہینہ ۱۰ - مسجد گاہ - استیلا د پشست پناہ جوتا - درگاہ ہوا -

۱۷ دست دعا آئینہ - یہ قلب اخلاص آئینہ دست دعا - مدد کے دست دعا کی طرف اشارہ ہو
اور مدد کی دعا کی تاثیر کیجی ہوتا یا ہو - آئینہ کو جو ہرے جوت بہت ہوتا ہو - مطلب یہ ہو کہ مدد
کی دعا کی تاثیر جو ہمیشہ شرف قبولت بانی ہو شریکان کے لیے جو دعا کے وقت اشک بارقی بھرتا نا
ادھا نظر کے لیے موجب مسرت ہو ۱۲۔

۱۸ جو آنکھ تیرے - دلی آئینہ فارہ ہو وہ اقبال چکھا کا آئینہ نہ جو چلے یعنی ازل ہو جائے آنکھ کی
تلی میں سیاہی ہوتی ہو اس لیے آنکھ کو عزا خانہ کہا ۱۲۔

۱۹ خیا نہ سیلاب میں سیلاب کا استعارہ ہو ۱۲۔ اس آئینہ سے لے کر دل تک ایک برتو

قصیدہ دوم

منقبت میں

ہم کہاں ہوتے ؟ اگر سخن ہوتا خودی
 بی کسی پاسے تنہا کہ نہ دنیا ہو نہ دیں
 لغو ہو آئینہ فرق حسنوں و تکلیں
 سخن حق ہمہ پیمانہ ذوقِ تھیں
 درِ ویک ساغرِ عفت ہر چہ دنیا و پڑیں

دہر جز جلیوہ کیا فی مشوق نہیں
 بے ولی اے تنہا شاگردِ جہت کو زنون
 تیرے ہو فخرِ زیرِ ہم ہستی و عدم
 نقشِ معنی بہرِ دنیا زہِ عرضِ صورت
 لافِ دانش غلط و لطفِ عبادت معلوم

شوق کا آئینہ کو یعنی وہ بہترین شوق بنا ہوا ہو اور فیضِ معنی سے دائمِ حروف کا سا فرسشار ہو

یعنی اس کی سخن بے ضامین منقبت کے بہرِ نثر ہو ۱۲

۱۳ اس شعر میں تصوف کے مسئلہ ہمہ اوست کی طرف اشارہ کیا گیا ہو ۱۴

۱۵ تیرے وہم اور ہستی و عدم میں اند و فخرِ غیر مرتب ہو زیر سے عدم اور ہم سے ہستی مراد ہو جو خبر
 و تکلیں ۱۶ دیو لگی اور جو مستی ۱۷

۱۸ جو لوگ بیوشناسی کے دیے ہیں ان کو بھن صورت شناسی مقصود ہو اور جو لوگ حق گوئی کے
 اظہار میں بے باکی ظاہر کرتے ہیں وہ صرف تھیں اور ستائش کے خواہشمند ہیں ۱۹

مثل مضمون و فایاد بہ دست تسلیم
 عشق بے دلی شیرازہ اجڑے جس
 کوہ کن۔ گر سنے مزد و طرب گاہِ قیام
 کس نے دیکھا نقشِ اہلِ وفا آتشِ شیراز
 سایہ زمرہ اہلِ جہاں ہوں۔ لیکن
 کس قدر ہر ذرہ سراہوں اگر عیانِ باطن
 نقشِ لاجل کہ۔ سے غلامِ ہذاں تحریر
 منکر فیضِ خدا جانِ دل ختمِ رسل
 ہو وہ سراپہ ایجا و جہاں۔ گرمِ خلأ
 جلوہ پرداز ہو نقشِ قدمِ اس کا جس جا
 نسبت نام سے اس کی جو رتیبہ کہ ہے
 فیضِ خلق اس کا ہی شال کہ ہوتا ہو
 برشِ تیج کا اس کی جو جہاں میں چچا

صورتِ نقشِ قدمِ خاک بہ فرق انگیں
 وصل۔ در نگاہِ رنج آئے حسنِ یقیں
 بے ستوں۔ آئے خوابِ گرانِ شیریں
 کس نے پایا اثرِ نازِ دلِ اسے خیز؟
 نہ سرو برگِ ستائش۔ نہ ویاغِ تقریب
 یک قلم۔ غایبِ آفتابِ وقار و تمکین
 یا علی۔ عزمِ کر کے قدرتِ دوسریں
 قبلہ آیلِ نبی۔ کہہ ایجا و جہاں
 ہر کفِ خاک ہو جاں گرد و تصویرِ یقین
 وہ کفِ خاک۔ ہو ناموسِ وہ عالمِ کیں
 ابدِ پشتِ ملک۔ نم شدہ نازِ زمیں
 بوسے گل سے نقشِ با و صبا عطر انگیں
 قطع ہو جاے نہ سرکشہ ایجا و۔ کہیں

ملکہ باو بہ دست سے سہائی اور جزائی امواک بہ فرق یعنی خاک بہ سرو و تہ سے ذلت و پریشانی مراد ہو۔
 مطلب یہ ہو کہ اس و ناموس و ناکِ طبع تسلیم و رضا سے کچھ تائدہ نہیں اور نقشِ پاکی طبع تکین خود و داری سے
 ذلت ہی کا سا حاکم ہوتا ہو ۱۲

یہ اہلِ مزدِ خلل جو اس کو عشق کہتے ہیں اور وصل در نگاہِ رنج نہیں کے آئے کا معنی اگر نہیں کامل ہو تو
 وصل کا ہر کفِ مزد و ست ہی نہیں ۱۱

جلوہ گرد و تصویرِ یقین۔ کہہ زمین سے مراد ہو ۱۲

کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہو کہ جس سے نور
 جاں بنانا اہل و جاں فیض مسانا اِشا
 جیسے اظہر کو ترے - دوش پیمیر بہتر
 کس سے ممکن ہو تری مع بغیر اور جب
 آسمان پہن کو ترے - جو ہو آئینہ نگ
 تیرے دیکھے اسبابِ نثار آمادہ
 میری رحمت کے لیے میں اُن جاں کا مہذب
 کس سے ہو سکتی ہو عاصی مدوحِ خدا
 جنسِ انار معاصی اسدا شکر
 شوقی عرصن مطالب میں جو گشتِ غلب
 دے دعا کو مری - وہ مرتبہ حسن قبول
 غمِ بشیر سے ہو سینہ بیاں تک بہرِ نہ
 سچے کو اُفتابِ دل میں یہ سرگرمی شوق
 دلِ الفتِ نسب و سنیہ توحید و فضا
 صرف اعدا - اثرِ شعلہ و دوزخ

زنجب عاشق کی طرح - رنق بہ نما چہیں
 وہی ختمِ رسل تو ہو بہ نوا کے یقیں
 نامِ نامی کو ترے - ناصیہ عرشِ گلشن
 شعلہ شمع مگر شمع ۴ باز سے آئیں
 رقمِ بندگی حضرت جبریل میں
 غلیکوں کو جو خاندانِ دیے جانِ دل
 تیری تسلیم کو میں لوح و قلم دستِ جمیں
 کس سے ہو سکتی ہو کامائیل فردِ حق
 کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خرمیا نہیں
 ہی ترے عرصہ فضل پرانے کس کرتیں
 کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سوا تائین
 کہ دینِ خونِ جگر سے مری نکمیں نکمیں
 کہ جہاں ٹپک چلے اُس سے قدمِ دلِ نکم
 نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزریں
 وقفِ احباب - گل و سنبلِ فردوس میں

۱۲۔ اس سے قديم اولہ سے جس کا وہ جلوہ کا زبردستی میں اُس کا قدم جو مدد سیري میں ہو ۱۲
 دلِ الفتِ نسب و الفت سے نسبت رکھنے والا دل - سنیہ توحید و فضا اس سنیہ توحید سے معبود

قصیدہ سویم

شاہِ ظفر کی بیج میں عید الفطر کے موقع پر لکھا گیا

جس کو تو جھکے کر رہا ہو سلام
یہی انداز اور یہی اندام
بندہ عاجز ہو گردشِ ایام
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
خُبتِ اے نشاطِ عام عوام
لے کے آیا ہو عید کا پیغام
صبح جو جاے اور آئے شام
تیرا آغاز اور تیرا انجام
مجھ کو سمجھا ہو کیا کہیں تمام؟

اُس سرنوسین ہم اُس کا نام
دو دین آیا ہو تو لفظِ دم صبح
باسے دو دین کہاں رہا غائب
اُد کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
مرجا اے سرورِ خاص خواص
عذر میں تین دن نہ آنے کے
اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
رازدول مجھ سے کیوں چھپاتا ہو؟

ملہ جلالِ عیسیٰ مراد ہو ۱۲

ملہ تمام : جیلِ خور ۱۲

جاننا ہوں کہ آج دنیا میں
میں نے کیا۔ کہ تو ہو حلقہ گوش
جاننا ہوں کہ جانتا ہو تو
ہر تباہ کو ہو تو ہو۔ اسے

ایک ہی ہو اسید گاو نام
غالب اس کا گرنے ہو غلام
تب کہا ہو بہ طرزِ استفہام
قرب ہر روزہ بر سبیل دوام

ق

بجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
جاننا ہوں کہ اس کے فیض سے تو
ماہ بن۔ ماہ تاب بن۔ میں کون؟
میرا اپنا جبراً معاملہ ہو
ہو مجھے آرزو سے بخشش خام
جو کہ بخشے گا بجھ کو فستق فروغ
جبکہ چودہ من زلِ فلکی پہ
تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
پھر غزل کی روشنی پہ چل نکلا

جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام
پھر ناپا چاہتا ہو ماہِ تمام
بجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام؟
اویس کے یمن دین سے کیا کام؟
گر بجھے ہو اسید رحمتِ عام
کیا نہ دے گا بجھ پر گلفام؟
کر چکی قطع۔ تیری تیزی کام
کوئے و مشکوے و سخن و ستروان
اپنی صورت کا ایک بلوریں جام
تو سن طبع چاہتا تھا لکھ

غزل

بجھ کو کس نے کہا کہ "ہو بنام"؟

زہرِ غم کر چکا تھا پسرا کام

غم سے جب ہو گئی ہوزیت حرام
 کزنہ تجھیں وہ لذتِ دشنام
 اب تو باندھا ہو دیر میں احرام
 چنچ نے لی ہو جس سے گردشِ دام
 دل کے لینے میں جن کو تھا اہرام

کو ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں؟
 یوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہو!
 کبے میں جا بجائیں گے ناقوس
 اُس قوج کا ہو دورِ حج کو نعت
 بوسہ دینے میں اُن کو ہو انکار

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو عصۂ آئے
 کیوں رکھوں؟ حدِ غالب اپنا نام

اسے پر سی چہرہ اپیک تیز خرام!
 ہیں۔ مہ و مہر و زہر و بہرام؟
 نامِ شامشہ لبند مقام
 منظرِ ذوالجلال والا کرام
 نو بہارِ حدیثہ اسلام
 جس کا ہر قول معنی الہام

کہہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کہہ
 کون ہو جس کے در پہ تاصیبہ سا
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے کس
 قبلہ چشمِ دول - بہادر شاہ
 شہسوارِ طریقہ انصاف
 جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز

۱۲۔ اہرام مندرگنا
 ۱۳۔ اُن کے چھیڑنے کے لیے غالب نام رکھا ہو۔

<p> رزم میں میزبانِ قیصر و جم ای! ترا لطفِ زندگی افزا چشم بد دور - خسروانہ شکوہ جاں نکھاروں میں تیرے قیصرِ روم وارثِ ملک جلتے ہیں بجھے دوہ بازو میں لٹتے ہیں بجھے مرہا موٹنگا فی ناوک تیر کو تیرے تیر غیر بد ف </p>	<p> رزم میں اوستا درستم و سام ای! ترا احمدِ فرخنی فرجام لوحِ اللہ عارفانہ کلام جُڑتے خواروں میں تیرے شدِ جام ایچ و تور و خسرو و بہرام گیو و گودرز و بیسن و رام آفریں آبِ داری صمصام تیغ کو تیری تیغِ خضم نیام </p>
--	---

ق

<p> رعد کا کر رہی ہو کیا دم بند تیرے فیل گراں جُست کی صدا </p>	<p> برق کو دے رہا ہو کیا الزام تیرے زخمِ سبک عیاں کا خدام </p>
---	---

ق

<p>فن صورت گری میں تیرا گزر</p>	<p>گر نہ رکھتا ہو دستِ نگاہ و تمام</p>
---------------------------------	--

لے لوحِ اللہ - فارسی میں ماث اللہ کی جگہ پڑتے ہیں لیکن عربی میں اس کا استعمال نہیں۔
 لوح کوئی عربی لفظ ہے۔

لے مرشد جام - مولانا جامی سے مراد ہے۔

ق

کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام؟

اُس کے مغز و لب کے سرو تن سے

ق

صفو نامے لسانی و آیام
 مجبلاً مسند برج ہوئے احکام
 لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
 گنبد تیز گر و نیلی خام
 خال کو دانہ اور زلف کو دام
 وضع سوز و غم و روم و آرام
 ماوتاباں کا اسم شمع شام
 دی بدستور صورت ارقام
 اُس رقم کو دیا طہرہ دوم
 ہو ابد تک رسانی انجام

مب ازل میں رقم پذیر ہوئے
 اور اُن اوراق میں ہر کلمہ تضا
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کس
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں
 حکم ناطق کہا گیا کہ کھیں
 آتش و آب و باد و خاک نے لی
 مہر رخشاں کا نام خس و خروار
 تیری توفیق سلطنت کو بھی
 سات حکم نے جو جب حکم
 ہو ازل سے روانی آغاز

جلد اول شریعت ۱۲

جلد توفیق ۱۲

قصیدہ پیام

صبح دم دروازہ خاور کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں
وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
سلج گردوں پر پڑا تھا رات کو
صبح کیا جانب مشرق نظر
تھی نظر بند ہی کیا جب روئے
لاکے ساتی نے صوبی کے لیے
بزم سلطانی ہوئی آراستہ

سلج دریں مہر تاباں سے سوا
شاہ روشندل بادشاہ کدو
وہ کہ میں کی صورت تکوین میں

مہر عالم تاب کا منظر کھلا
شب کو تھا منجھینہ گوہر کھلا
صبح کو رازِ مہر و اختہ کھلا
نیتے میں دم کو کا یہ بازی گر کھلا
موتیوں کا ہر طرف زروہ کھلا
اک نگار آتشیں منج سر کھلا
باد گل رنگ کا ساغر کھلا
رکھ دیا ہو ایک عبا جم زر کھلا
کعبہ امن و اماں کا در کھلا
خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
راہِ بہتی اُس پر سرتا سر کھلا
مقصود نہ چرخ و نہفت اختر کھلا

یہ سیما ایک فن کا نام ہے جس کے لیے سے اشکال و ہیرو بھی نظر آتے ہیں۔

وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے
پہلے دار کا نکل آیا ہو نام
روشنا سوں کی جہاں فہرست ہو

عقدہ احکام پیغمبر کھلا
اُس کے سرنگوں کا جب نتر کھلا
واں لکھا ہو چہرہ قیصر کھلا

قطعہ

تو سن شہر میں ہو وہ خوبی کہ جب
نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب
مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک
تھا دل و اہستہ۔ قفل بے کلید
باغِ معنی کی دکھاؤں کا بھار
ہو جہاں گرم عزلِ خوانی۔ نفس

تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
تو کہے بت خانہ آذر کھلا
منصبِ مہر و مہر و محور کھلا
میری حقید سے باہر کھلا
کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا؟
مجھ سے گستاخِ سخن گستاخ کھلا
لوگ جانیں۔ طبیبِ عینر کھلا

لہ و اں لکھا ہو چہرہ قیصر کھلا :- چہرہ قیصر کھلا کھلا کھلا کو معنی صاف صاف لکھی ہو ۱۲
عہ بت خانہ آذر :- یہاں آذر بت تراش سے مراد ہو اگر ذال سے آذر سمجھا جائے تو اُس کے
معنی فارسی قدیم میں آگ کے ہیں اور بت خانہ آذر کے معنی آتشکدہ جو جس کے ہوجائیں گے لیکن
جو سہوں کے آتشکدہ میں بت نہیں ہوتے ۱۲
عہ :- کہ سحر کے درمیان میں ایک فریاد اور سوہوم نکلیں ۱۲۔

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پرکھلا
ہم بچا ہیں اور کھلے یوں کون چلے؟
ہم کو جو اس راز داری پر گھمنڈ
حاقمی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو کمان؟
سنت کا کس کو ہرما ہو بد رفتہ؟
سو ذہل کا کیا کرے بارانِ اشک؟
نامے کے ساتھ آگیا پینا ہم مرگ

کاشکے ہوتا قس کا در کھلا
یا رکاوہ دانہ پائیں گر کھلا
دوست کا ہو راز دشمن پر کھلا
زخم - لیکن داغ سے مبر کھلا
کب کرے غم سے کی خنجر کھلا؟
رہ روی میں بد وہ ترسبر کھلا
آگ بھڑکی - رنہ اگر دم بھر کھلا!
رہ گیا خط - میری چھاتی پر کھلا!

دکھو غائب سے گر اُبھھا کوئی
ہو ولی پوشیدہ اور کافر کھلا!

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
خلے نے پانی طبیعت سے مد
مج سے مدوح کی دیکھی شکوہ
مہر کا نپا - چرخ چکر کھا گیا

پھر نہ دُور شید کا دفتر کھلا!
اداں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا!
عرض سے یاں رتبہ جو سر کھلا!
ادشہ کا رایتِ لشکر کھلا!

بادشہ کا نام لیتا ہو خطیب
 بکڑ شہ کا ہوا ہو روشناس
 شاہ کے آگے دھرا ہو آئینہ
 ملک کے عادت کو دیکھا خلق نے
 ہو سکے کیا بیچ؟ ہاں اک نام ہو
 فکر اچھی۔ پرستاش نام تمام
 جانتا ہوں۔ ہو خط۔ لوح ازل
 تم کرو صاحبقرانی۔ جب ملک

اب علو پایہ منبر کھلا
 اب عیار آبرو سے زور کھلا
 اب آل سب اسکند کھلا
 اب فریب منزل و سفر کھلا
 دفتر بیج جہاں داور کھلا
 بحر اعجاز ستائش گر کھلا
 تم چاہے خاکان نام آورا کھلا
 ہو طلسم روز و شب کا در کھلا

ملکہ ملک کرنا مروج کا حق تھا مروج کو تخت شاہی پر دیکھ کر لوگوں کو ظاہر ہو گیا کہ منزل و سفر
 فریب سے بادشاہ بن بیٹھے تھے ۱۱

عہ صاحبقران: جناح اور جیل القدر بادشاہ سے مراد ہو۔ غنئی معنی بیڑیوں کے وہ بادشاہ جو قرآن غنئی
 کے وقت پیدا ہوا ہو۔ علم نجوم میں قرآن غنئی سیاروں کا ایک ہیئت کو کہتے ہیں جو وقت ملک پر
 واقع ہوتی ہو اس ساعت کہیں جو بادشاہ پیدا ہوتا ہو اس کی نصیب کا جانا ہو کہ اس کی عظمت
 بہت وسیع ہو ورنہ ماز گناہ پہنچے والی ہوتی ہو ۱۲۔

منوی

(آموں کی تعریفیں)

ہاں دل دروند مندر ز فرسہ ساز
خامہ کا صحنہ پر رواں ہونا
مجھ سے کیا پہچتا ہے؟ کیا کہیے؟
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
آم کا کون مرد میدان ہے؟
ناک کے جی میں کیوں رہے ایمان؟
آم کے آگے پیش جلے خاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدر
یہ بھی ناجا راجی کا کھونا
مجھ سے پوچھو۔ تمہیں خبر کیا ہے؟
نہ ٹھل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
اور دوڑا یہ قیاسن کس؟

کیوں نہ کھولے درخزینہ راز
شاخ گل کا ہی گلستاں ہونا
نکتہ ہائے بخروند اچھے
خامہ۔ نخل رطب فشاں ہو جائے
شرو شاخ۔ گوسے دچگاں ہو
آئے یہ گوسے اور یہ میدان
پھوڑتا ہو جلے پھولے تاک
بادۂ ناب بن گیا۔ انگور
شرم سے پانی پانی ہونا
آم کے آگے نہ شکر کیا ہو
جب خزاں ہو تب آسے اُس کی بیاں
جان شیریں میں یہ سٹھاس کہاں

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
جان دینے میں اس کو کیت جان
نظر آتا ہو یوں مجھے یہ شہ
آتش گل پہ قذ کا ہو قوام
یا۔ یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے
انجلیں گے بہ حکم رب الناس
یا لکھنؤ نے شائع کیا کتاب
تب ہوا ہو ٹریشاں یہ نخل
تھا سچ نہ ایک خسرو پاس
آتم کو دیکھتا اگر اک بار
روشن کار گاہِ برگ و نوا
رہرور راہِ حسد کا توشہ
صاحبِ شلخ برگ و بار جو آم
خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو

کوہ کن۔ باوجود غمی
پر۔ وہ یوں سل دے نہ سکتا جان
کہ دعا خانہ ازل میں مگر
شیرے کے تار کا ہو ریشہ نام
باغبانوں نے باغِ حبت سے
بھڑکے بھیجے ہیں۔ سر پہ مہرِ گل
موتوں تک دیا ہو آپ حیات
ہم کہاں! ہونہ؟ اور کہاں یہ نخل؟
دل کا نہ رہا۔ کہاں بولاس؟
پھینک دیتا طلحے دست افشا
نازش دو دمانِ آب و ہوا
طوبی و سدہ کا جگر گوشہ
ناز پروردہ بہار ہو آم
نوبرِ نخل باغِ سلطان ہو

شہ خسرو کا تاریخ زمانہ کسے کسے کا ساگ مشہور ہو۔ کہا جاتا ہے کہ خسرو پروردہ کے اس اسکا
سونا تھا کہ ہاتھ سے دبا کر جو چیز چاہتا تھا وہی مل جاتی۔ چنانچہ خسرو نے اس کا تاریخ اور جہد کسے نے اسکا
ساگ تیار کر لیا جو زینتِ حسنہ خان کے لیے کمانے کے ساتھ چنا ہوا تھا خسرو اور کسے نے پادشاہ
نارس کے نام ہیں جو کہ بعد و گرے تخت نشین ہوئے ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱

دیکھ کر جو والی ولایت عہد
 فخر دیں عزیز خان و عباہ جلال
 کار نولے دین و دولت و بخت
 سایہ اس کا ہما کا سایہ ہو
 اے سفیض وجود سایہ و نور
 اس خداوند بندہ پرور کو

عدل سے اس کے ہر حمایت عہد
 زینت طینت و جمال کمال
 چہرہ آرائے سلج و سند و تخت
 خلق پر وہ خدا کا سایہ ہو
 جب تک ہی نمودِ سایہ و نور
 وارث گنج و تخت و انسر کو

شاوہ دل شاد و شادماں رکھیو،
 اور غالب ہ مسراں رکھیو

قطعات

اے شمشاد و ٹھک منظر بے مثل و نظیر
 پاؤں سے تیرے فرقِ امانت انور

اے جہاں دہ کریم شیوہ بے شبہ و عدیل
 فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکیلیل

مراد ہو ۱۲ -

اے پہلے صوفی عہد یعنی عہدِ چچا این عظمت دوسرے صوفی میں یعنی زمانہ وہ وقت مستقل ہوا جو
 کہ ٹھک منظر اسود کو ٹھک منظر کہنے سے بہر مطلب ہو کہ شمشاد پر نظر کرنا گو ٹھک پر نظر کرنا ہو

تیری رفتار ظم جنبش بال جبریل
تجھ سے دنیا میں بچا امدہ بذلِ علیل
برکرم - دماغ نہ ناصیہ تسلزم و خیل

تیرا انداز سخن - شانہ زلفِ الہام
تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہ قربِ کلیم
پہ سخن - اوج دو مرتبہ مستی و لفظ

ق

ساترے عمدین مسیح و اہل کی تقصیل
زہرو نے ترک کیا عورت سے کرنا تحویل
تیرا جنبش مری اخلج مقاصد کی کفیل
تیرا اندازِ تفاعل سے مرنے کی دلیل
چنچ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

ساترے وقت میں ہر عیش و طرب کی بھر
ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
تیری دانش مری اصلاح مفسد کی بین
تیرا اقبالِ زخم سے جینے کی نوید
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے ٹھیکر امان

لذتِ قربِ کلیم - بذلِ جلیل ابھی تک لوگوں نے کتا بوں اور دھاتیوں میں سنا تھا لیکن جو کہ اس
دوہڑوں باتیں سمجھ کر بھی حاصل ہیں اس لیے اب لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا
تکہ تیسے سخن سے معنی و لفظ کا مرتبہ بلند چاہا ہو اور تیری جنبش ظلم و ذلیل کی پتیا نے بدلتی ڈالنے
والی بین اکن کو شرمندہ کرنے والی ہو ۱۲

تکہ تیرا ذوق - اس شکر و شہراہد کے ساتھ چڑھنے سے یہ مطلب نکلتا ہو کہ تیسے عمد میں ہمیشہ
عیش و عشرت قائم رہے ہی تھکا ثور سے باہر جانا چھوڑ دیا ہو اور دھو نے عورت میں قیام کر لیا -
ثور اور عورت علمِ قوم کی اصطلاح میں مہجوں کے نام ہیں - ماہ کا بیج تو راسدہ ہو کا بیج عورت میں قیام
مبارک ہوتا ہو ۱۳

تکہ انجام - یکل شش ۱۴

تکہ اقبال یاں ملتفت ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہو ۱۵

پہلے چھپے ڈالی جو سر پر شہ اوقات میں گانٹھ
پیش دل نہیں بے رابطہ بخوف عظیم
درستی سے مراد صفہ لقا کی داری
نظر میری گراں دوز اشا رات کشیر
میرے اہام ہے ہوتی تو تصدیق تو فیض
نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف
قبلہ کون و مکان جستہ نوازی میں دیکھ

پہلے ٹونگی جو بن ناخن تدبیر میں کیل
کشش دم نہیں بے ضابطہ بجز قتل
غم گیتی سے مراسیہ امن کی زینل
گلک میری رقم آمنہ عبا رات تحلیل
میرے اجمال سے کرتی ہر تلافی تفصیل
جمع ہوتی مری خاطر نو نہ کرتا تفصیل
کعبہ امن و اماں بعدہ کشائی میں ڈھیل

قطرہ

کئے وہ دن۔ کہ انکسٹریوں کی گھاری
کیا کرتے تھے تم تقریب ہم خاموش بہتے تھے

اس شعر میں شعرا قبل کی توضیح کی گئی جو بیوں شاعر نے بحث کی اسادی کا یاں کیا جو کہ پہلے تو مجھے کسی صحبت سے جانا
پانے کی تر کر کے نکال دیا اس کے بعد صحبت میں نہ لگا کید۔ اگر کسی صحبت سے نکل رہا ہوں۔
عد میرے دل کا پیش خوف عظیم سے خالی نہیں رہا وہ میرے یہ سانس کا کھینچا ہر نفس کی کشش سے کم نہیں رہا۔
تھے اس کی زینل سے غور کیا کہ زینل ہر ادب میں کا ذکر مشہور کتاب استانی میں جس نے دیکھا کہ وہ اسان میں غم و غم
کا زینل کی نسبت کیا گیا اور کہہ کہ میں ہی چاہا کہ اب تاب ہو رہا تھا اسے کہیں نہ ہوتی تھی غالب نے اس شعر میں لکھا کہ
الاف سے لکھو اور میر کو متحرک استعمال کیا جو حال کہ کتاب و احسان و بیخبر کا جس سے غور کی زینل کا حال و حال
لیا گیا جو موضوع حضرت امیر کے حضور رسد کا شاعر اسان نے حضرت عمر بن امیر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسان میں
حیا کی کہ وہ اسان میں طبع کی حیا کی کوئی سے نہیں کیا جو جس کی صفت یہ ہے جو صلہ ہوتی جو کتا حضرت صلہ نے
انھیں جاسوسی کے لیے مشکوں کی طرح لگا تھا اور شریک نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح لگا تھا لیکن عمرو بن امیر صلی اللہ علیہ وسلم
کی ایک ہر کہ حبیب کو مولیٰ سے آکر کواڑے کے تھے تو تھا کہ داڑھی کی تلخ میں ہی دامت سے لگائی جو ۱۰۔ تھے تقریر کا

بس اب بگڑے کیا فرسنگی جلد مل جاو

قسم لو ہم سے گرہ بھی کس کیوں ہم نہ کتر تھے

قطرہ

کلکے مکا جو ذکر کیا۔ تو نے ہم شین
وہ سبزہ زار اے مظر اکبر غضب
صبر کا وہ اُن کی نگاہیں کہ حیف نظر
وہ بیوہ اے تازہ و شیریں کہ فدا

اک تیر میرے سین میں مارا کہ اے اے
وہ ناز میں بتان خود آرا کہ اے اے
طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ اے اے
وہ بادہ اے تاب و گوارا کہ اے اے

قطرہ

چکنی ڈلی کی تشریف میں

جو صاحب کے کتب دست پہ چکنی ڈلی

زیب و تاب ہوا سے جس قدر اچھا کیجیے

یہاں پر یہاں کرنے کے محاسب میں استعمال ہوا جو نام اس محاسبہ فقیر کہہ گا ترمیم ہو ۱۲
ملاحظہ نظر دیشم ہو۔ اور دو کا محاسبہ جو اس لیے کہ جسے محاسبہ کے نام سے اس کا نام صحیح معلوم
ہوگا ۱۲ کیوں کہ یہاں سے حق میں حق میں استعمال نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہو کہ عام نظروں میں یہ کتابت کی غلطی
پائی تھی جو ۱۲۔

نکاح اس غلطی کو مرنے لگنے میں تصنیف کیا تھا وہ تصنیف خود مرنے لگنے ایک خط نام مرزا قاسم علی مرزا علی
کلیں چوٹ مولوی کریم حسین میرا آب دوست ہے انھوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی میں کتابت کی اور اسے دیکھ کر

خاتمِ انگشت ہونداں کرا سے کیا کیجے
مُہرِ کتبِ عزیزِ ان گرامی کیجے
تسی آنودہ سرِ انگشتِ حیناں کیجے
خاتمِ دستِ سلیمان کے مشابہ کیجے
اخترِ سوختہ قیس سے نسبت دیجے
عمرِ الاسود و دیوارِ حرم کیجے فخرِ من
وضع میں اس کو اگر کیجے قافِ تریاق
صومے میں اے ٹھہرائے گر مُہرِ ناز
کیوں اسے قفلِ درگجِ محبت کھجے ؟
کیوں اسے گوہرِ یاب۔ تصور کیجے

۱۰ ناطقہ سر پہ گرجاں۔ کرا سے کیا کہتے
حرزِ بازو سے شکرِ فانی خود آرا کہتے
دلِ باغِ طرفِ جگر عاشقِ شہید کہتے
سرِ پستانِ ہری زاو سے نام کہتے
خالِ مشکینِ بُرخِ دل کش لیل کہتے
نافہ آجو بسا بانِ خستن کا کہتے
رنگ میں ہنرِ نوخیز سیجا کہتے
مکھڑے میں اے خشتِ نیم صبا کہتے
کیوں اُسے قطرِ برکارِ رست کہتے ؟
کیوں اسے مردِ کبِ دیدہ عتقل کہتے ؟

کلمہ دست پر لکھ کر ہر سے کیا کہ اس کی کچھ تشبیہات لکھ دیکھو وہاں میں نے چھپنے میں اتنی شوق کا قطر لکھ کر دیا
اور صلی میں اولیٰ اُن سے فی (خود خدی)

۱۱ سر پہ گرجاں مگر منہ نہ سے مراد ہو ۱۲
۱۳ عہ سہی کھور۔ سرِ انگشتِ حیناں۔ یعنی سرِ انگشتِ سہی اور وہ چہیاں۔ انگشتِ سہی آنودہ چہیاں سے دعا اگلی ہلاک

جو چچ کی اگلی اور بھنگلیا کے درمیان میں ہوتی ہو کیونکہ کھور اسی اگلی سے عطر میں لگاتی ہیں اور اس کی
بیشی کی اگلی کہتے ہیں ۱۴

۱۵ نام کہنے پر مشابہ کیجے۔ یہ کھارہ بھی فارسی کا کھارہ جو ہر مشابہ اندکی سے مشتق ہو ۱۶۔

کیوں اسے تکہ پہراہن لیا کیجے
اپنے حضرت کے کف دست کو دل کی چھڑی

کیوں اسے نقش پئے ناۃ السلا کہتے
اور اس چکنی سپاری کو سودیا کہتے

قطرہ

نہ پوچھو اس کی تحقیقت حضور والا نے
نہ کھائے گیہوں۔ نکلتے نہ خلد سے باہر

مجھے جو بھیجی ہو مہین کی روغنی روٹی
جو کھاتے حضرت آدم ہ مہین روٹی

سہرا

خوش ہوا سے سخت! کہہ دیجئے تیرے سہرا
کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ بھلا لگتا ہو
سر پہ چڑھنا تجھے پہننا ہو۔ ہرے طرف کا
ناؤ بھر کہہ ہی پرہنے لگے ہوں گے سنی
سات دیا کے فراہم کیے ہوں گے موٹی

بازو شہزادے جواں بخت کے سر پہ سہرا
ہو تیرے حسن دل افزد کا نہ پور سہرا
مجھ کو ڈر رہی کہ نہ چھینے ترا المسبہ سہرا
ور نہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا

نہ کنگہ گشتی۔ لیکن اور میں اس خط کو کہتے ہیں میں گشتی ٹوٹتے ہیں یہ استیصال اہل سنی کے خلاف
راج ہو گیا جو ناۃ السلا سے سو کی اونٹنی۔۔

عہ کٹر سراج عربی جو خیر و برکت کے چھوٹے اور چھوٹے جیسے جواں بخت کی شادی کے وقت ہر مرد صاحب نے
جو سہرا رکھا۔ خیر و برکت تو اب نہ بخت بل کے جیسے تھے۔ یہی بیگ صاحب کو لکھا کہ کے منج میں

خچ پہ دھماکے جو گرمی سے پسینا پکا
یہ بھی لگ بے ادبی تھی کہ قبل سے بڑھ جا
جی میں اترا میں نہ سوتی کہ میں میں لک چنے
جب کلاپنے میں سما دین خوشی کے ہر
نچ روشن کی دمک گور غلغل کی ٹپک
تار کشم کا نہیں۔ جو یہ لگ ابر ہزار

ہو رگ ابر گہرا کسما سر سہرا
لگ گیا کن کے دامن کے برابر سہرا
چاہیے پھولوں کا بھی لک مقرر سہرا
گو نہ سے پھولوں کا بھلا بھر کوئی کنیز سہرا
کیوں نہ دکھائے فروغ مر و اختر سہرا
لاے گا تاپ گراں باری گو ہر سہرا

ہم - سخن فہم ہیں۔ غالب کے طرف دانیس
دیکھیں۔ کدے کوئی اس سہرے سے بڑھ کر سہرا

بڑا دخل تھا اسی وجہ سے بادشاہ شہزادہ جواں بہت کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اس کو دل صحت چاہتے
تھے۔ ان کی شادی میں بہت کچھ دھوم دھام ہوئی تھی۔ اس موقع پر عجم کے ایلات مرزا غالب نے بے سہرا
کیا اور ایک درگاہ کا خد پر لگ کر سوئے کی کشتی میں لگا کر بڑے گلے کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا۔
مقلعہ کو شہر کا بادشاہ کا خیال ہوا کہ یہ اہلی کے اشت و ذوق پر تو بعض چیزیں تھیں اور ستادہ دہی کے بھی بادشاہ کے
ایلات ایک سہرا اسی روغن و قافیہ میں لکھا تھا جو درج ذیل ہوا۔

آج جو یمن و سعادت کا ترے سہرا
کشتی زریں مرو کی لگا کر سہرا
گنچ پر نور ہے جو چہرے سفور سہرا
دیکھ کر کھڑے ہو چہرے مر و اختر سہرا
گو نہ سے سورہ اخلاص کو بڑھ کر سہرا
کلائیں فرغانہ نواسخ : کیونکر سہرا
تا بہ بارش سے بنا ایک سہرا سر سہرا

اے جواں بہت مبارک تجھے سر سہرا
آج وہ دن جو کہ ہے دہانچہ سے ٹپک
آتش صحرے ماند شعلہ غار شید
وہ لکے صل علی یہ کہے سبحان اللہ
حلیہ اور بنی میں ہے اخلاص بہم
دھوم ہو گلشن آفاق میں اس سحر کی
روسے قریح چو ہیں تیرے بر صبح اللہ

قطرہ

نوٹ

مرزا نے اپنے سرے کے جو اب میں استاذ ذوق کا سراپا اس قلعے کو بادشاہ کے حنوز سے پیش کیا تھا۔ عام دیوانوں میں دیگر قطعات کے سلسلے میں اس قلعے کو سرے سے پہلے بچھ دی گئی ہے لیکن ہم نے واقعے کے لحاظ سے اس کو سرے کے بعد بچھ کیا ہے تاکہ سراپا بچھنے کے بعد اس کے مقابل بخاری ذہین نصیب ہو سکیں ۱۱

اچا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے
کچھ شاعریِ ذریعہ عزت نہیں مجھے
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
نا کہ جاہ و منصب و شہرت نہیں مجھے

منظور ہو۔ گزارشِ احوالِ واقعی
سولہت سے جو پیشہ آبا۔ سپہ گری
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلکِ حق
کیا کہ جو چہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں

سرہ دستار ہو دستار کے دھڑل
تیرا خوابا ہو لے لے کے جو گوہر سہرا
اشد شد رے بھولوں کا سطر سہرا
گنگنا با قدمیں دیا ہو تو سر پر سہرا
کھول دے منہ کو تو منہ سے ہٹا کر سہرا
دم لقا رہ نہ سے روئے لگو پر سہرا
دوسلے تیروے ترا ذوقِ شاعر سہرا

لکھ کو لکھ چہ ترش ہو دم آتش
ایک گہر بھی نہیں مسکانی گہر مجھ ڈا
پہر تو مشعل ہو اترا فی سنی لہبا
سر پر ہو تو خری تو گے میں بدھی
رونا فی میں تجھ سے مدد و شہر نگ
کثرتِ تار نظر سے ہو تو خاریوں کا
خود منی اب مفاہم سے بنا کر لایا

استاد و شہ سے ہو مجھے پر خاش کا خیال
جہاں نما ہو۔ شہنشاہ کا ضمیر
میں کون؟ اور رنجیت۔ ہاں اس سے کدوا
سہرا لکھا گیا ذرہ امتثال امر
مقطع میں کپڑی ہو سخن گستر زبان
روئے سخن کسی طرف ہو۔ تو رو سیاہ
قسمت بری تھی۔ پہلی بیت بری نہیں

یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
سودا نہیں جنوں نہیں۔ حوشت نہیں مجھے
ہو شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مح

تجھ سے جراتی ادا دت ہو تو کس بات ہو
ردنی بزم سر و سر تری ذات ہو
غیر کیا۔ خود مجھے نفرت مری اوقات ہو

نصرت الملک بہادر! مجھے تہلا کہ مجھے
گرچہ تو وہ ہو کہ جھگامہ اگر گرم کرے
ادب میں وہ ہوں کہ گہی میں کھنجر کرے

جن کو دعویٰ جوئی کا یہ شہنشاہان کو • دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور رہا

خوشگلی کا ہو بہلا جس کے سبب سے سر
ہاتھ میں تیرے۔ رہی تو سن دلت کی عدا
تو۔ سکندر ہو مرا مخر ہو۔ ملنا تیرا

نسبت اک گو نہ مرے دل کو کھڑا ہے
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات ہے
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات ہے

اس پر گزے رنگاں رپو وریا کا۔ زہرا
غالب خاک نشین۔ اہل خرابات ہے جو

آخری چہار شنبہ

بہتر چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
جو آئے جام بھر کے پیہ اوہ کے ست
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے خنوروں
لوں گلیے کر بیچ سے خالی کیے ہوئے

رکھ دیں جن میں بھر کے خشک ہو گئے
سبزے کو میندا پھرے پھولوں کی جلیے پتے
ہو جن کے آگے سیم و زبر و ماہ اند
لاکھوں ہی آفتاب میں اربے شما چاند

لفظ ۱۰ سفر کے آخری چہار شنبہ کو عوام میں اس حضرت مسیٰ اللہ علیہ وسلم کو عزم صحت لکھا جاتا ہے
اور اس لیے آج کے دن خوشی مناتے ہیں اور عزاں کی سرکہ لکھتے ہیں اور اس قلم میں اسی خوشی کی علامت
رہا کہ وہ جو میں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے زمانے میں بادشاہ کے ہاں کچھ کے دن خوشی منائی
جاتی تھی اور تقریباً وہ دن ہی ہے جس کے چھلے تقسیم ہوتے تھے ۱۲۔

غالب یہ کیا بیاں ہی بجز مرج بادشاہ
بھاتی نہیں بہاب مجھے کوئی نوشتہ و نماد

— ۰ —

مرج شاہ

اے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
تو داکرے اُس عقدے کو سو بھی باخبر
گر لب کو نہ دے پتہ حیواں سے طلب
ہو فخر سلیمان جو کرے تیری دناوت
ہو داغ غلامی ترا۔ توفیق امارت

اے شاہِ جہاں گیر جہاں کش جہاندار
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ دہر
سکن ہو کرے؟ خضر سکندر سے تلوہ کر
آصف کو سلیمان کی وزارت کے شوق
ہو نقشِ مریدی ترا فرمان اکسی

قطرہ

تو آگ سے گر دفع کرے تابِ ثمرت
باقی در ہے آتشِ سوزاں میں حرارت
ہو گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سلطنت
ڈھونڈے نہ ملے موجِ دہلیاںِ دانی
ہو گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غلت

کیوں کرنے کو طے ہیج کو میں ختم دعا پڑھ تو روزہ ہو آج اور وہ دن ہو کہ نہ ہو نہیں	تفاصلاً شکایت میں تری میری عبارت نظارہ کی صفت حق اہل بصارت
تجھ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک ! غالب کو ترے عقبہ عالی کی زیارت	
قطرہ	
افطارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو جس پاس روزہ کھولے کھانے کو کچھ نہ ہو	اُس شخص کو ضرور ہو روزہ رکھا کرے روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے
لے نظارہ کی۔ نظارہ کرنے والا ۱۶ عہ شرف مہر جہاں تاب - مراد شرف آفتاب سے جو اپنی تحویل آفتاب حمل میں جس کو شرف آفتاب کہتے ہیں تجھے مبارک ہو۔ عہہ بڑھو رسی ۱۶	

گزاش مصنف بحضرت شاہ

اے شہنشاہ آسماں اور نگ !
تھامیں اک بے نوائے گوشہ نشین !
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
کہ ہوا مجھ سا دزدِ ناچیسر
کچھ از روئے نگاہ بے ہنری
کہ مر اپنے کو میں کہوں خاک کی
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہوں
خانہ زاد اور مرید اور مداح
بارے نوکر بھی ہو گیا صد مشکر
نہ کہوں آپ سے ۔ تو کس سے کہوں ؟

اے جہاں دارِ آفتاب آثار
تھامیں اک درد مندِ سینہ نگار
ہوئی میری وہ گرمی بازار
روشناسِ ثوابت و سہار
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
بادشاہ کا سلام کار گزار
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
مدعاے ضروری الاطہار

اے شہنشاہ آسماں اور نگ : وہ بادشاہ جس کا تخت آسماں ہو۔

جہاں دارِ آفتاب آثار : وہ بادشاہ جس کی روشنی مثلِ آفتاب کے پھیلی ہوئی ہو جو نکلاں
تعلق میں لگے جل کر مصنف کو جائے کے موسم میں سردی کھانے کی تکلیف کا حال بیان کرتا ہو اس طرح
مدوح کو آسماں آثار کہنا ایک لطیف صفت ہو۔

تھا روشناسِ ثوابت و سہار : یعنی ثوابت و سہارے مجھے پہچانتے تھے۔

پرو مشد - اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاٹے میں چاہیے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؟
 کچھ خریدا نہیں جو اب کی سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تاپے کہاں تک انسان؟
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مستدر ہو
 رسم و رواج کی چھ ماسی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات
 بس کہ لیتا ہوں ہر چہینے قرض
 میری تنخواہ میں تنہائی کا
 کج مجھ سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستان اگر مٹینے
 بزم کا التزام اگر کیجئے
 ظلم ہو - گر نہ دو سخن کی داغ -

ذوقِ آرائشِ سود و ستار
 تانہ سے باورِ مہرِ آزار
 جسم رکھتا ہوں - ہو اگر چہ نزار
 کچھ بنایا نہیں جو اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
 دھوپ کھائے کہاں تک جاندار
 وقفا رہتا عذابِ آفتاب
 اس کے ملنے کا ہو عجب ہنچار
 خلق کا ہو اسی چلن پر مار
 اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار
 اور رہتی ہو سود کی تکرار
 ہو گیا ہر شے ایک سا ہو کار
 شاعرِ لغز گوئے و خوش گنزار
 ہو زبانِ میری - تیغ جو ہر دار
 ہو قلمِ میری - ابر کو ہر بار
 قہر ہو - گر کرو نہ مجھ کو پیار

شاعرِ مہرِ آزار - شاعرِ مہرِ آزار - شاعرِ مہرِ آزار - شاعرِ مہرِ آزار -

نہ لغز گوئے و خوش گنزار -

آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
 تانہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
 شاعری سے نہیں بچھے سروکار
 ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آپ کا بندہ اور بچہ دونوں تنگ
 میری تنخواہ کیجئے ماہ بسا
 ختم کرتا ہوں اب دعا چہ کلام
 تم سلامت رہو ہزار برس

قطبہ

جہاں میں جو کوئی فتح و فخر کا طالب ہو
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہو

کسی عظیم ہوں لازم ہی میرا شریک
 ہونا غالبہ میرے کبھی کسی پہ مجھے

قطبہ

مجھ پہ کیا کرے گی اتنے روز حاضرین ہر
 تین سہل تین تبریدیں سب کو دن بھر

سہل تھا سہل۔ دے سچت خشک آنہ پڑی
 تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد

نہ سے عظیم در سے بخت۔ شریک غالب۔ وہ شریک میں کو غلبہ حاصل ہو اگر کسر اضافی
 لکھا جائے تو اس کے معنی غالب کا شریک میں مصنف کا شریک بھی جائے گا۔
 عہ تین سہل لینے کے لیے یونانی طبعوں کے عل اور رواج کے موافق بارہ دن صرف ہوتے ہیں

قطعہ تابیخ

نجستہ انجمن طوے میرزا جعفر
 ہوئی ہوا ایسے ہی فرخندہ سال میں بچا
 کہ جس کے چکے سے سبکا ہوا اوجہی۔ مخطوط
 نہ کیوں ہوا وہ سال عیسوی۔ مخطوط
 ۱۰۵۴ھ

دیگر

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
 کسا غالب سے تابیخ اس کی کیا ہو؟
 ہوا بزمِ طرب میں ترحیں ناہید
 تو بولا! "الانشراح جشنِ جمشید"
 ۱۲۴۰ھ

اس کی تفصیل بیان کر کے، دہلی کی رخصت شاعر نے غالب کی دو مسلسل سے پہلے کہے کہ نثر
 دلی شفیق پلا تے ہیں اور ہر مسل کے بعد ایک دلی تہرہ اور پھر تینوں مسل ختم ہو جانے پر تین دلی
 اور تہرہ پڑی جاتی ہیں۔ جس کے مراد انھں وہ اسے جو مسلسل کے بعد پڑی جاتی ہو ۱۲۔
 لہ طوے ۱۔ براہ ۱۲۔

دربارِ فار لوگ بہم آشنا نہیں
اس سے جو یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
لکھنؤں پر ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے

رباعیات

آیا ہم جوانی رہے ساغرِ کشِ حال
اسے عمرِ گزشتہ۔ یک قدمِ شہبِ

تبعانا تمام بزمِ عیدِ اطفال
آپہنچے ہیں تا سوادِ تسلیمِ عدم

دیگر

کیا شرحِ کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
ہر قطرۂ اشک۔ دیدہ پُر نم تھا

شب۔ زلف و رخِ عرقِ نشانِ کاغذ تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تک

لکھنؤں پر ہاتھ دھرتا دار و دھار سے میں کسی اور کی ۱۶ اقصیٰ کے انداز کے ساتھ چل رہا ہوں۔ چل
زمانہ میں شاہی مجلس میں جبہ داری ایک دو سوئے کو سلام کرتے تھے تو بیلے چٹائی پر ہاتھ رکھنے کے
بعد فوراً کی طرف ہاتھ ملاتے تھے ان دونوں باتوں نے اس قصہ میں ایک مضمونِ لطیف پیدا کر دیا ہوا
تھا اس دباغی میں چند روز کے لیے عرفیہ کے پیش آنے کی تمنا کی ہو ۱۷

سے زلف و رخسار کے قصور میں ہم آئینہ کھلے ان میں زلف کی سیاہی اور روسے دار کی سفیدی بھی
شامل تھی یعنی ہر قطرۂ اشک میں آنکھ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہو اس لیے ہزار آنکھ سے رونا کہا ۱۸۔

دیگر

ہر سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
لوگوں کے لیے گیا ہو کیا کمیل حال

آتش بازی جو جیسے شعلِ اطفال
تھا تو جہدِ عشق بھی قیامت کو ٹی

ایضاً

بے تابیِ رشک و حسرت و دہسی
بکرا رو انہیں۔ تو تجددِ دہسی

دلِ خاکہ جو جانِ در و تہید سہی
ہم اور فشر دن۔ اے تجلیِ انوس

ایضاً

دشتِ کدو کاشِ رٹنے کے لیے
ٹپتے ہیں یہ بدعا بشِ رٹنے کے لیے

ہر خلقِ حسدِ قاش۔ رٹنے کے لیے
یعنی ہر بار صورتِ کا غفر با د۔

لے لوگوں سے مراد حسدیان کم سن ہیں ۱۲۔ کہ جانِ در و تہید و رعد جان جس کا آواز دہستے جو
یعنی زندگانی پر رعد سن شعلہ دل میں پلے بداشت کے گلا ہو مطلب یہ جو بہر حال رکھتے تھے اس وقت ہم نے زندگی پر بد
اور شکستہ صورت دے کر اپنے انکارِ بداشت کرکھا ادب تو ہمیں اور افسردگی اسی حالت میں ہے جس پر اگر کوئی گولی پڑے
تو ہمیں ہی سن یعنی تیری تہیِ غم سوز و گداز پہلے پڑ گیا تھا اگر اس کا وہ حال ہے تو میں کہ در فریاد کر رہے ہوں کہ غمناک

دل سخت خرم ہو گیا ہو گیا پر یا رکے آگے بول سکتے ہیں		اُس سے گلہ مند ہو گیا ہو گیا نائب مُنہ بند ہو گیا ہو گیا
	ایضاً	
دلکھ جس کے پسند ہو گیا ہو گیا داشت کہ شب کو میندا آتی ہی نہیں		دل رک کر بند ہو گیا ہو گیا سونا سو گند ہو گیا ہو گیا
مشکل ہو زبیں کلام میرا سدا آسان کہنے کی کرتے ہیں فریاد		مُن مَن کُٹا مَنے سخنوں کا دل گویم مشکل، و گر نہ گویم مشکل
بھیجی ہو مجھ کو شاہِ مجاہدِ دل یہ شاہ پسندِ دل کے بحثِ جدال		ہو لطفِ دنیا یا تہِ ہنشاہِ پُوال ہو دولتِ دیرینہ و دانشِ دارِ دل
<p>میں وہی ترکیبِ چرخِ حسدِ خمار میں ہو جس سے مراد حاسد سے ہو نقلی سنی میں "وہ شخص میں نے حسد کا جامہ پہنایا ہو تلاش سے مراد تلاشِ معاشقہ ہو"</p> <p>لاخذا اور پتنگ۔ شاعر نے اس لطیف میں اس زمانہ کے لوگوں کے متناقضانہ رویہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ دنیا میں شخصوں کا لڑا لپٹا ہوا ہے وہ جنگوں کا لڑا لپٹا ہے لڑنے سے لڑا، خمد ہو۔</p> <p>لے اس۔ اعلیٰ کے دوسرے مصرعے میں بعض دیوانوں میں "رک" کو دیگر رکھا ہے جس کی وجہ سے وزن، اعلیٰ سے دو حرف زائد ہو جاتا ہے ۱۱</p>		

آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہر ایک کی خیرِ قدر و دولی باہم

میں شہ میں صفاتِ قوا و جلالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں ساقیِ عالی باہم

دیگر

تا۔ شاہِ پیشوع و انشودا کرے
ہو صفر کہ افزائشِ اعدا کرے

حق شہ کی بقائے خلق کو شاد کرے
یہ دی جوئی ہو رشتہ عمر میں گناٹھ

دیگر

اتنے ہی ہیں شمار میں بلکہ سوا
ایسی گریں ہزار ہوں بلکہ سوا

اس سشتے میں لگتا رہوں۔ بلکہ سوا
ہر پیکرے کو ایک گرہ فرض کریں

دیگر

عشقان کی پرستش سے اُسے مانیں
کیوں کر مانوں کہ اس میں تلخ اور نہیں

کہتے ہیں کہ اب وہ مردمِ آزار نہیں
جو ہاتھ کہ غلم سے اٹھایا ہوگا

لہذا جانِ امثال سے توجہ سائل مراد ہو اور عدلی کی بہت پرستی کی لڑت افتادہ ہو حال سے بخار و شوق
مراد ہی ۱۱

دیگر

کرتے ہیں دنگ کام کرنے والے
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

ہم گچھ نہ سلام کرنے والے
کہیں خدا سے ”اللہ“

دیگر

آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟
خس خانہ پر آب کہاں سے لاؤں؟

سامانِ خورو خواب کہاں سے لاؤں؟
روزہ مرا ایمان ہو۔ قاتل۔ لیکن

دیگر

بھیجے ہیں جوارِ مٹاں۔ شہرِ دلائے
غیرِ ذہ کی تسبیح کے ہیں یہ دلائے

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے
رگن کر دیں شے ہم وہائیں سو بار

دیگر

شاقبِ حرکت یہ کی ہر بجیا تم نے

رقہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے

غالب کا بچا دیا علیجا تم نے

حاجی کلو کو دیکھے بے وجہ جواب

ایضاً

کتنا ہی بتاؤ کس طرح سے رمضان
سننے ہو تراویح میں کتنا فکر

اگر روشنی دیدہ شہاب الدین خاں
ہوتی ہو تراویح سے نصرت کہ تک

وہ اشعار و قطعات جو دیوان مروجین میں ہیں

قطعہ

یہں کہا آتی نہیں اب کیوں صلیب
یہ نشانی رہ گئی ہو اب بجائے حذیب

ایک اہل دروئے سنساری بکھن
بال و پر دوچار دکھ کر کہا مینا دے

ایضاً

پیر اکبر سگر گرا گیا تھا جی بیابان سے
چمکتا تھا شہر پیدہ دیوانگلاں سے

اٹھا اک دن گولہ سا جو کچھ عین شہنشاہ
نظر آیا مجھے اک ظاہر خجوع پرستہ

لے لے یہ وہ نور با حیاں آدھے سے لے لی گئی ہیں سدا دیوان میں شالہ نہیں تھیں مرزا کا کتا
میں لڑکھائی کر لکھ کر بھی تھیں۔

تھ یہ دونوں تھیں حضرت ہوش بکلاوی ایڈیٹر اخبار کی عزت سے ہیں دستیاب ہوئے ہیں انھوں نے انکو
اپنا زینت الب کتاب سرخوئی نو اب عمار الکلب بکلاوی میں درج کیا ہوا ہے لکھا کہ میرزا غالب کے یہ

کنا میں نے کہ اوگم نام آخرا جرا کیا ہو
ہنساکچے کھل کھلا کر کپے پھر تھک کر جو بیچا نا
کنا میں صید ہوئی اس کا کچھ جسے دلم کی شیا
اسی کی زلف بونہ کاو میان ہوشام ہجر تھک کر
بچشم غور جو دیکھا ہر اسی طائر دل تھا

پڑا ہو کام تھک کر کس ٹنگنافت جاں سے
تو یہ رویا کہ جو ہے خوں ہے ملکوں ملکوں
پھنسا کرتے ہیں طائر زلف آکر باغ رضواں سے
یہ مطلب کفر سے ہو اور نہ ہو کچھ کام یہاں سے
کر دے کر مہنگا یوں خاک میری آہ سوزاں سے

غزل

شب وصال میں مونس گیا ہر بن کلیہ
خراج بادشہ میں تھکیوں باگلوں آج
بنا ہو تختہ کھائے یا میں بستر
نورغ حسن سے روشن ہو خاک کا ہما
مزا کے کو کیا خاک ساتھ سونے کا
اگرچہ تھا پہلہ ادوہ گر حشر کا شکر
ہوا ہو کاش کے چادر کو ناگماں غائب

ہوا ہو موجب آرام جان و تن کینہ
کہ بن گیا ہو خم جد پر شکن کسبہ
ہوا ہو دستہ نسرن و نسران کیہ
جو رخت خواب ہی پردیں، تو ہی برتن کیہ
رکھے جو بیچ میں وہ شبنم بسم تن کیہ
اٹھا سکا نہ تراکت سے گلبدن کیہ
اگرچہ زانوئے نل پر زکے دمن کیہ

دونوں قلمے نواب صاحب ممدی کے القز و زبان چھتہ ہیں اور انیس کی زبان سے قلموں سے
تھے تھے بعض نقادوں کی ان قصبات کے طرز میں کو حضرت غائب کے رنگ سے جدا نہ کئے ہیں شمس
لے یہ ذیل اللہ ان کے مطبوعہ اور جانی سے لیکر ایک اور یہ مذکورہ حضرت طالب دہوی کے ہاں سے
اس کو مرزا کے غیر مطبوعہ کام کے ذیل میں شائع کیا تھا۔ ۱۰

<p>بغیر تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہو یہ رات بھر کا ہی ہنگامہ صبح ہونے تک اگرچہ چھینکے یا تم نے دور سے لیکن غش آگیا جو پس از قتل مظل کو شب فراں میں یہ حال چو اذیت کا روا رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ "کیہ کام" ہم اور تم فلک پر میں کو کہتے ہیں</p>	<p>کھرب تیشہ پہ رکھنا تھا کو کہن تکیہ رکھو نہ شمع پیا کی اہل انجمن تکیہ اٹھا سے کیونکہ یہ رہجو خشن تن تکیہ ہوئی جو اس کو مری نش بکفن تکیہ کہ سانپ فرش چو اور سانپ کا ہون تکیہ اب اس کو کہتے ہیں اہل حق "خنکے" فقیر غالب سکیں گا جو کہن تکیہ</p>
<p>جس دن سے کہ ہم خستہ گرفتار بلا ہیں</p>	<p>کپڑوں میں جو میں بچے کے انگوٹے سوا ہیں</p>
<p>میں ہوں مشتاق جہاں پہ جنا اور سہی خبر کی گرگ کاظم کس ہے اسی غیرت ماہ! تم ہو بت۔ پتھر تھیں پندار خدائی کیل جو جس میں جو رہے بعد از میں ہونے کے کبھی</p>	<p>تم ہو بے داد و بخش۔ اس سلا اور سہی ہیں اوس پیشہ بہت وہ نہ ہو اور سہی تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی آپ کا شیدہ و انداز و ادا اور سہی</p>
<p>نہ مرزا صاحب اتفاقاً نہ جو کہتے تھے، اس کپڑوں میں جو میں پر نہیں تھیں، ان کو مرزا میں رہے تھے ایک دین جاکر پتھر خانہ کی مرزا خانی الہ شہر چاہیے کے انگوٹے سوا ہیں کی نشوونما کہتے تھے۔ نام انگوٹے جو تھے یہ خول مرزا نے دیا ان کی بخت قرب چرنے کے بعد عرصہ میں مرزا خانی اپنے خاک و خوار کو کہہ دیجیے حق اس لیے اصل دریاں میں شامل نہیں ہو کر وہ سے سے سے لی گئی ہو۔</p>	

<p>تیرے کوچے کا ہر آل۔ دل مضطرب میرا کوئی دنیا میں گمراہ غ نہیں ہو وہ غ کیوں نہ فروس میں نفع کو ملائیں یا رب مجھ کو وہ دوا کہ جسے کھا کے نہ پانی لگوں مجھ سے غالب یہ غلامی نے غزال گھرائی</p>	<p>کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی خلد بھی باغ ہو خیر آب و ہوا اور سہی سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی زرہر کچھ اور سہی آب بقا اور سہی ایک بے داد گیر رخ فزا اور سہی</p>
<p>بست سجہ غم گیتی شراب کم کیا ہو قیہ پر ہو اگر لطف تو ستم کیا ہو کٹے توشب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاؤ کھا کر سے کوئی احکام طلب نہ ملو یہ حشر و نشر کا فائل نہ کیش و ملت کا وہ داد و دیہ گرا نا ہی شرط ہو ہم دم سخن میں خاتم غالب کی آتش افشانی</p>	<p>غلام ساقی کو تر ہوں مجھ کو غم کیا ہو تھکاری طے روض جانتے ہیں ہم کیا ہو کوئی بناؤ کہ وہ زلف غم ہم کیا ہو کس خبر ہو کہ وہ ان جنس تسلیم کیا ہو خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہو وگرنہ سر سلیمان و جام جم کیا ہو یقیں جو ہم کو بھی لگیں اب ہمیں تم کیا ہو</p>
<p>قطرہ</p>	
<p>مکتبہ جمال بایریدہ ہر آج</p>	<p>ہر سلسلہ شور و غلغلہ کا</p>
<p>لے یہ ہر روز اصل دھن میں شاخیں جو ہر شہر میں اصل دیوں کے مزب چمکے گئے گئے سال ہنگام غلامی کو گھر بھی آئی اور انکو داریت کی تھی کہ وہ اسکو دیا ان کے کاغذ پر چڑھا دیں۔۔۔ لے اصل دیوان جس پہ مطلع مصرعین کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ درج ہو لے یہ قطبہ عزرائیل شہر میں ہر آج غلامی کو گھر بھی آئی اور انکو داریت کی تھی کہ وہ اسکو دیا ان کے کاغذ پر چڑھا دیں۔۔۔ جو ہر شہر میں ہر آج غلامی کو گھر بھی آئی اور انکو داریت کی تھی کہ وہ اسکو دیا ان کے کاغذ پر چڑھا دیں۔۔۔</p>	

<p>گھر سے بازار میں نکلنے ہوئے چوک میں کر کہیں وہ قتل ہو شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا گاہ جل کر کیا کیسے شکوہ گاہ رو کر کہا کیسے باہم اس طرح کے وصال سے یار ب</p>	<p>نہ ہو ہوتا ہو آبِ انساں کا گھر بنا ہو نمونہ زنداں کا قشتہ نگوں ہو ہر مسلمان کا آدھی واں نہ جاسکے یاں کا وہی رونا تنہا دل و جاں کا سوزش و اغما سے چنہاں کا ماجرہ دیدہ ہاں گریاں کا کیا مٹے دل سے داغ ہجرت کا</p>
<p>ہر مہین شرم ہو باوصف شریفی، اتہام ہیں کا سسی آلودہ ہو گھر نازش نامہ ظاہر ہو بامید نغا و خامس ہوں محل کشِ سرت</p>	<p>نگیں میں جلا شریک، ناپید ہو نام ہیں کا کہ داغِ آرزو سے پوس دیتا ہو پیام اُس کا سبا و ہونہاں گریہ نغا غلِ لطیف نام ہیں کا</p>
<p>شب کہ فتنی گنگو سے نہرے، دل بیتاب تھا ہاں بجومِ نغمہ بائے سا برِ عشرت تھا آسہ</p>	<p>شرعی بخت سے افسانہ فصلیں خواب تھا تاہن غم میں سرتا نفس، مضراب تھا</p>
<p>درد کو آج اُس کے ماتم میں سپردی ہوئی</p>	<p>وہ دل بھلا کلک گنگو شمعِ اتم خانہ تھا</p>
<p>کہ (مستطین ۱۹۹۰) ذیل کے نثریہ۔ مایہ دین کا کام کا افسانہ کر لیا گیا ہے۔ یہ سیکھتے ہوئے، وہ نثری افسانہ ہے جسے ہم مسلو کے ہیں، اور قیام کرنے میں اس کی جھکاؤستانی ہے۔ ۱۲</p>	

شکوہِ یاروں غبارِ دل میں پناہ کر دیا	غالب ایسے گنجِ کوشایاں ہی دیر اندہ تھا
پھر وہ سوئے چمن آتا ہو خدا خیر کرے	رنگ اڑتا ہو گلستاں کے ہوا دل کا
منزلِ ملی تمیش ہوئی۔ افزائِ انتظار	پیشیم کشو وہ حلقہٴ سیرِ دل دہرِ آج
تیر کے شمر کا احوال کہوں کیا غالب؟	جس کا وہ ان کم آرگیشن کشمیر نہیں
محکشی کو نہ سمجھئے حاصل	بادہ غالب غریبِ سید نہیں
ہزرتِ لبس کہ فصلِ گل میں سما چیں	غالب گل میں جلی ہو سنتِ پیرِ چیں
ظاہر میں میری شکل ہے افسرِ جنگِ نثار	خارِ الم سے پشت بہ زندہ گنبدِ ہوں
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے خفہٴ سنج	میں عندیہ بگیشن نا آفریدہ ہوں
ابر روتا ہو کہ بزمِ طرب آباد کرو	برقِ منبستی ہو کہ زحمت کئی دمِ بزمِ کرم
ہندوستانِ سائیکل اے تخت تھا	جاہِ دجبالِ عہدِ دجبالِ تبتان پر چھ

۱۔ اس قول کے حرفِ وہ خراسان دیوان میں مدحیتہ کے تحت میں دے چ ہیں

ہواغ تازہ یکمال داغ انتظارِ	عرضِ فضاے سیکہ و دعا تھاں نہ پہنچے
	کستا تھا کل وہ محرم ماننے سے کہہاں دیوِ جدائی اسد الشخاں نہ پہنچے
جہم ریشِ خلی کے سبب بگڑ گئی	خانے پنجہ صیاد مرغِ ریشہ پیرا
غائب زمیں کہ سو گئے چشم میں شرک	آنسو کی بند گوہرِ نایاب ہو گئی
بہا جو این کاشکوں میخا رکفتِ طر	گر چشمِ تریں ہر کاپ رہ ملے گئے دگل ہی
کمالِ حسن مگر وقوفِ اندازِ تفاضل ہو	تکلف بر طرفِ تجھ سے تری تصویرِ بہتر
جہاں ہوں شخی رگ یا قوت دیکھ کر	یاں ہو کہ صحبتِ غصہ آتشِ ہزار
چند تصویرِ پیاں چند حسینوں کے خطوط	بعدِ مرنے کے مرے گھر سے یہ ساناں

۱۔ یہ شعر اکثر لوگوں کی زبان پر ہے لیکن اس کے اصلی مصنف کے نام سے رگ نا آشنا ہیں۔
 بعض اسے میر تقی کا شعر بتاتے ہیں بعض مرزا غالب کہہ لیکن کلیاتِ میر میں اس کا پتا نہیں ملتا۔
 دیوانِ غالب میں ہے۔ لیکن حضرت شریک علی نے اس شخص کی بہت آواز کے ساتھ علی گڑھ مطبوعہ